امام صادق علیہ السلام

علامہ سید رضی جعفر نقوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(۷۸۶/۱۱۰)

مولائے کائنات
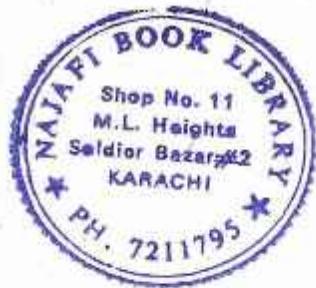
ابوالائمہ حضرت امام علی ابن ابی طالب علیہ السلام

کے اقوال

کی مُناجاتوں میں سے ایک مُناجات

اِلٰهِیْ کَفٰی بِیْ عِزًّا اَنْ اَکُوْنَ لَکَ عَبْدًا وَکَفٰی بِیْ فَخْرًا اَنْ تَکُوْنَ لِیْ رَبًّا اَنْتَ کَمَا اُحِبُّ فَاجْعَلْنِیْ کَمَا تُحِبُّ

میرے اللہ میری عزت کے لئے یہی کافی ہے کہ میں تیرا بندہ ہوں اور میرے فخر کے لئے یہی کافی ہے کہ تُو میرا پروردگار ہے۔ تُو ویسا ہی ہے جیسا میں چاہتا ہوں، پس تُو مجھ کو ویسا بنا لے جیسا تُو چاہتا ہے۔

حیات الامام الصادق علیہ السلام

سوانح حیات امام جعفر صادق علیہ السلام

تحریر
حجتہ الاسلام والمسلمین
علامہ سید رضی جعفر نقوی دام ظلہ

عصمہ پبلیکیشنز
پی-او باکس نمبر:- 18168 کراچی 74700 پاکستان

نام کتاب	:	سوانح حیات امام جعفر صادق علیہ السلام
تحریر	:	حجت الاسلام والمسلمین علامہ سید رضی جعفر نقوی مدظلہ
ناشر	:	عصمہ پبلیکیشنز کراچی
تعداد اشاعت	:	500
تاریخ اشاعت	:	اگست 2005ء
طباعت	:	عاصم پرنٹنگ ناظم آباد نمبر 2 کراچی
سیرٹیفکس ایڈیشن	:	پہلا ایڈیشن
ھدیہ	:	100 روپیہ
مشیر قانون	:	پروفیسر سید سبط جعفر زیدی ایڈوکیٹ جناب شبر رضوی ایڈوکیٹ (ہائی کورٹ)
سرورق (ٹائٹل ڈیزائننگ)	:	سید امتیاز عباس

اسٹاکسٹ

افتخار بک ڈپو۔ اسلام پورہ کرشن نگر۔ لاہور
مکتبہ الرضا۔ ۸ بیسمنٹ میاں مارکیٹ۔ اردو بازار۔ لاہور
مکتبۃ الحسین نواں شہر ابدالی روڈ ملتان
محمد علی بک ڈپو۔ G-9/2 کراچی کمپنی۔ اسلام آباد
عباس بک ایجنسی۔ رستم نگر۔ لکھنؤ
رحمت اللہ بک ایجنسی کھارادر۔ کراچی
خراسان بک سینٹر بریٹو روڈ۔ کراچی
انجم پبلیکیشنز بریٹو روڈ کراچی
مکتبۂ علویہ مرکز تبرکات وظائف رضویہ سوسائٹی کراچی

منہاج الصالحین غزنی اسٹریٹ اردو بازار لاہور
کریم پبلیکیشنز سمیع سینٹر اردو بازار لاہور
سید محمد ثقلین کاظمی جی 6/2 ۔ اسلام آباد
سودے بکس لائبریری اینڈ اسٹیشنرز۔ سکردو۔
حسن علی بک ڈپو۔ کھارادر۔ کراچی
محفوظ بک ایجنسی۔ مارٹن روڈ۔ کراچی
احمد بک ڈپو۔ رضویہ سوسائٹی۔ کراچی
احمد تبرکات سینٹر انچولی کراچی
محمد علی بک ڈپو۔ بریٹو روڈ۔ کراچی

اللهم صل على محمد وآل محمد

الله
جل جلالہ
محمد
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
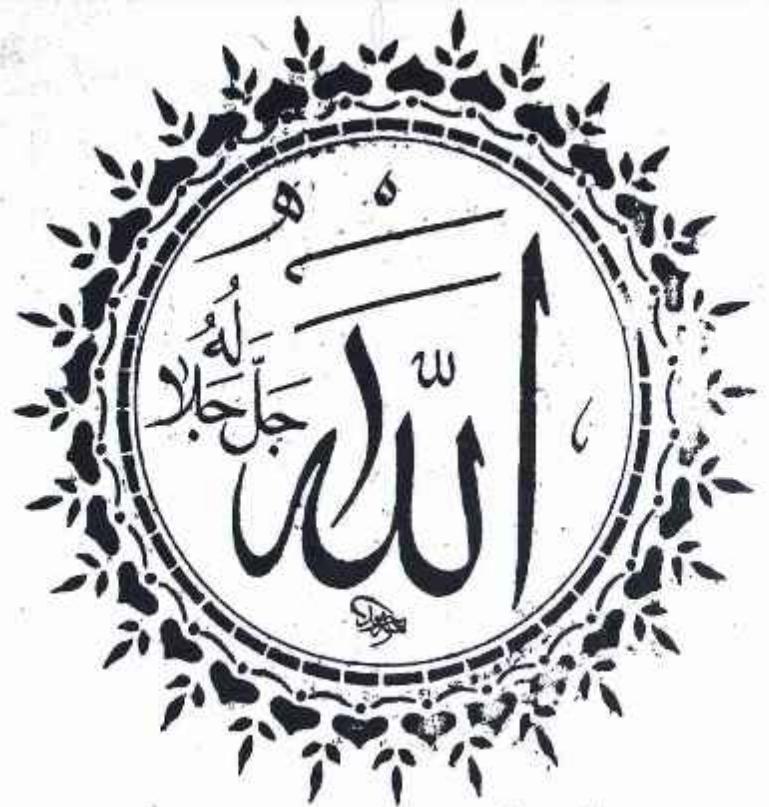
أنتَ یا جعفرُ فوقَ المدحِ والمدحُ عناء
إنّما الأشرافُ أرضٌ ولهم أنتَ سماء
جازَ حدَّ المدحِ مَن قد ولدتهُ الأنبیاء

(اے (امام) جعفر صادقؑ
آپؑ کی ذات توصیف و تعریف کی حد سے بلند ہے
اور مدح و ثنا آپ کا حق ادا کرنے سے عاجز ہے
دنیا کے جتنے صاحبانِ شرف ہیں
وہ گویا زمین (کے مانند) ہیں
اور آپؑ اُن سب کیلئے آسمان ہیں
اُس شخص کی مدح و ثنا کی حد کون معین کر سکتا ہے
جو انبیائے کرام کی ذریت ہو!)

"وہ" جن پر درود کے بغیر نماز نہیں ہوتی

صلى الإله على سلا — لة أحمد أهل الكرم

من كان يسلمهم يسلم — أو كان حاربهم ندم

مرضى الإله إذا رضوا — وبكل ما حكموا احكم

أزكى الزكاة ولاءهم — والحظ منه من النعم

خلق الإله من نورهم — من قبل أن برأ النسم

من لم يصلهم بالصلاة — فلم يصل ولم يصم

الله أوجب حقهم — وعلى العباد به حتم

شرع الهداية إن خبا — ليل الضلالة وادلهم

لولاهم ما نال آدم با — لمتاب ولا رحم

لولا هدايتهم لما عر — ف السبيل ولا علم

صلى الله عليهم

ما غار نجم أو نجم

(خداوندِ عالم کا درود و سلام ہو احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ) کی اولاد پر، جو صاحبانِ فضل و کرم ہیں۔ جن کی صلح (پیغمبر اکرمؐ) کی صلح ہے، اور جن سے جنگ کرنا (دنیا و آخرت میں) پشیمانی کا باعث ہے۔

جب یہ راضی ہوں تو خداوندِ عالم راضی ہوتا ہے۔ اور جو حکم یہ نافذ کرتے ہیں، وہی خالق کا فرمان ہوتا ہے۔

سب سے زیادہ پاکیزہ، نمو پلنے والی چیز اُن کی ولایت و محبت ہے، جو خالص ہو تو نعمت ہے۔

خداوندِ عالم نے اُن کو مخلوقات کی پیدائش سے پہلے خلق فرمایا۔

جو شخص نماز میں اُن پر درود نہ بھیجے، اس نے (درحقیقت) نہ نماز پڑھی، نہ روزہ رکھا۔

خداوندِ عالم نے اُن کے حق کو لازمی قرار دیا ہے، اور بندوں کیلئے یہ حتمی (فریضہ) ہے۔

ضلالت کی رات کتنی ہی اندھیری اور تاریک ہو، ہدایت کا آغاز اِن ہی لوگوں کے ذریعہ سے ہے۔ اگر ان کی ذواتِ مقدسہ نہ ہوتیں تو نہ آدمؑ کی دعا قبول ہوتی، نہ رحمتِ (پروردگار) اُن کے شاملِ حال ہوتی۔ اِن لوگوں کی رہنمائی نہ ہوتی تو نہ (حق کی) راہ پہچانی جاتی نہ (لوگوں کو اس کا) علم ہوتا۔

(جب تک ستارے طلوع و غروب کرتے رہیں (یعنی ہمیشہ) خداوندِ عالم کا درود و سلام اُن پر نازل ہوتا رہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی لَمْ یَزَلْ سَمِیْعًا بَصِیْرًا عَالِمًا قَدِیْرًا، بِذَاتِ الْقُلُوْبِ خَبِیْرًا

اَعَدَّ لِلْكَافِرِیْنَ سَعِیْرًا، وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ اَرَائِكَ وَسُرُرًا، وَاَلْبَسَهُمْ بِفَضْلِهٖ سُنْدُسًا

وَحَرِیْرًا، وَسَقَاهُمْ مِنْ عَیْنٍ تُفَجِّرُ وَنَهَا تَفْجِیْرًا، وَوَقَاهُمْ شَرَّ یَوْمٍ كَانَ شَرُّهٗ

مُسْتَطِیْرًا۔

وَاَبْدَعَ فِی السَّمَاءِ سِرَاجًا وَّهَّاجًا وَقَمَرًا مُنِیْرًا،

تَبَارَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَاءِ بُرُوْجًا وَجَعَلَ فِیْهَا سِرَاجًا وَقَمَرًا مُّنِیْرًا۔

وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّةُ وَالْاِكْرَامُ عَلٰی مَنْ بَعَثَهٗ بَشِیْرًا وَنَذِیْرًا،

سیدنا ونبینا ابی القاسم محمد وآلہ الطیبین الطاہرین الذین

اذہب اللہ عنہم الرجس وطہرہم تطہیرا۔

واللعنۃ الدائمۃ علی اعداءہم الذین اعد اللہ لہم سلاسل واغلالا

وسعیرا

اما بعد

زیرِ نظر کتاب چھٹے تاجدارِ امامت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی بارگاہ میں اس بندۂ ناچیز کا نذرانۂ عقیدت ہے۔ جس میں:

قرآن مجید ———

نہج البلاغہ ———

تفسیر مجمع البیان، تفسیر کبیر، منہج الصادقین، تفسیر فی ظلال القرآن، تفسیر نمونہ، فصل الخطاب، تدبر قرآن وغیرہ۔ تاریخ طبری، تاریخ یعقوبی، منتہی الامال، تاریخ فرشتہ، تاریخ اعثم کوفی، الدمعۃ الساکبہ، مناقب ابن شہر آشوب، ینابیع المودۃ، بحار الانوار،

امالی شیخ صدوق، امالی شیخ طوسی، اثبات الہداۃ، الخرائج والجرائح، عیون اخبار الرضا، علل الشرائع، تحف العقول، اعلام الوریٰ، کافی، خصال شیخ صدوق، بصائر الدرجات اور عالم اسلام کی دیگر معروف کتابوں میں بکھرے ہوئے جواہر کا ایک اقتباس پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جا رہی ہے۔

کس کی زبان میں طاقت ہے کہ اُن خاصانِ خدا کی مدح و ثنا کا حق ادا کر سکے، اور کس قلم میں اتنی توانائی ہے کہ اُن ہادیانِ برحق کی سیرتِ طیبہ کے ایک ایک پہلو کا احاطہ کر سکے۔

خصوصاً مسندِ علم و عرفان کے وہ تاجدار جن کی بارگاہ میں خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لئے جب مغربی دنیا کے "۲۵" نامور ماہرینِ فن اور صاحبانِ علم و تحقیق بیٹھے اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ کے صرف ایک پہلو پر گفتگو کے لئے سر جوڑ کر بیٹھے تو ایک انتہائی ضخیم کتاب منصۂ شہود میں آئی جس کا نام اُن لوگوں نے تجویز کیا۔

"مغز متفکر جہان شیعہ"

(دنیائے تشیع کا دور اندیش دماغ)

جو فرانسیسی زبان میں نہایت اہتمام سے شائع ہوئی۔

اس کتاب میں مذکورہ بالا دانشمندوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کے دور کی علمی ترقیوں اور فکر و شعور کے ارتقاء کا جائزہ لیا ہے، اور دلائل و شواہد کر ثابت کیا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے شاگردوں کو، بکثرت ایسے علوم سے روشناس کرایا، جن کی طرف بیسویں صدی سے مغربی دنیا کے سائنسدانوں کے فکر و خیال کی رسائی بھی نہیں تھی۔

اسس کتاب کا سب سے پہلے فارسی زبان میں ترجمہ ہوا۔
جس سے دنیا بھر کے صاحبانِ فکر و دانش نے استفادہ کیا۔

اس کتاب کے مترجم نے بجا طور پر لکھا ہے کہ:

میں ایک مردِ مسلمان، شیعہ اثناعشری ہوں، مجھے پہلے یہ معلوم نہیں تھا کہ شیعوں کو جعفری کیوں کہتے ہیں، کیونکہ میں صرف اتنا ہی جانتا تھا کہ آپؑ امام محمد باقرؑ کے فرزند ہیں (ہمارے چھٹے امام ہیں) اور آپؑ کے فرزند حضرت امام موسیٰ کاظمؑ (ہمارے ساتویں امام ہیں)

مجھے امامؑ کے بارے میں صرف یہ معلوم تھا کہ کہاں پیدا ہوئے، اور آپ کی قبر مبارک کہاں ہے، اس سے زیادہ معلومات میرے پاس نہیں تھیں۔ اس لئے مجھے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ انہوں نے اپنی حیاتِ طیبہ میں کون کون سے کارنامے انجام دیئے، جن کی بناء پر مذہبِ شیعہ اُن کے نامِ نامی سے منسوب ہوا۔

میں یہ بھی سوچا کرتا تھا کہ ہمارے پہلے امام تو حضرت علی ابن ابی طالبؑ ہیں، تو ہمارے مذہب کو علوی کیوں نہیں کہا جاتا؟

اور کبھی ذہن میں یہ خیال آتا کہ حضرت امام حسینؑ نے تو اس دین کی سربلندی، حفاظت بقاء اور سالمیت کیلئے سب سے بڑی، اور تاریخ کی سب سے عظیم الشان قربانی پیش کی ہے۔ تو اس مذہب کا "حسینی" کیوں نہ رکھا گیا۔

میرے ذہن میں اسی قسم کے خیالات کی لہر آتی رہتی تھی، یہاں تک کہ:

جرمنی کے شہر "اسٹراسبرگ" سے ایک رسالہ میرے ہاتھ آیا، جو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی علمی خدمات کے بارے میں تھا، اس رسالہ کے اندر اُس دور کے حالات کا مکمل احاطہ کرتے ہوئے یہ واضح کیا گیا تھا کہ امام علیہ السلام

نے درس و تعلیم کی عظیم الشان بنیاد رکھی جس نے اس مذہب کو حیاتِ نو عطا کردی۔
اور جس ذاتِ گرامی کی تعلیمات سے اس مذہب کو حیاتِ نو ملی ہو اس کا یہ حق ہے کہ اس مذہب کو اُسی کے اسمِ گرامی سے منسوب کیا جائے۔

اس موقع پر کوئی شخص میرے بارے میں یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کی علمی خدمات سے ناواقفیت، تمہاری اپنی کوتاہی کی بنا پر تھی؟ ورنہ مندرجہ ذیل کتابوں تو امام کے حالات بہت تفصیل سے موجود ہیں:

- بحار الانوار ــــ علامہ مجلسی علیہ الرحمہ۔
- مناقب آلِ ابی طالبؑ ــــ ابن شہر آشوب۔
- وفیات الاعیان ــــ ابن خلکان۔
- "الوافی" ــــ ملا محسن فیض کاشانی۔
- "کافی" ــــ ثقۃ الاسلام شیخ کلینیؒ۔
- "ناسخ التواریخ" ــــ لسان الملک سپہر کاشانی..... وغیرہ۔

لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ ان کتابوں میں امام جعفرِ صادق علیہ السلام کی سیرت، کردار، آپ کے علمی مراتب، آپؑ کے فضائل و مناقب، آپؑ کے معجزات اور آپؑ محیر العقول کارناموں کا تو تفصیلی تذکرہ موجود ہے۔ مگر اس سوال کا جواب مجھے نظر نہیں آیا کہ ہمارا مذہب خاص طور سے امام جعفرِ صادق علیہ السلام سے کس بناء پر منسوب ہے۔
لیکن جب میں نے جرمنی میں اس رسالہ کا مطالعہ کیا۔ جس میں خاص طور سے اس موضوع پر بحث کی گئی تھی، بلکہ اس رسالہ کا بنیادی مضمون، یہی تھا اور جس میں

امام علیہ السلام کی تعلیمی وتدریسی خدمات کو بہت واضح طور سے اُجاگر کیا گیا تھا، اور
اور دلائل کے ساتھ ثابت کیا گیا تھا کہ بنی امیہ کے سیاہ دور میں مذہب شیعہ کی تعلیمات
کو مٹا دینے کی اتنی بھرپور کوشش کی گئی تھی کہ اگر امام جعفر صادق کا دور نہ آتا جس میں
اطراف واکنافِ عالم سے لوگ امام کی خدمت میں جمع ہوتے اور فقہ، حدیث، تفسیر،
علم معرفت، حکمت، طب، فلکیات، الٰہیات، سماجیات، ٹیکنالوجی، صنعت و حرفت،
علم کیمیا، علم سیارگان اور دوسرے علوم کے بارے میں امامؑ سے ہدایات حاصل کر کے
اپنے اپنے علاقوں میں پہونچاتے۔ تو اس مذہب کے خدوخال نہ پہچانے جاتے۔
لیکن امامؑ سے کسبِ فیض حاصل کرنے والوں نے جب اپنے اپنے علاقوں میں جاکر
ہر قسم کے علوم کی اشاعت کی اور لوگوں کو بتایا کہ ہم نے یہ سب کچھ امام جعفر صادقؑ سے
حاصل کیا ہے، تو یہ بات رفتہ رفتہ اتنی مشہور ہوئی کہ مذہب حق کا نام مذہب جعفری بن گیا۔
زیر نظر کتاب میں اُسی ذاتِ والا صفات کے ذکر کی سعادت حاصل کی گئی ہے اور امامؑ
کے فضائل و مناقب، اور آپ کے معجزات وغیرہ کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ اُن محیر العقول
علمی کارناموں کی نشاندھی بھی کی گئی ہے۔ جن کی بناء پر ہمارے مذہب کا نام "فقہ جعفری"
اور "مذہب جعفری" قرار پایا۔ اس کتاب میں اگر آپ کو کوئی خوبی نظر آئے تو وہ اُن
بزرگان کا عطیہ ہے جن کی کتابوں سے اکتسابِ فیض کیا گیا ہے، اور اگر کوئی نقص نظر آئے
تو وہ میری تہی دامنی اور عاجزی کا نتیجہ ہے۔

احقر

سید رضی جعفر نقوی

امام کے بارے میں عالم اسلام کی تصنیفات

عالم اسلام کی مندرجہ ذیل کتابوں کے اندر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

کا تذکرہ موجود ہے :

(۱) :۔ تاریخ ابنِ اثیر جزری۔

(۲) :۔ تاریخ ابنِ کثیر شامی۔

(۳) :۔ تاریخ ابنِ واضح یعقوبی۔

(۴) :۔ تاریخ ابنِ عساکر۔

(۵) :۔ تاریخ ابنِ الوردی۔

(۶) :۔ تاریخ ابنِ خلکان۔

(۷) :۔ تاریخ القرمانی۔

(۸) :۔ (تاریخ مروج الذہب (مسعودی)۔

(۹) تہذیب التہذیب ۔ ابنِ حجر عسقلانی۔

(۱۰) تذکرۃ الحفاظ ۔ ذہبی

(۱۱) :۔ تقریب التہذیب ۔ ابنِ حجر۔

(۱۲) :۔ لسان المیزان ۔ ۔ ۔

(۱۳) :۔ میزان الاعتدال ۔ ذہبی

(۱۴) :۔ تہذیب الاسماء واللغات ۔ نووی۔

(۱۵) :۔ الجمع بین رجال الصحیحین ۔ مقدسی

(۱۶) ـ صفۃ الصفوۃ ـ ابن جوزی۔

(۱۷) ـ مناقب ابی حنیفہ ـ موفق بن احمد۔

(۱۸) ـ مناقب ابی حنیفہ ـ الکردری۔

(۱۹) ـ " ـ البزاز۔

(۲۰)ـ جامع اسانید ابی حنیفہ۔

(۲۱)ـ الحیوان ـ الجاحظ۔

(۲۲)ـ الرسائل ـ الجاحظ۔

(۲۳)ـ البیان والتبیین ـ "

(۲۴)ـ مقدمہ ابن خلدون۔

(۲۵)ـ الفصل ـ ابن حزم۔

(۲۶)ـ الملل والنحل ـ شہرستانی۔

(۲۷)ـ النجوم الزاھرہ ـ ابن تغری بردی۔

(۲۸)ـ مناہج التوسل ـ بسطامی۔

(۲۹)ـ الصواعق المحرقہ ـ ابن حجر مکی

(۳۰)ـ المواہب اللدنیہ ـ زرقانی۔

(۳۱)ـ مرآۃ الجنان ـ یافعی۔

(۳۲)ـ خلاصۃ تہذیب الکمال ـ خزرجی۔

(۳۳)ـ الطبقات الکبریٰ ـ شعرانی۔

(۳۴)ـ التوسل والوسیلہ ـ ابن تیمیہ۔

(۳۵)ـ عیون الادب والسیاسۃ ـ ابن ہذیل۔

(۳۶)ـ المدارک ـ قاضی عیاض

(۳۷)۔ تذکرہ — ابن حمدون۔
(۳۸) — الآثار — ابو یوسف۔
(۳۹) — الآثار — محمد حسن الشیبانی۔
(۴۰) — الاصابہ — ابن حجر عسقلانی۔
(۴۱) — الفہرست — ابن ندیم۔
(۴۲) — الکواکب الدریہ — المناوی۔
(۴۳) — شرح شفاء — خفاجی۔
(۴۴) — نور الابصار — شبلنجی۔
(۴۵) — عیون الاخبار — ابن قتیبہ۔
(۴۶) — امالی — القالی۔
(۴۷) — نیل الاوطار — شوکانی۔
(۴۸) — اتحاف الاشراف — شبراوی۔
(۴۹) — جوہرۃ الکلام — القراغنرلی۔
(۵۰) — تاریخ العرب — میر علی مہدی۔
(۵۱) — مشارق الانوار — حمزاوی۔
(۵۲) — التشریع الاسلامی — خضری۔
(۵۲) — صحاح الاخبار — الرفاعی۔
(۵۴) — دائرۃ المعارف — فرید وجدی۔
(۵۵) — تاریخ العلویین — محمد امین غالب۔
(۵۶) — مختصر التحفہ الاثناء عشریہ — آلوسی۔
(۵۷) — کتاب مالک بن انس — الخولی۔

(۵۸) — کتاب مالک بن انس — محمد ابوزہرہ۔
(۵۹) — رشفۃ الصادی — خضرمی۔
(۶۰) — روضۃ الاحباب۔ بیکلی زادہ۔
(۶۱) — روض الزھر — برزنجی۔
(۶۲) — زاد الاحباب — فاروقی۔
(۶۳) — سیر النبیؐ والآل والاصحاب — ابراہیم حلبی۔
(۶۴) — الشرف المؤبد — النبہانی۔
(۶۵) — الصراط السوی — الشیخانی۔
(۶۶) — الصفوہ — المناوی۔
(۶۷) — الطراز الادنی — احمد بن زین العابدین۔
(۶۸) — طراز الذہب — الخوارزمی المتخلص بغالب۔
(۶۹) — العذب الزلال — عمر الحلبی —
(۷۰) — عقد الجواہر — العیدروسی۔
(۷۱) — عقد اللئال — العیدروسی۔
(۷۲) — عقود اللئال — التونسی۔
(۷۳) — الفتح المبین — الدہلوی۔
(۷۴) — الفرائد الجوہریہ — میر غنی المحجوب۔
(۷۵) — مشارق الانوار — لاجوری۔
(۷۶) — مصباح النجا — محمد شاہ عالم۔
(۷۷) — معراج الوصول — الزرندی۔
(۷۸) — مفتاح النجا — البدخشی۔

(۷۹) — نزل الابرار — البدخشی۔

(۸۰) — وسیلۃ المآل — الحضرمی۔

(۸۱) — ینابیع المودۃ — القندوزی۔

(اور — ان کے علاوہ بکثرت کتابیں)

مذکورہ بالا کتابوں میں امام جعفر صادق علیہ السلام کا ذکر، کسی نہ کسی مناسبت سے موجود ہے:

روایت کے عنوان سے — آپ کے قول سے استشہاد کے طور پر — آپ کی رائے کی ترجمانی کرتے ہوئے — نقلِ قول کرتے ہوئے — یا کسی اور عنوان سے —

اور یہ تمام کتابیں وہ ہیں، جو غیروں کی لکھی ہوئی ہیں، ان کے علاوہ۔

تفسیر، حدیث، اخلاق، آداب، تاریخ، تراجم، اسلامی فلسفہ، طب و حکمت، اور ریاضیات کی، سیکڑوں ایسی کتابیں ہیں جو امام علیہ السلام کے ذکرِ جمیل سے منور ہیں۔

البتہ مندرجہ ذیل کتابیں وہ ہیں جن میں نہایت تفصیل کے ساتھ، امام علیہ السلام کا تذکرہ پایا جاتا ہے:

- — اَلْاِمَامُ الصَّادِقُ ———— رمضان لاوند۔
- — طِبُّ الْاِمَامِ الصَّادِقِ ———— شیخ محمد خلیلی۔
- — اَلْاِمَامُ الصَّادِقُ ———— محمد ابوزہرہ۔
- — حَیَاۃُ الْاِمَامِ الصَّادِقِ ———— شیخ محمد حسین مظفر۔
- — اَلْاِمَامُ الصَّادِقُ مُلْہِمُ عِلْمِ الْکِیْمِیَاءِ۔ ———— محمد یحییٰ ہاشمی۔

حیاۃُ الصّادقؑ — شیخ موسیٰ سبیتی

جعفر بن محمدؑ — عبدالعزیز سید الاہل

الامامُ الصّادقؑ والمذاہبُ الاربعۃ — شیخ اسد حیدر

آپؑ کے والدینِ کریمین

آپؑ کے پدرِ بزرگوار تو آسمانِ امامت کے پانچویں تاجدار حضرت امام محمد باقرؑ ہیں، جنھیں سرکارِ ختمی مرتبت احمدِ مجتبیٰ حضرت محمدِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے گرامی مرتبت صحابی حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ کے ذریعہ سے خصوصی سلام بھیجا تھا۔

اور آپؑ نے اپنے عہدِ امامت میں علم و دانش کے گرانقدر ابواب روشن کئے۔ اور تشنگانِ علم و معرفت کی سیرابی کے ایسے اسباب فراہم کئے کہ آپ کو "باقر العلم" اور "باقر علم النبیین" جیسے گراں قدر القاب سے یاد کیا گیا۔

۵۷ھ ہجری میں دنیا میں تشریف لائے، اور ۵۷ سال کی عمر میں ۱۱۴ھ ہجری میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ اور جنّت البقیع میں اپنے پدرِ بزرگوار کے پہلو میں دفن ہوئے۔[1]

و

اور امام جعفر صادق علیہ السلام کی مادرِ گرامی جنابِ اُمِّ فروہ ہیں جو حضرت محمد بن ابی بکر کی پوتی تھیں، اور حضرت محمد بن ابی بکر جنابِ اسماء بنت عمیسؓ کے بیٹے تھے۔

حضرت محمد بن ابی بکر نے جنابِ امیرؑ کے زیرِ سایہ تعلیم و تربیت حاصل کی آپؑ ہی کی روشِ حیات کو اپنایا، اور امیرالمومنینؑ سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے اور جنابِ امیرالمومنینؑ بھی انھیں بہت چاہتے تھے، اور اپنے فرزند کی مانند سمجھتے تھے۔

---

[1] آپؑ کے حالاتِ زندگی کے لئے ملاحظہ فرمایئے مؤلف کی کتاب باقر النبیین جو اکتوبر ۲۰۰۰ میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی۔

فرمایا کرتے تھے :- "مُحَمَّدٌ اِبْنِیْ مِنْ صُلْبِ اَبِیْ بَکْرٍ"

(محمدؑ میرا بیٹا ہے، اگرچہ ابوبکر کے صلب سے ہے)

سنہ ۱۰ ہجری میں پیدا ہوئے اور سنہ ۳۸ ہجری میں اٹھائیس سال کی عمر میں امیر شام کے آدمیوں نے آپ کو شہید کر دیا۔

اُس وقت آپ پر پیاس کی شدت تھی، آپ نے دشمنوں سے پانی طلب کیا، مگر ان سنگ دل مجرموں نے پانی دینے سے انکار کیا، اور اُسی تشنگی کے عالم میں انھیں شہید بھی کیا، اور اُن کی لاش کی بے حرمتی بھی کی۔

٭

جنابِ امیرؑ کو ان کی شہادت کی خبر ملی، تو آپ کو بہت زیادہ رنج ہوا، انکی توصیف کرتے ہوئے فرمایا کہ:

مُحَمَّدُ بْنُ اَبِیْ بَکْرٍ، فَلَقَدْ کَانَ اِلَیَّ حَبِیْبًا، وَکَانَ لِیْ رَبِیْبًا۔

(جہاں تک محمد ابن ابی بکر (کا تعلق ہے) تو وہ مجھے محبوب تھے اور میری آغوش میں ہی پروان چڑھے ہیں۔

ملاحظہ فرمایئے، نہج البلاغہ

(ذکر محمد بن ابی بکر)

٭

حضرت محمد بن ابی بکر کے فرزند "قاسم" بھی اپنے زمانہ کے جلیل القدر اصحاب میں شمار کئے جاتے ہیں جو امام چہارم حضرت زین العابدین علیہ السلام کے معتمد اور مقرب بارگاہ لوگوں میں سے ہیں اور مدینۂ منورہ کے اُن سات بلند مرتبہ علماء و فقہا میں سے شمار کئے جاتے ہیں، جنھوں نے حضرت سید الساجدین کے کنار عاطفت میں تربیت پائی اور امامؑ کے فیض سے فقہ میں بلند درجہ پر فائز ہوئے۔

اُن ہی کی دخترِ نیک اختر "ام فروہ بنت قاسم" سے حضرت امام محمد باقرؑ کی شادی ہوئی اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اُن ہی جناب ام فروہ بنت قاسم کے بطن سے دنیا میں تشریف لائے۔

جناب ام فروہ کے عالم اسلام کے بلند مرتبہ مؤرخ "مسعودی" نے لکھا ہے کہ:

اُمّ فروہ از تمامی زنان زمان خود تقوا الشی زیاد تر بود، روایت کردہ از حضرت امام زین العابدین علیہ السلام...

جناب ام فروہ اپنے زمانہ کی تمام عورتوں سے زیادہ پرہیزگار تھیں، اور آپ اُن لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی روایات (کی نشر و اشاعت) کی ہے۔

حوالہ کیلئے ملاحظہ فرمایئے:
• اثبات الوصیہ، علی بن الحسینی مسعودی؛ منتہی الآمال جلد ۲ صفحہ ۲۳

اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے جب اُن معظمہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو زبانِ عصمت و طہارت سے اُن جلیل القدر خاتون کے بارے میں یہ فرمانِ گرامی صادر ہوا کہ:

كَانَتْ اُمِّي مِمَّنْ آمَنَتْ وَ اتَّقَتْ وَ اَحْسَنَتْ، وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۔

(میری مادرِ گرامی اُن خواتین میں سے ہیں جو ایمان لائیں، تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کی اور نیکی کی راہوں پر چلیں ـــ اور خدا تو نیکوکاروں کو (بہت) پسند کرتا ہے۔)

(ملاحظہ فرمایئے، کافی جلد ۱ صفحہ ۴۷۲؛ منتہی الآمال جلد ۲ صفحہ ۲۳۶)

امام علیہ السلام نے نہایت مختصر الفاظ میں اُن معظمہ کی صفات حسنہ کو یوں سمو دیا، جیسے سمندر کو کوزے میں بند کر دیا جائے۔

اور اگر یہ بات پیش نظر رہے کہ جب حضرت امیر المومنین علی بن ابیطالب علیہ السلام کے ایک نہایت جلیل القدر صحابی "ہمام بن عبادہ" نے مولاؑ سے درخواست کی تھی کہ مومنین کی توصیف فرمایئے ۔۔ تو جناب امیرؑ نے مندرجہ ذیل کلمات ارشاد فرمائے تھے :

اِتَّقِ اللّٰهَ، وَ اَحْسِنْ فَاِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ۔

خدا سے ڈرو (تقویٰ اختیار کرو) اور نیکوکار بنو، بیشک خداوند عالم اُن لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کریں اور جو نیکوکاری کی راہوں پر چلیں)

(ملاحظہ فرمائیں:

نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۱۹۲)

اور جناب شیخ عباس قمی علیہ الرحمہ کا بیان ہے کہ جناب اُمِّ فروہ اس قدر بلند مرتبہ اور جلیل القدر خاتون تھیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ان کو "ابن المکرمہ" (بزرگیوں کی وارثہ) کہا کرتے تھے۔

(منتہی الآمال جلد ۲ صفحہ ۲۳۷)

ولادتِ باسعادت

ماہِ ربیع الاول کو مالکِ دوجہاں نے یہ شرف عطا فرمایا ہے کہ کائنات کے سید و سردار، فخرِ موجودات، باعثِ تخلیق ارض و سماوات، خاتم الانبیاء احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کے چھٹے جانشینِ برحق حضرت امام جعفرِ صادق کی ولادتِ باسعادت کے لئے اسی مہینے کی سترھویں تاریخ کا انتخاب کیا گیا، فرق یہ ہے جس سال یمن کے حاکم "ابرھہ" نے خانۂ کعبہ کی تاراجی کا منصوبہ بنایا تھا، جسے خالقِ کائنات نے "ابابیل" سے لشکر کے ذریعہ ناکام کر دیا۔

جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے۔

اَلَم تَرَ کَیفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصحٰبِ الفِیلِ۔ اَلَم یَجعَل کَیدَھُم فِی تَضلِیلٍ۔ وَاَرسَلَ عَلَیھِم طَیرًا اَبَابِیلَ۔ تَرمِیھِم بِحِجَارَۃٍ مِّن سِجِّیلٍ۔ فَجَعَلَھُم کَعَصفٍ مَّاکُولٍ۔

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟۔ کیا اُن کی تدبیر کو بے کار نہیں کر دیا۔؟۔ اور اُن پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیج دیئے، جو اُن کو پکی ہوئی مٹی کے کنکر مار رہے تھے، بس انہیں کھائے (اور چبائے) ہوئے بھوسے کے مانند کر دیا۔

(ملاحظہ فرمائیں سورہ مبارکہ فیل پارہ ۳۰)

جس کے ذیل میں مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ :
یمن کے حاکم "ابرہہ الاشرم" نے صنعاء نامی شہر میں ایک بہت بڑا گرجا گھر تعمیر کرایا۔ اور اس کوشش میں لگ گیا کہ لوگ خانۂ کعبہ کے بجائے 'عبادت' اور اور مراسم حج کی ادائیگی کے لئے اسی طرف آیا کریں۔

لیکن خانۂ کعبہ جسے حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسمٰعیلؑ کے مقدس ہاتھوں سے مالک دو جہاں نے تعمیر کرایا تھا، اور جس کا صدیوں سے، لوگوں کے دلوں میں احترام تھا، روئے زمین پر کوئی اور عمارت اُس کی جگہ لے ہی نہیں سکتی تھی۔

جب "ابرہہ" نے اپنے بنوائے ہوئے عبادت خانہ کی طرف لوگوں کو مائل کرنے، اور خانۂ کعبہ سے روگرداں کرنے کی کوشش کی، تو فطری طور سے لوگوں کے دلوں میں نفرت کی آگ بھڑکنے لگی، چنانچہ کسی شخص نے "ابرہہ" کے بنوائے ہوئے عبادت خانہ کے ساتھ توہین آمیز سلوک کر دیا۔

ابرہہ کو طیش آگیا، اور اس نے اس واقعہ کو بہانہ بنا کر خانۂ کعبہ پر حملہ آور ہونے کا پختہ ارادہ کر لیا۔

ایک لشکرِ جرار لے کر جس میں ہاتھیوں کی ایک فوج ظفر موج تھی، مکۂ مکرمہ کی طرف روانہ ہوا، اور سرزمین حجاز کی وادیوں کو طے کرتا ہوا منیٰ کے قریب وادیٔ محسر میں خیمہ زن ہوا۔ اور لوگوں کے مویشیوں پر قبضہ کر کے اہلِ مکہ کو خوفزدہ کرنا شروع کر دیا۔

اسی دوران اس نے جناب عبدالمطلبؑ کے اونٹوں پر قبضہ کر لیا تو آپؑ نے ابرہہ سے مطالبہ کیا کہ میرے اونٹ واپس کر دیئے جائیں۔

اُس نے کہا کہ میں تو خانۂ کعبہ کو ڈھانے آیا ہوں، آپ سردارِ مکہ ہوتے ہوئے خانۂ کعبہ کے بارے میں گفتگو کرنے کے بجائے اپنے اونٹوں کے بارے میں

گفتگو فرما رہے ہیں۔؟
جناب عبدالمطلبؑ نے پورے اطمینان و سکون کے ساتھ جواب دیا کہ
"اِنَّ لِلْبَیْتِ رَبًّا یَمْنَعُہٗ"
(اس گھر کا مالک خود ہی اسکی حفاظت کرے گا)

اہلِ مکّہ نے جب دیکھا کہ ابرہہ پوری طاقت سے مکّہ مکرّمہ پر حملہ کرنے والا ہے، اور اس کے ساتھ ایک لشکرِ جرّار آیا ہے تو تمام اہلِ مکّہ اپنے گھروں کو خالی کر کے شہر سے دُور چلے گئے۔

صرف خاندانِ بنی ہاشم کے گنے چنے افراد باقی رہ گئے۔

بلکہ بعض مؤرخین کے مطابق جس وقت ابرہہ خانہ کعبہ پر حملہ کرنے کے لئے خانۂ کعبہ کے قریب پہونچا، تو پورے شہر میں صرف دو آدمی نظر آرہے تھے، ایک جناب عبدالمطلبؑ اور دوسرے جناب ابوطالبؑ۔

جب ابرہہ کے ہاتھیوں کے لشکر نے حرمِ الٰہی کا رُخ کیا تو جناب عبدالمطلبؑ اور جناب ابوطالبؑ خانہ کعبہ کی دیواروں سے لپٹ کر مصروفِ دعا ہو گئے۔

اِدھر اللہ کے یہ دونوں مقرب بندے مصروفِ دُعا تھے، اُدھر آسمان پر چھوٹے چھوٹے پرندوں (ابابیل) کی ایک فوجِ ظفر موج نظر آئی۔

اِن پرندوں کی چونچ اور اُن کے پنجوں میں کنکریاں تھیں جو چنے یا مسور کے برابر تھیں، لیکن قدرتِ خدا کا یہ منظر دیکھنے کے قابل تھا کہ:

وہ چھوٹے چھوٹے پرندے، اُن کنکریوں کو گراتے تو وہ کنکریاں گویا ایٹم بم کا کام کرتی تھیں، اور جس فوجی یا جس ہاتھی پر وہ کنکری گرتی اس کا جسم پگھل جاتا اس کا

گوشت جھڑ جاتا، اور بالآخر وہ موت کی آغوش میں سو جاتا، اور اس طرح لشکر کے بیشتر حصے کا صفایا ہو گیا۔ اور ابرہہ اور اس کے کچھ ساتھی، جو یہ ہوش رُبا منظر دیکھ کر بھاگے، وہ راستے میں موت سے ہمکنار ہو گئے۔

یہ واقعہ اس قدر حیرت انگیز تھا کہ اہلِ عرب نے اُسے انسانی تاریخ کا سنگِ میل قرار دیا، اور اپنے ماہ و سال کا حساب اسی واقعہ سے کرنے لگے، اور جس سال یہ واقعہ پیش آیا تھا، اُسے "عام الفیل" (ہاتھی والوں کا سال) قرار دیا گیا۔

اور چونکہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ولادتِ باسعادت، اسی واقعہ کے چند ماہ بعد ہوئی تھی، اسی لئے آپ کی تاریخِ ولادت یوں لکھی جاتی ہے کہ:

۱۷ ربیع الاول سنہ عام الفیل

اور اس واقعہ کے "۱۳۶" برس بعد[1] — سنہ ۸۳ ہجری میں ۱۷ ربیع الاول کو ہمارے چھٹے امام حضرت جعفرِ صادق علیہ السلام کی ولادتِ باسعادت سے زمین جگمگا اٹھی۔

شہیدِ اوّل نے اپنی کتاب "دروس" میں تحریر فرمایا ہے:

وُلِدَ بِالْمَدِیْنَةِ... سَابِعَ عَشَرَ شَهْرِ رَبِیْعِ الْاَوَّلِ سَنَةَ ثَلَاثٍ وَ ثَمَانِیْنَ، وَقُبِضَ بِهَا فِیْ شَوَّال...

(مدینہ میں سترھویں ربیع الاوّل سنہ ۸۳ ہجری کو آپ کی ولادت باسعادت ہوئی اور اسی مدینۂ منورہ میں، شوال (۱۴۸ھ) میں آپ نے

---

[1] ۔ جب حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عمر مبارک ۵۳ سال تھی تو آپ نے مکۂ مکرمہ سے مدینۂ منورہ کی طرف ہجرت کی، اور سنہ ہجری کا آغاز ہوا۔ اور ۸۳ ہجری میں آپ کے چھٹے جانشینِ برحق، ہمارے امامِ ششم حضرت امام جعفرِ صادق علیہ السلام اسی تاریخ کو دنیا میں تشریف لائے، جس تاریخ کو جنابِ سرورِ کائنات نے اس دنیا میں قدم رکھا تھا۔

رحلت فرمائی)

(ملاحظہ فرمائیں کتاب دروس بحوالہ بحار الانوار
جلد ۴۶ صفحہ)

فصولِ مہمہ، تاریخ الغفاری، مصباحِ کفعمی، ثواب الاعمال المحاسن، شیخ طوسی کی کتاب "الغیبت" اعلام الوری، ارشاد شیخ مفید، مناقب ابن شہر آشوب، روضۃ الواعظین، اصول کافی، اور اقبال الاعمال جیسی معروف کتابوں میں، آپ کی ولادت باسعادت سے متعلق اقوال کو خاندانِ رسالت کی جلیل القدر شخصیتوں کے فرمودات سے مزین کیا کیا گیا ہے۔

اور یہ بات تو عام و خاص میں شہرت تام رکھتی ہے کہ:

آپ کی ولادت باسعادت اسی دن ہوئی ہے جس دن سرکارِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود ذی جود سے چمنستانِ عالم میں بہار آئی۔

آپ کے جدِ بزرگوار امام چہارم حضرت زین العابدین علیہ السلام کی شہادت ۹۵ھ میں اور آپ کے والد ماجد امامِ پنجم حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی شہادت، مشہور قول کے مطابق ۱۱۴ھ ہجری میں ہوئی، اس طرح آپ کو اپنے دادا کے ساتھ ۱۲ سال، اور اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ ۳۱ سال زندگی گذارنے کا موقع ملا۔

چنانچہ علامہ ابن شہر آشوب نے تحریر فرمایا ہے کہ:

فَاَقَامَ مَعَ جَدِّہٖ اِثْنَتَیْ عَشَرَۃَ سَنَۃً، وَمَعَ اَبِیْہِ تِسْعَ عَشَرَۃَ سَنَۃً وَبَعْدَ اَبِیْہِ اَیَّامَ اِمَامَتِہٖ اَرْبَعًا وَثَلَاثِیْنَ سَنَۃً۔

فَکَانَ فِیْ سِنِیْ اِمَامَتِہٖ، مُلْکُ اِبْرَاھِیْمَ بْنِ الْوَلِیْدِ، وَمَرْوَانَ الْحِمَارِ، ثُمَّ صَارَتِ الْمُسَوَّدَۃُ مِنْ اَرْضِ خُرَاسَانَ مَعَ اَبِیْ مُسْلِمٍ، سَنَۃَ اِثْنَتَیْنِ وَثَلَاثِیْنَ وَمِائَۃٍ، وَانْتَزَعُوا الْمُلْکَ مِنْ بَنِیْ اُمَیَّۃَ، وَقَتَلُوْا

مَرْوَانَ الْحِمَارَ، ثُمَّ مَلَكَ اَخُوْہُ اَبُوجَعْفَرٍ الْمَنْصُوْرُ۔

(ق ب ۳: ۶۴۲)

(آپؑ نے اپنے جد بزرگوار (حضرت امام زین العابدین علیہ السلام) کے ساتھ ۱۲ سال زندگی گذاری (اس کے بعد) ۱۹ برس تک اپنے پدر عالی قدر (حضرت امام محمد باقر علیہ السلام) کے سایۂ عاطفت میں رہے۔

اپنے پدر بزرگوار کی شہادت کے بعد منصب امامت کی ذمّہ داری سنبھالیں اور چونتیس ۳۴ سال تک (بندگانِ خدا کی ہدایت) فرماتے رہے۔

آپؑ کے عہدِ امامت میں، ابراہیم بن ولید کی حکمرانی تھی، جس کے بعد (اموی حکومت کا تاج) مروان الحمار کے سر پر رکھا گیا۔

اسی دوران ۱۳۲ھ ہجری میں، ابو مسلم خراسانی کی قیادت میں، سرزمین خراسان کی طرف سے گویا ایک سیاہ آندھی اٹھی۔

اُن لوگوں نے مروان الحمار کو قتل کر کے بنی امیّہ سے اقتدار چھین لیا (اور بنی عبّاس کی حکومت کا پرچم بلند کر دیا، جس کا پہلا حکمران) ابو العبّاس سفاح کے نام سے مشہور ہوا۔ اُس نے چار سال اور نو ماہ سے کچھ زیادہ حکومت کی، جس کے بعد اسی کا بھائی ابو جعفر المنصور، اسلامی دنیا کے سیاہ و سفید کا مالک بن گیا)...

(ملاحظہ فرمائیے مناقب جلد ۳ صفحہ ۴۳۲

بحوالہ "بحار الانوار" جلد ۴۷ ص ۴

اس طرح صاحب مناقب کی مذکورہ بالا عبارت میں آپؑ کے عہد امامت میں بنی امیّہ کے دو، اور بنی عبّاس کے دو حکمرانوں کا ذکر ملتا ہے۔

لیکن صاحب اعلام الورٰی کی عبارت میں پانچ حکمرانوں کا تذکرہ ہے۔

انہوں نے تحریر فرمایا ہے کہ:

وُلِدَ بِالْمَدِيْنَةِ لِثَلَاثَ عَشَرَ لَيْلَةً بَقِيَتْ مِنْ شَهْرِ رَبِيْعِ الْأَوَّلِ سَنَةَ ثَلَاثٍ وَثَمَانِيْنَ مِنَ الْهِجْرَةِ ـــ ..

أَقَامَ .. مَعَ جَدِّهِ وَأَبِيْهِ اِثْنَتَيْ عَشَرَةَ سَنَةً، وَمَعَ أَبِيْهِ بَعْدَ جَدِّهِ تِسْعَ عَشَرَةَ سَنَةً، وَ بَعْدَ أَبِيْهِ أَيَّامَ إِمَامَتِهِ أَرْبَعًا وَثَلَاثِيْنَ سَنَةً۔

وَكَانَ فِيْ أَيَّامِ إِمَامَتِهِ: بَقِيَّةُ مُلْكِ هِشَامِ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ، وَ مُلْكُ الْوَلِيْدِ يَزِيْدَ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ، وَ مُلْكُ يَزِيْدَ بْنِ الْوَلِيْدِ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ الْمُلَقَّبِ بِالنَّاقِصِ، وَمُلْكُ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ الْوَلِيْدِ، وَمُلْكُ مَرْوَانَ بْنِ مُحَمَّدٍ الْحِمَارِ۔

ثُمَّ صَارَتِ الْمُسَوِّدَةُ مِنْ أَهْلِ خُرَاسَانَ مَعَ أَبِيْ مُسْلِمٍ سَنَةَ اِثْنَتَيْنِ وَثَلَاثِيْنَ وَمِائَةٍ، فَمَلَكَ أَبُو الْعَبَّاسِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ الْمُلَقَّبُ بِالسَّفَّاحِ۔

أَرْبَعَ سِنِيْنَ وَثَمَانِيَةَ أَشْهُرٍ ـــ ثُمَّ مَلَكَ أَخُوْهُ أَبُوْ جَعْفَرٍ عَبْدُ اللّٰهِ الْمُلَقَّبُ بِالْمَنْصُوْرِ۔ اِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ سَنَةً وَأَحَدَ عَشَرَ شَهْرًا۔

(اعلام الوریٰ صفحہ ۲۶۶ بحار الانوار جلد ۴۷ صفحہ ۱)

(مدینہ منورہ میں ۸۳ھ ہجری (۱۷ تاریخ کو) آپ کی ولادت باسعادت ہوئی، جب ماہ ربیع الاول کے (ختم ہونے میں) تیرہ دن باقی تھے۔

۱۲ سال تک آپ اپنے والد اور دادا دونوں کے) سایۂ عاطفت میں رہے پھر ۹۵ھ ہجری میں آپ کے دادا حضرت امام زین العابدین علیہ السلام شہید ہوگئے) اور آپ کے والد ماجد (حضرت امام محمد باقر علیہ السلام) کا دورِ امامت شروع ہوا تو چونتیس سال (۱۱۴ھ تک یعنی) ۱۹ سال آپ نے اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ زندگی گذاری، اور ان کی شہادت کے بعد چونتیس (۳۴) سال تک آپ منصبِ امامت

پر فائز رہے جس کے بعد آپ کی شہادت ہوئی)

آپ کے عہد امامت کے دوران (بنی امیہ کے مندرجہ ذیل بادشاہوں نے حکمرانی کی) :

ہشام بن عبد الملک (کے عہد اقتدار کا آخری حصہ)

پھر ولید بن یزید بن عبد الملک۔

اس کے بعد یزید بن عبد الملک۔ جسے ناقص کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

پھر ابراہیم بن ولید۔

اور آخر میں:

مروان بن محمد۔ جسے مروان الحمار کہا جاتا ہے۔

اسکے بعد ۱۳۲ھ ہجری میں ابو مسلم خراسانی کی سرکردگی میں ایک سیاہ آندھی خراسان کی طرف سے اٹھی، (جس نے بنی امیہ کے اقتدار کا خاتمہ کر کے بنی عباس کو اُمتِ مسلمہ پر مسلط کر دیا عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس حاکم بن بیٹھا جسے ابو العباس سفاح کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اس نے ساڑھے چار سال حکومت کی جس کے بعد اس کا بھائی ابو جعفر منصور مسلمانوں کے سیاہ و سفید کا مالک بن بیٹھا اور اکیس سال گیارہ ماہ تک لوگوں کی گردن پر سوار رہا۔) (حوالہ کیلئے ملاحظہ فرمایئے:

اعلام الوریٰ صفحہ ۲۶۶ : بحار الانوار جلد ۴۷ صفحہ ۲)

عالم تشیع کے نہایت بلند مرتبہ عالم دین حضرت شیخ مفید علیہ الرحمہ نے بھی آپکی ولادت باسعادت ۸۳ھ ہجری ہی لکھی ہے۔

فرماتے ہیں کہ:

"وَكَانَ مَوْلِدُهُ بِالْمَدِيْنَةِ سَنَةَ ثَلَاثٍ وَثَمَانِيْنَ۔"

(آپؑ کی ولادت باسعادت" مدینہ منورہ میں ۸۳ھ ہجری میں ہوئی)

ملاحظہ فرمایئے:

- ارشادِ شیخ مفید" صفحہ ۳۰۴)

عصرِ حاضر کے ایک ممتاز عالمِ دین آقائے جعفر سبحانی، جن کا شمار اس وقت سرزمین ایران کے بلند پایہ علمائے دین میں ہوتا ہے، انھوں نے آپؑ کا سنہ ولادت ۸۰ھ ہجری لکھا ہے۔

چنانچہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

هُوَ الْاِمَامُ السَّادِسُ مِنْ اَئِمَّةِ اَهْلِ الْبَیْتِ الطَّاهِرِ... وَفَضْلُهُ اَشْهَرُ مِنْ اَنْ یُذْكَرَ، وُلِدَ عَامَ ۸۰ھ

(آپؑ ائمہ اہلبیت طاہرینؑ میں سے چھٹے امام ہیں، آپؑ کے فضائل اس قدر مشہور ہیں کہ محتاجِ بیان نہیں، آپؑ کی ولادت باسعادت ۸۰ھ ہجری میں ہوئی۔

(ملاحظہ فرمایئے الائمۃ الاثنا عشر صفحہ ۸۹)

مؤلف کی عظمت وجلالت کے اعتراف کے باوجود ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ: یہاں موصوف سے اشتباہ ہوا ہے، کیونکہ حضرت امام جعفرِ صادق علیہ السلام کا سنہ ولادت (۸۳ ہجری) اس قدر مشہور ہے کہ:

جنابِ شیخ مفید علیہ الرحمہ نے اپنی مشہور و معروف کتاب: "الارشاد" میں۔

- علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے 〃 〃 "بحار الانوار" میں۔

صاحب اعلام الوریٰ نے 〃 〃 "اعلام الوریٰ" میں۔

نہایت جلیل القدر عالم و محقق جناب شہید اول ؒ نے : "دروس" میں۔
ممتاز عالم دین ابن شہر آشوب علیہ الرحمہ نے "مناقب آلِ ابی طالبؑ" میں۔
اور دیگر ممتاز علمائے کرام اور محققین عظام نے آپ کا سنہ ولادت ۸۳ ہجری ہی تحریر فرمایا ہے۔

ش

قابلِ غور بات یہ بھی ہے کہ :
آقائے جعفر سبحانی نے آگے چل کر یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ :

وقضی حیاتہ الاولی حتی الحادیۃ عشر من عمرہ مع جدّہ زین العابدینؑ

(آپؑ نے اپنی زندگی کے ابتدائی ۱۱ سال، اپنے دادا حضرت امام زین العابدینؑ کے ساتھ گذارے) جبکہ یہ واضح ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی شہادت ۹۵ھ ہجری میں ہوئی۔

جیسا کہ خود آقائے موصوف نے اپنی اسی کتاب میں حضرت امام زین العابدینؑ کے حالات کے ذیل میں تحریر فرمایا ہے کہ :

ھُوَ رَابِعُ اَئِمَّۃِ اَھلبیت الطّاھِر اَلْمَشْھُور بِزَیْنِ العَابِدِیْن اَوْسَیِّدِھِم وَالسَّجَّادُ وَذُو الثَّفِنَاتِ، وُلِدَ فِی الْمَدِیْنَۃِ سَنَۃ ۳۸ او ۳۷ ھ وَتُوُفِّیَ بِھَا عام ۹۵ - او ۹۴ ھ۔

(آپؑ ائمہ اہلبیت طاہرینؑ میں چوتھے امام ہیں، زین العابدینؑ (کے لقب سے) مشہور ہیں، سید العابدینؑ کے نام سے بھی یاد کئے جاتے ہیں، آپ کا لقب سجّاد اور "ذوالثفنات" بھی ہے۔

مدینہ منورہ میں ۳۷ یا ۳۸ ہجری میں پیدا ہوئے اور مدینہ ہی میں ۹۴ یا ۹۵ھ میں شہادت واقع ہوئی)

(ملاحظہ فرمائیے : الائمہ الاثنا عشر صفحہ)

اب اگر امام زین علیہ السلام کی شہادت ۹۵ھ ہجری میں ہوئی ــــ جیسا کہ معروف بھی یہی قول ہے ــ تو اُن کے پوتے (امام جعفر صادقؑ) اگر ۸۰ھ ہجری میں پیدا ہوئے تو اُن کی عمر ۹۵ھ ہجری میں ۱۵ سال ہوئی نہ کہ گیارہؔ سال۔

اور اگر امام زین العابدینؑ کی شہادت ۹۴ھ ہجری میں تسلیم کی جائے ــــ جو کہ غیر معروف قول ہے۔ تب بھی اُس وقت اُن کے پوتے (امام جعفر صادقؑ) کی عمر ۸۰ھ ہجری کی ولادت کے اعتبار سے ۱۴ سال ہونی چاہیئے، نہ کہ گیارہؔ سال۔

تعجّب کی بات ہے کہ آقائے موصوف نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی ولادت ۸۰ھ ہجری میں تحریر فرمانے کے ساتھ ہی یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ آپؑ کے جد حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی ۹۴ھ یا ۹۵ھ ہجری میں شہادت واقع ہوئی تو اس وقت آپؑ کی عمر "۱۱" سال تھی۔

یہ ایک واضح اشتباہ ہے جو آقائے موصوف سے ہوا ہے، حق یہ ہے کہ:

امام جعفر صادق علیہ السلام کی ولادت ۸۳ھ ہجری اور حضرت امام زین العابدینؑ کی شہادت ۹۵ھ ہجری ہوئی ــــ اور اسی صورت یہ کہا جاسکتا ہے کہ اپنے جد حضرت امام زین العابدینؑ کی شہادت کے وقت آپ کی عمر ۱۱-۱۲ سال تھی۔

(ربیع الاوّل ۸۳ھ سے محرم ۹۵ھ تک ۱۱ سال اور ۱۰ ماہ کی مدّت ہوتی ہے)

مزید ایک اور اشتباہ ملاحظہ فرمایئے:

آقائے موصوف نے تحریر فرمایا ہے کہ:

حَتَّى الثَّانِيَةِ وَالثَّلَاثِيْنَ مَعَ اَبِيْهِ الْبَاقِرؑ۔

(۳۲ سال کے سن تک آپ اپنے والد حضرت امام محمد باقرؑ کے ساتھ رہے)

(الائمۃ الاثنا عشر صفحہ ۹۲)

جبکہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی شہادت ۱۱۴ھ ہجری میں ہوئی جیسا کہ خود موصوف نے تحریر فرمایا ہے کہ :

هُوَ خَامِسُ اَئِمَّةِ اَهْلِ الْبَيْتِ الطَّاهِرِ، الْمَعْرُوفِ بِالْبَاقِرِ... تُوُفِّيَ فِي السَّابِعِ مِنْ ذِي الْحِجَّةِ سَنَة ۱۱۴ھ

(آپؑ ائمہ اہلبیت طاہرینؑ میں پانچویں امام ہیں جو باقرؑ کے لقب سے مشہور ہیں، ۷ ذی الحجہ ۱۱۴ھ کو آپؑ شہید ہوئے۔

(الائمۃ الاثنا عشر صفحہ ۸۳،۸۴)

جب یہ متفق علیہ بات ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام کی شہادت ۱۱۴ ہجری میں ہوئی تو اگر امام جعفر صادقؑ کی ولادت ۸۰ھ ہجری میں ہوتی، تو اس وقت آپ کا سِن مبارک ۳۴ سال سے زیادہ ہوتا۔

والد کی شہادت کے وقت ۳۲ سال عمر اس وقت کہی جا سکتی تھی، جب آپ کی ولادت ۸۲ ہجری میں ہوتی!!

❁

البتہ جیسا کہ ہم نے اس سے قبل عرض کیا ہے :

چونکہ آپؑ کی ولادت ربیع الاول ۸۳ھ ہجری میں ہوئی، جیسا کہ معروف ہے، اور آپؑ کے والدِ ماجد (حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی شہادت ذی الحجہ ۱۱۴ ہجری میں ہوئی۔

اور ربیع الاول ۸۳ھ سے ذی الحجہ ۱۱۴ھ تک ۳۱ سال ۹ ماہ ہوتے ہیں۔

اس لئے یہ کہنا صحیح ہو سکتا ہے کہ اپنے والد کے انتقال کے وقت آپ کی عمر تقریباً "۳۲" سال تھی۔

محدثِ خبیر جناب عباس قمی علیہ الرحمۃ جن کی روایات پر بہت گہری نظر ہے، اور جن کی تالیف منتہی الآمال کو ایران ہی نہیں، دنیا بھر کے صاحبانِ علم کے درمیان مقبولیت حاصل ہے انہوں نے بھی امام جعفر صادقؑ کی ولادت باسعادت ۸۳ھ ہجری میں ہی تحریر فرمائی ہے، چنانچہ انہوں نے لکھا ہے:

ولادت باسعادت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام در روز دوشنبہ ھفدھم ماہ ربیع الاول سنہ ھشتاد وسہ واقع شد کہ موافق ست با روز ولادت حضرت رسولؐ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی ولادت باسعادت ۱۷ ربیع الاول ۸۳ھ دوشنبہ کے دن ہوئی جو حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کی تاریخ ہے۔

القاب اور کنیت

آپ کے القاب متعدد ہیں، صاحب مناقب کی عبارت کے مطابق :

وَ اَلقَابُہٗ : الصَّادِقُ ، وَالْفَاضِلُ ، وَالطَّاهِرُ ، وَالْقَائِمُ ، وَالْكَافِلُ وَالْمُنْجِي...

آپ کے القاب :

"صادق" ۔ "فاضل" ۔ "طاہر" ۔ "قائم" ۔ "کافل" ۔ اور "منجی" ہیں ۔

البتہ سب سے مشہور لقب "صادق" ہے، جس کے بارے میں شیخ صدوق علیہ الرحمۃ کی روایت ہے کہ :

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ :

اِذَا وُلِدَ ابْنِیْ جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِیِّ بْنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ فَسَمُّوْهُ الصَّادِقَ...

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

جب (میرے نواسے) حسینؑ کے پوتے محمد (باقرؑ) کے یہاں فرزند پیدا ہوں (جن کا نام) "جعفر" ہوگا تو اُن کو "صادق" کے نام سے یاد کرنا)

(علل الشرائع صفحہ نمبر ۲۳۴)

سلہ ابو خالد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام زین العابدینؑ سے دریافت کیا کہ آپؑ کے بعد کون امام ہوگا ۔ تو فرمایا :

سلہ ۔۔ اس روایت سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ ہمارے ائمہ کرام علیہم السلام کے اسمائے گرامی اور القاب حضرت رسول خدا نے ہی حکم پروردگار کے مطابق تجویز فرمائے تھے ۔

"مُحَمَّدٌ اِبْنِیْ یَبْقَرُ الْعِلْمَ، وَمِنْ بَعْدِ مُحَمَّدٍ جَعْفَرٌ اِسْمُهٗ عِنْدَ اَهْلِ السَّمَاءِ ، الصَّادِقُ -

(میرا بیٹا محمدؑ (باقرؑ) علم کی (راہوں) کو خوب اچھی طرح شگافتہ کرے گا.
اور اُن کے بعد (منصبِ امامت پر) اُن کے فرزند جعفر (صادقؑ) فائز ہونگے
جن کا نام عرش والوں کے نزدیک صادق ہے)

(حوالہ کیلئے ملاحظہ فرمایئے: "علل الشرائع" شیخ صدوق صفحہ ۲۳۳)

یہ روایت بھی اس سے قبل والی روایت کی گویا تائید و تصدیق کر رہی ہے۔

گذشتہ روایت میں یہ بتایا گیا تھا کہ حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا کہ جب حسینؑ کے پوتے محمد باقرؑ کے یہاں جعفر نامی فرزند پیدا ہوں تو ان کو صادق کے لقب سے یاد کرنا۔

اور اس روایت میں وضاحت کی گئی ہے کہ اہلِ آسمان (عرشی مخلوقات) آپؑ کو صادق کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

اور یہ بات تو بالکل ہی واضح ہے کہ:

عرش والے اُسی بات کا اتباع کریں گے جو حضورِ اکرمؐ نے فرمادی تھی۔

اس جگہ مندرجہ ذیل روایت کا درج کرنا بھی غیر مناسب نظر نہیں آتا — جو ابوخالد سے منقول ہے، اور جو گذشتہ روایت سے زیادہ مفصل ہے، وہ کہتے ہیں کہ:

"میں نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے دریافت کیا کہ آپؑ کے بعد امامؑ کون ہوگا؟

فرمایا کہ: میرے بیٹے محمدؑ (باقرؑ) جو علم کی راہوں کو خوب شگافتہ کریں گے۔

اور ان کے بعد اُن کے فرزند جعفر بن محمد (امام ہوں گے) جن کو آسمان والے "صادق" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

میں نے سوال کیا کہ: "ان کا ہی نام "صادق" کیوں ہے، جبکہ آپ تمام حضرات ہی صادق (سچے) ہیں؟!

یہ سُن کر امام علیہ السلام نے فرمایا کہ:

میرے پدرِ بزرگوار (امام حسین علیہ السلام) نے اپنے والدِ ماجد (امیر المومنین حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام) (کے سلسلہ سند) سے مجھ سے بیان کیا کہ:

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جب (میری اولاد میں محمد باقرؑ کو خداوند عالم) جعفر (نامی) فرزند (عطا کرے) تو اُن کو 'صادق' کے لقب سے یاد کرنا۔

اُن کی پانچویں نسل میں بھی ایک شخص کا نام جعفر[1] ہوگا۔ جو امامت کا جھوٹا دعویٰ کرے گا۔ وہ شخص خدا پر جھوٹا الزام لگائے گا، دروغ گو ہوگا اور اللہ پر افتراء کرنے والا قرار پائے گا۔"

اس کے بعد امام زین العابدین علیہ السلام مستقبل میں خاندانِ رسالتؐ کو پیش آنے والے مظالم کا ذکر فرما کر رونے لگے۔

ملاحظہ فرمائیے:

کتاب الخرائج والجرائح ۔ صفحہ نمبر ۱۹۵

(بحوالہ بحار الانوار جلد ۴۷ صفحہ ۹)

---

[1]: جعفر بن علیؑ بن محمدؑ بن علیؑ بن موسیٰؑ بن جعفرؑ (یہ امام علی نقی علیہ السلام کے فرزند تھے، جنھوں نے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی شہادت کے بعد جھوٹا دعوئے امامت کیا جسکی وجہ سے جعفر کذاب کے نام سے مشہور ہوئے پھر توبہ کی تو اب انھیں جعفر تواب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اور محمد بن طلحہ نے آپ کے القاب میں "صابر" کو بھی شمار کیا ہے، چنانچہ انکی عبارت یہ ہے :

اِسْمُہٗ جَعْفَر وَکُنْیَتُہٗ اَبُوْعَبْدِ اللّٰہِ — وَقِیْلَ : اَبُوْاِسْمَاعِیْل — وَلَہٗ اَلْقَابٌ اَشْھَرُھَا : اَلصَّادِقُ — وَمِنْھَا : اَلصَّابِرُ وَالْفَاضِلُ وَالطَّاھِرُ —

(آپ کا اسم مبارک "جعفر" — کنیت ابو عبداللہ ہے، البتہ کچھ لوگوں نے آپکی کنیت ابو اسمٰعیل بھی لکھی ہے۔

آپ کا مشہور ترین لقب "صادق" ہے — آپ کے اور بھی القاب ہیں جن میں صابر، فاضل اور طاہر بھی ہے)

(ملاحظہ فرمائیں
مطالب السؤول صفحہ ۸۱
بحار الانوار ۴۷ : ۱۰)

آپ کی کنیت، سب سے زیادہ مشہور تو ابو عبداللہ ہے۔ البتہ کتب تاریخ و سیر میں آپ کی کنیت کے دو لفظ اور بھی ملتے ہیں

یعنی : ابو اسمٰعیل — اور ابو موسیٰ۔

چنانچہ صاحب مناقب نے لکھا ہے کہ :

وَکَانَ اِسْمُہٗ جَعْفَرُ، وَیُکْنٰی اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ، وَ اَبَا اِسْمٰعِیْلَ، وَالْخَاصُّ : اَبُوْمُوْسٰی ...

"آپ کا نام جعفر ہے، کنیت ابو عبد اللہ اور ابو اسمٰعیل ہے — جبکہ آپکی ایک مخصوص کنیت ابو موسیٰ بھی ہے"

(ملاحظہ فرمائیں :
مناقب ابن شہر آشوب جلد ۳ صفحہ ۳۰۰)

اس جگہ بھی ایک اشتباہ کا ذکر مناسب نظر آتا ہے
آقائے جعفر سبحانی نے اپنی مذکورہ بالا تصنیف میں تحریر فرمایا ہے کہ:
وَلُقِّبَ بِالصَّادِقِ لِصِدْقِهٖ فِي مَقَالِهٖ۔
(حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو اُن کی صداقت کے سبب صادق کہا جاتا ہے)

(الائمہ الاثنا عشری صفحہ ۸۹)

جبکہ حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام میں سے ہر ایک صادق تھا، اب اگر صرف صداقت ہی کی وجہ سے کسی کا لقب صادق قرار پایا ہو، تو ضروری ہے کہ ہمارے ہر امام کا لقب صادق ہو، کیونکہ سب قول و عمل میں دنیا کے ہر انسان سے زیادہ سچے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ: ائمہ طاہرین علیہم السلام میں سے ہر ایک کا لقب، خود حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی زبانِ مبارک سے بیان کر دیا تھا، اور آنحضرتؐ کا بیان درحقیقت وحیِ الٰہی کی ترجمانی تھی۔

اور ہم ابتدائے کلام میں شیخ صدوق علیہ الرحمہ کی یہ روایت درج کر چکے ہیں کہ...

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا تھا کہ:
إِذَا وُلِدَ ابْنِي جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ فَسَمُّوهُ صَادِقٌ
(جب میرے نواسے حسینؑ کی اولاد میں جعفر بن محمدؑ (الباقر) پیدا ہوں تو اُن کو صادق کے نام سے یاد کرنا)

جناب شیخ عباسی قمی علیہ الرحمہ نے اس روایت کو خرائج راوندی (جلد ۱ صفحہ ۲۰۰)
اور مناقب ابن شہر آشوب (جلد ۴ صفحہ ۲۹۴) کے حوالے سے منتہی الآمال میں بھی ذکر کیا
گیا ہے۔

اور حضرت ائمہ طاہرین علیہم السلام کی روایات اس باب میں اتنی زیادہ ہیں کہ اگر
سب کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب مرتب ہو جائے۔

ہم صرف تیمناً ایک روایت کا ذکر کرتے ہیں۔

عَنْ عَلِیِّ بْنِ هَاشِمٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ، قَالَ:

كُنْتُ عِنْدَ اَبِیْ جَعْفَرٍ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِیِّ الْبَاقِرِ عَلَیْهِ السَّلَامُ،
اِذْ دَخَلَ جَعْفَرٌ ابْنُهُ ... اِلٰی اَنْ قَالَ، ثُمَّ قَالَ لِیْ:

یَا مُحَمَّدُ هٰذَا اِمَامُكَ بَعْدِیْ، فَاقْتَدِ بِهٖ وَاقْتَبِسْ مِنْ عِلْمِهٖ، وَاللّٰهِ
اِنَّهٗ هُوَ الصَّادِقُ الَّذِیْ وَصَفَهٗ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ

علی بن ہاشم کی روایت ہے، محمد بن مسلم کہتے ہیں کہ:

میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے پاس تھا کہ اسی اثناء ان کے فرزند
ارجمند (حضرت) جعفر (صادق ؑ) تشریف لائے...

(امام علیہ السلام نے) مزید فرمایا:

"اے محمد۔ میرے بعد یہی (جعفر صادق ؑ) تمہارے امام ہوں گے، انکی
اقتدا کرنا اور ان کے علم سے فیض حاصل کرنا۔

خدا کی قسم ــ یہی (سلسلہ امامت کے) وہ صادق ہیں جن کی توصیف حضرت
رسول خدا نے فرمائی ہے)

(ملاحظہ فرمایئے:
اثبات الہداۃ جلد ۵ صفحہ ۳۲۰)

حق یہ ہے کہ :

جس طرح حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام کے اسمائے مبارک کے بارے میں سرکارِ ختمی مرتبتؐ نے تصریح فرمادی تھی۔

اسی طرح ان حضرات کے القاب کے بارے میں بھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہی وضاحت فرمادی تھی۔

اس طرح ہم بجا طور پر، یہ کہہ سکتے ہیں کہ :

ہمارے ائمہ کرام علیہم السلام کے نام بھی رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہی رکھے، اور اُن کے القاب بھی حضورِ اکرمؐ نے ہی تجویز فرمائے۔

اہلبیت طاہرین علیہ السلام کے بارے میں حضرت رسول خدا کا مشہور فرمان ہے کہ: لَحْمُهُمْ لَحْمِيْ وَدَمُهُمْ دَمِيْ — (ان کا گوشت میرا گوشت، اور ان کا خون میرا خون ہے)

یہ درحقیقت اس یگانگت کی طرف اشارہ ہے جو پروردگارِ عالم نے اپنے حبیبِ خاص اور ان کی اولاد کے درمیان رکھی ہے۔

چنانچہ جب نصارائے نجران، اللہ کے رسولؐ سے مباہلہ کے لئے میدانِ مباہلہ میں جمع ہوئے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس میدان میں تشریف لے جانے سے قبل اپنی عزیز ترین ہستیوں:

حضرت علیؑ، جناب فاطمہؑ، امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو اپنی چادر کے اندر جمع کر کے دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلُبَيْتِيْ وَخَاصَّتِيْ وَحَامَّتِيْ، لَحْمُهُمْ لَحْمِيْ وَدَمُهُمْ دَمِيْ، يُؤْلِمُنِيْ مَا يُؤْلِمُهُمْ وَيُحْزِنُنِيْ مَا يُحْزِنُهُمْ، اَنَا حَرْبٌ لِمَنْ حَارَبَهُمْ وَسِلْمٌ لِمَنْ سَالَمَهُمْ، وَعَدُوٌّ لِمَنْ عَادَاهُمْ وَمُحِبٌّ لِمَنْ اَحَبَّهُمْ، اِنَّهُمْ مِنِّيْ وَاَنَا مِنْهُمْ، فَاجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَبَرَكَاتِكَ وَرَحْمَتَكَ وَغُفْرَانَكَ عَلَيَّ وَعَلَيْهِمْ، وَاَذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيْرًا۔

(خداوندا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہی میرے اہلبیت اور میرے

خاص لوگ... ہیں، ان کا گوشت میرا گوشت ہے۔ ان کا خون میرا خون ہے۔ جو بات ان کو تکلیف پہونچائے گی وہ مجھے تکلیف پہونچائے گی، جو انھیں غمزدہ کرے گی وہ مجھے غمزدہ کرے گی۔ جو ان سے جنگ کرے اُس سے میری جنگ ہے، جو ان سے صلح کرے اُس سے میری صلح ہے، جو اُن سے عداوت رکھے وہ میرا دشمن ہے، اور جو ان سے محبت کرے، وہ مجھ سے محبت کرنے والا ہے۔

یہ لوگ مجھ سے ہیں، اور میں اِن سے ہوں۔

تو اپنے دُرود، اپنی برکتیں، اپنی رحمت، اپنی بخشش، مجھ پر بھی نازل فرما، اِن پر بھی اور اُن سے ہر رجس کو دُور رکھ اور ان کو ایسا پاکیزہ قرار دے جو پاکیزگی کا حق ہے)

(حدیث کساء)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کا ایک ایک فقرہ اُس قربت کو واضح کرنے کیلئے کافی ہے جو آنحضرتؐ اور اُن کے اہلبیت طاہرینؑ کے درمیان ہے۔

خصوصاً حضورِ اکرم کے اس ارشاد گرامی کا یہ فقرہ کہ :

اِنَّهُمْ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْهُمْ ۔ (یہ مجھ سے ہیں اور میں اِن سے ہوں)

اس سے زیادہ نزدیکی اور کیا ہو سکتی ہے۔ اور اس سے زیادہ تقرب کن الفاظ کے ذریعہ سے بیان کیا جائے گا۔

اور سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کرنے والے صاحبان علم و دانش اس حقیقت سے خوب باخبر ہیں کہ : " ہمارے ائمہ طاہرین علیہم السلام کے ہر عمل میں حضورِ اکرمؐ

سے عمل کا خصوصی اتباع نظر آتا ہے۔
بلکہ اربابِ تاریخ نے تو اس بات کا بھی اعتراف کیا ہے کہ اگر کسی شخص نے خواب میں حضورِ اکرمؐ کو کسی عمل میں مصروف پایا، تو بعینہ ویسا ہی عمل، بیداری میں ہمارے ائمہ طاہرینؑ کو انجام دیتے ہوئے دیکھا۔
اس سلسلہ میں ابوسعید صیرفی کی روایت بھی قابلِ ذکر ہے۔ وہ کہتے ہیں۔
"میں نے خواب میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا۔
آپؐ کے سامنے ایک طبق تھا، جو رومال سے ڈھکا ہوا تھا۔
میں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام کیا۔ آپؐ نے جوابِ سلام دیا۔
اس کے بعد آپؐ نے اُس طبق کے اوپر سے رومال ہٹایا، تو میں نے دیکھا کہ طبق کے اندر تازہ کھجوریں رکھی ہیں، آنحضرتؐ نے اُن کھجوروں میں سے نوش فرمایا۔
میں نے آنحضرتؐ کے قریب جاکر درخواست کی کہ:
"مجھے بھی ایک کھجور عطا فرمائیے۔
آپؐ نے ایک کھجور مجھے مرحمت فرمائی جسے میں نے کھالیا۔ اور آنحضرتؐ سے درخواست کی کہ:
"ایک اور عطا فرمائیے۔ آپؐ نے ایک اور کھجور مجھے دی، جسے میں نے آپؐ سے لے کر کھالیا۔ اور آپؐ سے ایک اور کھجور کی فرمائش کی، تو آپ نے ایک اور کھجور مجھے دے دی۔
اس طرح میں ایک ایک کھجور آنحضرتؐ مانگتا رہا، اور آپؐ مرحمت فرماتے رہے یہاں تک کہ آپؐ نے مجھے آٹھ کھجوریں عطا فرمائیں اور میں نے سب کھالیں، پھر عرض کی کہ: مزید عطا فرمائیے۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ "بس کافی ہے۔

اُس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔

اگلے روز میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کے سامنے بھی ایک طبق رکھا ہوا تھا جو رومال سے ڈھکا ہوا تھا۔

گویا جو منظر میں نے خواب میں حضورِ اکرمؐ کے بارے میں دیکھا، وہی مجھے اس وقت امامؑ کے سامنے نظر آرہا تھا۔

میں نے امام علیہ السلام کو سلام کیا، آپ نے جواب سلام دیا، پھر اُس طبق کے اوپر سے رومال ہٹایا، تو میں نے دیکھا کہ طبق کے اندر تازہ کھجوریں ہیں۔

امام نے اُن کھجوروں کو تناول فرمانا شروع کیا تو مجھے بہت تعجب ہوا کہ جو کچھ خواب میں دیکھا تھا بالکل ویسا ہی منظر میں اس وقت بیداری کے عالم میں دیکھ رہا ہوں۔

میں نے امام علیہ السلام سے درخواست کی کہ ایک کھجور مجھے بھی مرحمت فرمائیں۔

امامؑ نے مجھے کھجور دی اور میں نے کھالی، پھر ایک اور مانگی، آپ نے عطا فرمائی میں نے اُسے بھی کھالیا، پھر ایک اور کھجور کی فرمائش کی، اور امام نے مرحمت فرمائی۔

میں ایک ایک کھجور مانگتا رہا، امامؑ عطا فرماتے رہے، اور میں کھاتا رہا، یہاں تک کہ جب میں آٹھ کھجوریں امامؑ سے لیکر کھاچکا تو گذارش کی کہ: کچھ اور مرحمت فرمائیے!

امام علیہ السلام نے فرمایا:۔ اگر میرے جدِّ بزرگوار، حضرت رسول خداؐ نے اس سے زیادہ کھجوریں تمہیں دی ہوتیں تو میں بھی دے دیتا۔

اسکے بعد میں نے اپنا خواب امام علیہ السلام سے بیان کیا، جسے سُن کر آپ مسکرائے گویا فرمارہے ہوں کہ: "جو کچھ تم بیان کررہے ہو، ہم اُس سے باخبر ہیں!

(حوالہ کیلئے ملاحظہ فرمائیے:

امالی شیخ طوسی صفحہ ۰ : بحار جلد ۳۷ : ۶۳)

اسی سے مماثل وہ واقعہ بھی ہے جس کا ذکر ہم امام علی رضا علیہ السلام کی سوانح حیات میں کریں گے۔

حضورِ اکرم کی خصوصی تعظیم

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے جدِ بزرگوار خاتم الانبیاء احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کس قدر تعظیم کرتے تھے اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیجئے جسے دریائے علوم آلِ محمد کے رو شناور علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے قلمبند کیا ہے۔

ابو ہارون جو آلِ جعدہ سے وابستہ تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ:

میں مدینہ منورہ میں، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی محفل میں برابر حاضر رہا کرتا تھا۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ میں کچھ دنوں تک آپ کی خدمت میں نہ جا سکا۔ پھر جب مجھے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف ملا، تو آپ نے فرمایا:

"اے ابو ہارون۔ کئی روز سے تم دکھائی نہیں دے رہے تھے؟

میں نے عرض کیا کہ:۔ فرزندِ رسولؐ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میرے ہاں بیٹا ہوا ہے۔ اور اس کی ولادت وغیرہ کے سلسلہ میں میں کئی دن بہت مصروف رہا، اور آپ کی خدمت میں حاضری نہ دے سکا۔

یہ سُن کر امام علیہ السلام نے فرمایا: بَارَکَ اللّٰہُ لَکَ فِیْہِ (خداوند عالم اُسے تمہارے لئے باعثِ برکت قرار دے) یہ بتاؤ۔ تم نے اُس کا نام کیا رکھا ہے؟

میں نے کہا: "مُحَمَّد" (نام رکھا ہے)

یہ سن آپ نے تعظیم کے طور پر اپنا سر زمین کی طرف جھکایا اور تین بار فرمایا: "مُحَمَّدٌ۔ مُحَمَّدٌ۔ مُحَمَّدٌ" اور اس قدر جھکے کہ محسوس ہوتا تھا اب روئے اقدس زمین پر ٹک جائے گا۔

پھر فرمایا:۔ میری جان، میرے ماں باپ؛ اور تمام اہلِ زمین حضرتؐ سو لخدا پر قربان!

اس کے بعد مجھے تاکید کی:

"دیکھو۔ اُسے کبھی ناسزا کلمات نہ کہنا، کبھی اُسے مارنا نہیں، کبھی اس کے ساتھ کوئی بُرا سلوک نہ کرنا۔ اور یہ بات سمجھ لو کہ:

جس گھر میں "محمدؐ" نام (کا کوئی شخص) ہوگا، وہ گھر روزانہ پاکیزگی اور تقدیس حاصل کرے گا۔

ملاحظہ فرمایئے: بحار الانوار جلد ۱۷، صفحہ ۳۰

منتہی الآمال جلد ۲: ۲۳۳

اور مسلمانوں کے عظیم المرتبت فقیہ جناب امام مالک کا بیان ہے کہ:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی زبانِ مبارک پر جب حضورِ اکرمؐ کا نام آتا، اور کوئی حدیث بیان کرتے ہوئے آپ یہ فرماتے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمْ (یہ بات خدا کے رسولؐ نے ارشاد فرمائی ہے)

تو آپؑ کے چہرے پر ایسی ہیبت طاری ہوتی کہ رنگت تبدیل ہو جاتی۔

ملاحظہ فرمایئے:
خصالِ شیخ صدوق جلد ا، صفحہ ۱۶۷

اس روایت کو بیان کرتے ہوئے محدث خبیر جناب شیخ عباس قمی تحریر فرماتے ہیں کہ:

خوب اچھی طرح غور کرنا چاہیئے کہ:

"حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام جب کوئی روایت حضرت رسولِ خداؐ سے نقل کرتے، اور حضورِ مبارک کا اسم مبارک زبان پر جاری کرتے تو کس قدر آنحضرتؐ کی تعظیم و توقیر فرماتے تھے، حالانکہ آپؑ تو آنحضرتؐ کی اولاد ہیں، اُن کے جگر کا ٹکڑا ہیں، اُن کی رگوں میں حضورِ اکرمؐ کا خون ہے۔

اس سے ہم لوگوں کو حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہٖ کی تعظیم و احترام کا درس حاصل کرنا چاہیئے کہ جہاں بھی آنحضرتؐ کا ذکر کریں، تو آپؐ کے نام پر درود بھیجیں، اور کسی جگہ آنحضرتؐ کا نام بھی لکھیں تو اُسے درود سے خالی نہ ہونا چاہیئے۔

بلکہ ادب و احترام کا تقاضہ تو یہ ہے کہ وضو و طہارت کے بغیر نہ تو زبان سے حضورِ اکرم کا نام لیں، اور نہ وضو و طہارت کے بغیر آپؐ کا نام کہیں لکھیں!

اور ادب و احترام کے ان احکام کو بجا لانے کے بعد بھی آنحضرتؐ کی بارگاہ میں معذرت کریں کہ جو حقِ تعظیم و تکریم تھا وہ ادا نہ ہو سکا۔ شاعر نے بالکل سچ کہا ہے کہ:

ہزار مرتبہ شویم دھان بہ مشک و گلاب

ہنوز نام تو بردن کمال بی ادبی ست

(اگر میں مشک (جیسی خوشبو) اور گلاب (کے پانی) سے ہزار بار اپنا منہ دھوؤں، پھر بھی آپ کا نام لینا کامل بے ادبی ہے، کیونکہ کہاں میرا منھ اور کہاں آن کا اسم مبارک)

(منتہی الآمال جلد ۱)

اس لئے کہ پوری کائنات میں صرف سرکار خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰؐ ہی کی ذات والا صفات وہ ہے جن سے خطاب کرتے ہوئے خالقِ کائنات نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

"ہم نے آپؐ کے ذکر کو بلند کیا۔"

جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے :

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۔ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِیْ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۔ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۔

(کیا ہم نے آپ کے سینے کو کشادہ نہیں قرار دیا ۔ ؟ اور آپ پر جو بوجھ تھا، جس نے آپ کی پیٹھ (کمر) توڑ دی تھی، اُسے ہم نے اتار دیا، اور آپ کے ذکر کو بلند کر دیا۔

(سورۂ مبارکہ الشرح آیت ۱ تا ۴)

جس کے ذیل میں اربابِ تفسیر نے بجا طور پر لکھا ہے کہ :

"جہاں اللہ کا نام لیا جاتا ہے وہاں حضرت رسول اللہؐ کا بھی نام لیا جاتا ہے، جیسے اذان، نماز، اور دیگر بہت سے مقامات پر، اسی طرح گذشتہ آسمانی کتابوں میں آپ کی ذاتِ گرامی، اور آپ کی صفاتِ حمیدہ کا تذکرہ موجود ہے۔ فرشتوں کی زبان پر آپ کا ذکر بھی ہے، اور اُن کی طرف سے آپ پر مسلسل دُرود و سلام بھی نازل ہوتا ہے۔

آپ کی اطاعت کو پروردگارِ عالم نے اپنی اطاعت قرار دیا، اور یہ حکم بھی دیا کہ خدا کی اطاعت کرو، رسولؐ کی اطاعت کرو (اور اولی الامر کی)۔

حواشی مولانا یوسف صاحب)

ان آیات کے ذیل میں اربابِ تفسیر کے مندرجہ ذیل اقوال بھی صاحبانِ ایمان کے لئے قابلِ توجہ ہیں :

" تمہارا نام اسلام اور قرآن کے ساتھ، ہر جگہ پہنچا۔

تمہارا نام ہر صبح و شام اذان کے گلدستوں اذان کے وقت، اللہ کے نام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔

تمہاری رسالت کی گواہی، خداوندِ عالم کی توحید کی گواہی کے ساتھ اسلام کا نشان، اور اس پاک دین کے قبول ہونے کی دلیل ہے۔

ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ:

آپ نے فرمایا:

"جبرئیلؑ نے مجھے بتایا ہے کہ: خداوندِ عالم ارشاد فرماتا ہے:

"جس وقت میرا نام لیا جاتا ہے، تو اُس وقت تمہارا نام بھی میرے ساتھ ہی لیا جاتا ہے (اور تمہارے مرتبہ کی عظمت کیلئے یہی کافی ہے)

ملاحظہ فرمایئے:

تفسیر نمونہ جلد ۲۷ صفحہ ۱۲۵)

آپ کے فضائل و مناقب کے بارے میں تاریخ کا اعتراف

حضرت امام جعفر صادقؑ اور خاندانِ رسالتؐ کو مالکِ دوجہاں نے جو عظمت و جلالت عطا کی ہے اُس کے ابعاد کا نہ صحیح معنوں میں ادراک کیا جاسکتا ہے نہ کسی زبان میں طاقت ہے کہ اُن کے بیان کا صحیح معنوں میں حق ادا کرسکے، اور نہ کسی قلم میں اتنی توانائی ہے کہ وہ ان کی وسعتوں کا احاطہ کرسکے۔

کیونکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد پوری کائنات میں سب سے باکمال یہی تو ہستیاں ہیں جن کے فضائل و مناقب کا اعتراف اپنوں نے بھی کیا ہے اور غیروں نے بھی

ہم اس جگہ صرف تیمناً عالم اسلام کی بلند مرتبہ شخصیتوں کے بیان کردہ مطالب سے ایک اقتباس پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں۔

۱

برادرانِ اہلسنت کے نہایت بلند مرتبہ عالم دین شیخ سلیمان بن ابراہیم القندوزی الحنفی نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

وَخَلَّفَ سِتَّةَ أَوْلَادٍ: أَفْضَلُهُمْ وَأَكْمَلُهُمْ جَعْفَرُ الصَّادِقُ،

وَمِنْ ثَمَّ كَانَ خَلِيفَتَهُ وَوَصِيَّهُ، وَنَقَلَ النَّاسُ عَنْهُ مِنَ الْعُلُومِ مَا سَارَتْ بِهِ الرُّكْبَانُ وَانْتَشَرَ صِيتُهُ فِي جَمِيعِ الْبُلْدَانِ۔

وَرَوَى عَنْهُ الْأَئِمَّةُ الْأَكَابِرُ: كَيَحْيَى ابْنِ سَعِيدٍ، وَابْنِ جُرَيْجٍ، وَمَالِكٍ، وَسُفْيَانَ بْنِ عُيَيْنَةَ، وَسُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَأَبُو حَنِيفَةَ، وَشُعْبَةَ، و

ایوبِ السجستانی

(آپؑ کے "۶" فرزندان تھے، جن میں سب سے افضل اور سب سے زیادہ باکمال:

حضرت امام جعفر صادقؑ

ہیں، اسی لئے وہی ان کے وصی و جانشین قرار پائے۔

بنی نوع انسان کو علوم و فنون میں آپ سے اس قدر فیض پہنچا کہ عام سفر کرنے والوں کی زبان پر اُس کا چرچہ تھا، اور اُس کی شہرت تمام بلادِ اسلامی تک پہنچی۔

آپؑ سے نہایت بلند مرتبہ علمائے دین نے احادیث نقل کی ہیں، جو سب اپنے اپنے فن کے جلیل القدر امام شمار کئے جاتے ہیں، جیسے:

یحییٰ ابن سعید۔ ابن جریح۔ مالک۔ سفیان بن عیینہ۔ سفیان ثوری۔ ابو حنیفہ۔ شعبہ اور ایوب سجستانی۔

(حوالہ کے لئے ملاحظہ فرمایئے:

ینابیع المودۃ جلد ۲، صفحہ ۱۱۱، ۱۱۲)

امیر علی جسٹس امیر علی نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی درسگاہ کو صحرا کے منفرد نخلستان سے تشبیہ دی ہے چنانچہ انہوں نے واقعۂ حرّہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

(اُموی دورِ حکومت میں)۔۔کفر و بت پرستی نے پھر غلبہ پایا، ایک فرنگی کے قول کے مطابق، اس کا دوبارہ جنم لینا اسلام کے لئے سخت خوفناک تباہی کا باعث ہوا۔ (کیونکہ اس واقعہ میں تقریباً) تمام مدینہ والوں کو یزید کا غلام بنالیا گیا، اور جس نے انکار کیا اُسکا سر اتار لیا گیا۔

اس رسوائی و بدنامی سے صرف دو آدمی محفوظ رہے:

۱۔ علی بن عبداللہ بن عباس — اور

۲۔ حضرت علی بن الحسینؑ (امام زین العابدین علیہ السلام) — اُن سے یزید کی بیعت نہیں لی گئی۔

مدارس، شفا خانے اور دیگر رفاہِ عام کی عمارتیں، جو خلفاء کے زمانہ میں بنائی گئی تھیں، یا تو محاصرہ میں لے لی گئیں یا مسمار ہوئیں، اور عرب پھر ایک ویرانہ بن گیا۔

اس کے کچھ مدت حضرت علی بن الحسینؑ (امام زین العابدینؑ) کے پوتے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام) نے اپنے جدِ امجد حضرت علی مرتضیٰؑ کی عظیم الشان تعلیم گاہ دوبارہ مدینہ میں جاری کی۔

یہ صحرا میں صرف ایک ہی سچا نخلستان تھا، اس کے چاروں طرف ظلمت اور ضلالت چھائی ہوئی تھی۔"

حوالہ کیلئے ملاحظہ فرمایئے :
تاریخ اسلام صفحہ ۲۶

شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے ... عمرو بن خالد کی ایک روایت نقل کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ :

جنابِ زید شہید (یعنی زید بن علیؑ بن الحسینؑ) کہا کرتے تھے کہ :

"ہر زمانہ میں ہم اہلبیتؑ میں سے ایک (ایسی بلند مرتبہ) ذات ہوتی ہے، جو خدا کی طرف سے اُس کے بندوں پر حجت ہوتی ہے، اور ہمارے زمانہ میں حجت خدا میرے بھتیجے حضرت جعفر صادقؑ ہیں، اُن کی پیروی کرنے والا بھٹک نہیں سکتا، اور اُن کی مخالفت کرنے والا ہدایت نہیں پا سکتا۔

(ملاحظہ فرمائیں امالی شیخ صدوق ص۳۳، بحار الانوار ۴۷: ۱۹)

محمد بن طلحہ کہتے ہیں کہ:

هُوَ مِنْ عُظَمَاءِ أَهْلِ الْبَيْتِ وَسَادَاتِهِمْ، ذُو عُلُومٍ جَمَّةٍ، وَعِبَادَةٍ مَوْفُورَةٍ، وَزَهَادَةٍ بَيِّنَةٍ، وَتِلَاوَةٍ كَثِيرَةٍ، يَتَتَبَّعُ مَعَانِيَ الْقُرْآنِ الْكَرِيمِ وَيَسْتَخْرِجُ مِنْ بَحْرِهِ جَوَاهِرَهُ، وَيَسْتَنْتِجُ عَجَائِبَهُ، وَيُقَسِّمُ أَوْقَاتَهُ عَلَى أَنْوَاعِ الطَّاعَاتِ، بِحَيْثُ يُحَاسِبُ عَلَيْهَا نَفْسَهُ.

رُؤْيَتُهُ تُذَكِّرُ بِالْآخِرَةِ وَاسْتِمَاعُ كَلَامِهِ يُزَهِّدُ فِي الدُّنْيَا، وَالْاِقْتِدَاءُ بِهُدَاهُ يُورِثُ الْجَنَّةَ، نُورُ قَسَمَاتِهِ شَاهِدٌ أَنَّهُ مِنْ سُلَالَةِ النُّبُوَّةِ، وَطَهَارَةُ أَفْعَالِهِ تُصَدِّعُ أَنَّهُ مِنْ ذُرِّيَّةِ الرِّسَالَةِ.

نَقَلَ عَنْهُ الْحَدِيثَ وَاسْتَفَادَ مِنْهُ الْعِلْمَ جَمَاعَةٌ مِنْ أَعْيَانِ الْأَئِمَّةِ وَأَعْلَامِهِمْ مِثْلُ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيِّ وَابْنِ جُرَيْجٍ وَمَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، وَالثَّوْرِيِّ، وَابْنِ عُيَيْنَةَ، وَأَبُو حَنِيفَةَ وَشُعْبَةَ، وَأَبُو أَيُّوبَ السِّجِسْتَانِيِّ وَغَيْرِهِمْ وَعَدُّوا أَخْذَهُمْ عَنْهُ مَنْقَبَةً شَرُفُوا بِهَا وَفَضِيلَةً اكْتَسَبُوهَا.

(وہ اہلبیت طاہرینؑ کے عظیم المرتبت رہنماؤں اور ان کے سرداروں میں سے ہیں، ہر قسم کے علوم کے خزینہ دار، انتہائی عبادت گذار، زاہد و پرہیزگار اور کثرت سے تلاوت قرآن کرنے والے تھے۔

قرآن مجید کے مطالب کا اتباع کرتے تھے، اور اس کے سمندر سے جواہر نکال کر (لوگوں کو مالا مال کرتے تھے) اور اس کے حیرت انگیز نتائج سے لوگوں کو باخبر کرتے تھے)....

آپؑ نے اپنے اوقات کو انواع و اقسام کی اطاعتوں میں تقسیم کر رکھا تھا، جس کے دوران احتساب نفس (کا بھی ایک عظیم مرحلہ تھا)

اُن کے چہرۂ انور کی زیارت، انسان کو آخرت کی یاد دلاتی تھی؛ ان کی بات سن کر انسان دنیا میں زہد اختیار کرنے لگتا تھا، ان کی ہدایت کی پیروی، انسان کو جنّت کا وارث بنانے والی تھی، اُن کی جبینِ اقدس کا نور گواہی دیتا تھا کہ وہ خاندانِ نبوت سے ہیں اور اُن کے عمل کی پاکیزگی بتاتی تھی کہ وہ رسولِ کریمؐ کی ذریت ہیں۔

اُمّتِ مسلمہ کے نہایت بلند مرتبہ رہنماؤں اور عالی قدر ہستیوں نے اُن سے کسبِ فیض کیا، اُن سے علم حاصل کیا، اور اُن سے حدیث نقل کی، جن میں:

یحییٰ بن سعید انصاری، ابن جریح، امام مالک بن انس، سفیان ثوری، ابنِ عیینہ، امام ابوحنیفہ، شعبہ اور ابوایوب سجستانی جیسے عظیم المرتبت حضرات بھی شامل ہیں۔

یہ لوگ امام جعفرِ صادق سے علم حاصل کرنا بہت بڑی فضیلت سمجھتے تھے، گویا ایک بڑا شرف اُن کے حصّے میں آیا، اور عالیقدر منقبت کے حصّہ دار بنے)۔

(ملاحظہ فرمایئے: کشف الغمہ جلد ۲ ص۳۶۸
الائمۃ الاثنا عشر ۹۰،۸۹)

علم نحو کے بہت بڑے استاد اپنے فن کے امام "جاحظ" — جو عداوتِ اہلبیت میں بھی بہت مشہور ہیں، کہا کرتے تھے کہ:

جعفر بن محمد الذی ملأ الدنیا علمہ وفقہہ — و یقال: ان ابا حنیفہ من تلامذتہ وکذلک سفیان الثوری وحسبک بھما فی ھذا الباب۔

(حضرت جعفر بن محمد (صادق علیہ السلام) نے اپنے علم اور فقہی بصیرت سے ساری دنیا کو مالا مال کر دیا۔ اور (جب) یہ کہا جائے کہ امام ابوحنیفہ بھی ان کے شاگرد تھے، اور سفیان ثوری جیسے ماہرِ علم و فن بھی، تو بس اس باب میں اتنا ہی کہہ دینا (امام علیہ السلام کی

عظمت کی نشاندہی کے لئے) کافی ہے۔

(ملاحظہ فرمائیے: رسائل جاحظ، الامام الصادقؑ۔

الائمۃ الاثنا عشر صفحہ ۹۱)

آپ کے مناقب و اوصاف (حمیدہ) تو شمار کرنے والوں کی طاقت سے بہت زیادہ ہیں، اور اس قدر گوناگوں ہیں کہ ان کو سمجھنے سے ایک بیدار مغز انسان کی فکر بھی عاجز ہے آپ کے علوم کی کثرت اور آن کا فیضان دلوں پر تقویٰ کے نقوش مرتسم کرتے تھے، اور ایسے احکام جن کی علت سمجھنے سے ذہن قاصر ہو، اور ایسے علوم جن کی حکمت کا احاطہ کرنے سے فہم بشر عاجز ہو، آپ سے روایت کئے گئے ہیں، اور آپ کی نسبت دے معارف علوم اسلامی میں نفوذ پاتے ہیں۔

اور ابن صباغ مالکی — جو برادرانِ اہلسنت کے نہایت جلیل القدر عالم ہیں کہا کرتے تھے کہ:

امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے تمام بھائیوں (اور پورے خاندان میں سب سے بلند مرتبہ تھے اسی لئے) اپنے والد کے جانشین و وصی اور اُن کے بعد منصبِ امامت کے ذمہ دار قرار پائے، وہ اپنے فضل و شرف میں بہت آگے ہیں... اُن کا ذکر سب سے عظیم، اور آن کی جلالتِ قدر سب سے نمایاں ہے۔ لوگوں نے ان سے جو علوم نقل کئے وہ راہ چلنے والوں کی زبان پر نمایاں تھے، اُن کا آوازہ ہر طرف پھیلا اور سارے شہروں میں انھیں شہرتِ عام حاصل ہوئی، اور جس قدر علوم و معارف آپ سے نقل کئے گئے، خاندانِ رسالت کے کسی اور رہنما سے حاصل نہیں کئے جا سکے۔

تاریخ و سیرت کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والے حضرات کو، جا بجا ایسے کلمات

امام علیہ السلام کی شان میں نظر آئیں گے جس سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ:
عالم اسلام کے تمام ممتاز علماء و محققین اور عاشقانِ علم و معرفت آپ کو اپنا قائد و رہنما تسلیم کرتے ہیں، چاہے وہ آپ کے منصوص من اللہ ہونے کا عقیدہ رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں۔ لیکن یہ بات تو سب پر واضح ہے کہ اُس دور میں قافلۂ علم کی قیادت اور تشنگانِ معرفت کی سیرابی کا سامان آپ ہی فراہم فرما رہے تھے۔

(الائمۃ الاثنا عشر صفحہ ۹۲)

دنیائے اسلام کے مشہور عالم دین، جناب ابنِ واضح یعقوبی نے بجا طور سے لکھا ہے کہ:

وَكَانَ أَفْضَلَ النَّاسِ وَأَعْلَمَهُمْ بِدِيْنِ اللهِ، وَكَانَ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ الَّذِيْنَ سَمِعُوْا مِنْهُ، إِذَا رَوَوْا عَنْهُ قَالُوْا: أَخْبَرَنَا الْعَالِمُ۔

(حضرت امام جعفر صادقؑ) تمام لوگوں سے افضل اور دینِ خدا کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے شخص تھے، (بہت سے) صاحبانِ علم، جو آپؑ سے دین کی باتیں سنتے تھے، جب لوگوں سے بیان کرتے تھے تو (آپؑ کا نام لینے کے بجائے یہ کہتے تھے کہ:
ہمیں اُس (ذاتِ گرامی) نے بتایا ہے جو علم کا مالک ہے۔

(ملاحظہ فرمایئے:
تاریخ یعقوبی، جلد۲، صفحہ ۳۸۱)

آپ کی عظمت و جلالت لوگوں کے دلوں میں اس قدر راسخ ہوچکی تھی کہ وہ آپؑ کی ذاتِ والاصفات کے بارے میں "غلو" کرنے لگے تھے، جبکہ ائمۂ کرام نے

جس طرح تنقیص کرنے والوں پر لعنت کی ہے اُسی طرح غلو کرنے والوں کی بھی مذمت کی ہے، اور انھیں منع کیا ہے کہ وہ حد سے تجاوز نہ کریں

اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل روایت قابلِ توجہ ہے کہ جسے محمد بن اورمہ نے ابنِ سنانؓ اور انہوں نے مفضل سے نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ:

"میں، قاسم شرکی، نجم بن حطیم، اور صالح بن سہل مدینہ منورہ میں تھے۔ کہ ہم لوگوں کے درمیان۔ خداوندِ عالم کے بارے میں بحث چھڑ گئی کہ ہمارا رب کیسا ہے؟ کہاں ہے؟.... وغیرہ وغیرہ۔

اس دوران ہم میں سے ایک شخص نے کسی کو مخاطب کر کے کہا کہ:

"ہم لوگ کیوں اس بات میں بحث کر رہے ہیں۔ جبکہ ہم تو اُس سے بہت نزدیک ہیں، اور ہمیں آپس میں ایک دوسرے سے تقیہ کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ آؤ چلو سب وہیں چلتے ہیں۔

یہ باتیں کر کے ہم اُٹھے اور امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف چلے۔ ابھی ہم لوگ ان کے دروازے تک بھی نہیں پہنچے تھے کہ دیکھا:

امامؑ گھر سے باہر چلے آرہے ہیں، نہ پیر میں جوتیاں ہیں نہ ردا اوڑھی ہوئی ہے، (ہم نے اُن کے سرِ اقدس کی طرف دیکھا، تو یوں نظر آیا کہ (آپ کے سر کا ہر بال کھڑا ہے!

ہم لوگوں کو دیکھتے ہی فرمانے لگے:

لَا یَا مفضّلُ ، لَا وَ یَا قَاسِمُ وَ یَا نَجْمُ.... لَا...لَا.

(اے مفضل، اے قاسم، اے نجم... جو کچھ تم لوگوں نے سوچا ہے، وہ ہرگز صحیح نہیں ہے، نہیں! نہیں! (ایسا کبھی نہ سوچنا)
پھر آپؑ نے قرآن کی یہ آیت پڑھی:

بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ ، لَايَسْبِقُونَهٗ بِالْقَوْلِ ، وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۔

بلکہ وہ معزز بندے ہیں، جو اُس کے فرمان پر سبقت نہیں کرتے (بلکہ) جو کچھ اُس کا حکم ہو اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں)

(ملاحظہ فرمایئے:

" اثبات الہداۃ جلد ۵ صفحہ ۳۵۳)

وَاِذَا وَصَلْتَ بِحَبْلِ آلِ مُحَمَّدٍ — حَبْلَ الْمَوَدَّةِ مِنْكَ فَابْلُغْ وَازْدَدِ

بِمُطَهَّرٍ لِمُطَهَّرِيْنَ اَئِمَّةٍ — نَالُوا الْعُلیٰ وَمَكَارِمٍ لَمْ تَنْفَدِ

اَهْلُ التُّقیٰ وَذَوِی النُّهیٰ اُولِی الْعُلیٰ — وَالنَّاطِقِيْنَ عَنِ الْحَدِيْثِ الْمُسْنَدِ

اَلصَّائِمِيْنَ الْقَائِمِيْنَ الْقَانِتِيْنَ — اَلْعَارِفِيْنَ بَنِی الْحِجٰی وَالسُّؤْدَدِ

اَلرَّاكِعِيْنَ السَّاجِدِيْنَ الْحَامِدِيْنَ — اَلسَّابِقِيْنَ اِلیٰ صَلٰوةِ الْمَسْجِدِ

اَلْقَانِتِيْنَ الرَّازِقِيْنَ السَّائِحِيْنَ — اَلْعَابِدِيْنَ اِلٰهَهُمْ بِتَوَدُّدِ

اَلْوَاهِبِيْنَ الْمَانِعِيْنَ الْقَادِرِيْنَ — اَلْقَاهِرِيْنَ لِحَاسِدِ الْمُتَحَسِّدِ

✻

جَعَلْتُ آلَ الرَّسُوْلِ لِیْ سَبَبًا — اَرْجُوْ نَجَاتِیْ مِنَ الْعَطَبِ

عَلَامَ اُلْحَیٰ عَلیٰ مَوَدَّةِ مَنْ — جَعَلْتُهُمْ عُدَّةً لِمُنْقَلَبِیْ

لَوْلَمْ اَكُنْ قَائِلًا بِحُبِّهِمْ

اَشْفَقْتُ مِنْ بُغْضِهِمْ عَلیٰ نَسَبِیْ

✻

جب تم نے آلِ محمدؐ کی ریسمانِ محبت سے خود کو وابستہ کرلیا، تو اُسے اور آگے بڑھاؤ۔ اُس میں مزید اضافہ کرو۔

وہ خود بھی پاک، اور اُن کے آباؤ اجداد بھی پاکیزہ۔ اُن کو ایسی بلندی اور بزرگی حاصل ہے جو ختم ہونے والی نہیں ہے۔

وہ صاحبانِ تقویٰ ہیں، عقل و دانش کا مرکز ہیں۔ بلندیوں کے مالک ہیں، اور (مضبوط) اسناد کے ساتھ حدیث بیان کرنے والے ہیں۔

یہ روزہ دار، (حالتِ نماز میں) کھڑے رہنے والے، دُعا مانگنے والے، لوگوں سے درگذر کرنے والے اور صاحبان دانش وسیادت ہیں۔

یہ رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، حمد کرنے والے اور مساجد کی طرف نماز کیلئے سبقت کرنے والے ہیں۔

یہ قنوت پڑھنے والے، (ذاتِ واجب سے) پیوستہ رہنے والے، اس کی تسبیح کرنے والے اور معبودِ برحق کی، اخلاص و محبت سے ساتھ عبادت کرنے والے ہیں۔

جسے چاہیں بخشیں، جسے چاہے روک دیں، یہ صاحبانِ قدرت ہیں اور حسد کرنے والوں کو زیر کرنے والے ہیں۔

میرے لئے آلِ رسولؐ کو ایسا وسیلہ قرار دیا گیا ہے کہ میں ان کے ذریعہ قیامت کی سختیوں سے نجات حاصل کرنے کی آرزو رکھتا ہے۔

میں اِن ہی لوگوں کے دامنِ مودت سے، پوری مضبوطی کے ساتھ وابستہ ہوں، جن کو یومِ بازگشت کیلئے اپنا سہارا سمجھتا ہوں۔

اگر میرے دل میں، اُن کی محبت نہ ہوتی (بلکہ خدانخواستہ) عداوت ہوتی، تو مجھے اپنے نسب کی صحت کے بارے میں شک ہوجاتا۔

قد سارت به الرکبان

جیسا کہ شیخ مفید علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے:

جس قدر علوم و فنون کی اشاعت، حضرت امام جعفرِ صادق علیہ السلام کے زمانہ میں ہوئی، اور اس کی آواز اطراف اکناف عالم میں پھیلی، آپ کے خاندان میں کسی اور شخصیت (کے زمانہ) میں علوم و فنون کی اس قدر نشر و اشاعت نہ ہو سکی۔

(ارشاد شیخ مفید صفحہ ۲۷۰

(مطبوعہ مکتبہ البصیرتی، قم بسیرہ پیشوایان)

ابن حجر مکی (ہیثمی) — جن کی ہمارے ساتھ عداوت بہت نمایاں ہے، اور انہوں نے اپنی مشہور کتاب "الصواعق المحرقہ" اس اعلان کے ساتھ لکھی تھی کہ اس کتاب کو پڑھ کر اہلبیتِ طاہرینؑ کے ماننے والے اس قدر رنجیدہ ہوں، گویا انکے دلوں پر بجلیاں گری ہیں، جنہوں نے انہیں خاکستر بنا دیا۔

لیکن اس کے باوجود، وہ حضرت امام جعفر صادقؑ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:-

"اس قدر علوم کی نشر و اشاعت، آپؑ کے ذریعہ سے ہوئی کہ وہ زبان زد عام و خاص ہو گئے۔ اور اُن کی گونج ہر طرف پھیل گئی، ہر علاقہ میں ان علوم کی اشاعت ہوئی، اور فقہ و حدیث کے بزرگ ترین پیشوایان مذہب

جیسے :-

یحییٰ بن سعید — ابن جریج — مالک — سفیان ثوری — سفیان بن عیینہ — ابو حنیفہ — شعبہ — ایوب سجستانی — (وغیرہ) نے آپ سے کسب فیض کیا، اور آپ کی روایات نقل کی ہیں :

(ملاحظہ فرمائیے :

"الصواعق المحرقۃ" ط القاہرہ ۲۰۱)

علم نحو اور ادبیات عربی کے مشہور ماہر فن — "جاحظ" — جو عداوتِ اہلبیتؑ میں مشہور تھے، مگر انہوں نے بھی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

(حضرت) جعفر صادقؑ — وہ شخص ہیں کہ اُن کے علم و دانش نے ساری دنیا کو مالا مال کردیا (یہاں تک کہ) ... امام ابو حنیفہ اور جناب سفیان ثوری (جیسی علمی لحاظ سے قدآور شخصیتوں کو یہ شرف حاصل ہے کہ) وہ حضرت امام جعفر صادقؑ کے شاگرد ہیں۔

اور اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جس عظیم المرتبت (امام جعفر صادقؑ) سے (ہمارے ان دو پیشوایانِ مذہب نے کسب فیض کیا' وہ کس قدر بلند مرتبے پر فائز تھے۔

(رسائل جاحظ)

عالم اسلام کے مشہور مؤرخ جناب ابن خلکان نے لکھا ہے کہ :

وہ اثنا عشری حضرات کے (بلند مرتبہ) امام و پیشوا ہیں، پیغمبر اکرمؐ کے خاندان کی عظیم المرتبت شخصیت ہیں، گفتار کی اصابت، راستی اور صداقت

کی وجہ سے (ساری دنیا میں) "صادق" کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ ان کا فضل و شرف اس قدر بلند ہے جو ہر قسم کی تشریح و توضیح سے بے نیاز ہے، ابو موسیٰ۔ جابر بن حیان طرطوسی، آپ ہی کے شاگرد تھے، جنھوں نے امام علیہ السلام کی تعلیمات پر مشتمل کتاب مرتب کی جو ہزار اوراق پر حاوی ہے اور پانچ سو رسالوں پر محیط ہے۔"

(وفیات الاعیان جلد ۱ صفحہ ۳۲۷)

عالم اسلام کے جلیل القدر محقق ابو نعیم کا بیان ہے کہ:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دنیا بھر کے بلند مرتبہ زعمائے دین اور علمائے اعلام نے کسب فیض کیا، جن میں:

مالک بن انس — شعبہ بن الحجاج — سفیان الثوری — ابن جریج عبداللہ بن عمرو — روح بن القاسم — سفیان بن عیینہ — سلیمان بن بلال — اسماعیل بن جعفر — حاتم بن اسماعیل — عبدالعزیز بن المختار — وہیب بن خالد — ابراہیم بن طہمان — وغیرہ۔

اور امام مسلم نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں امام علیہ السلام سے روایات نقل بھی کی ہیں اور اُن سے استدلال بھی کیا ہے۔

(ملاحظہ فرمایئے:

حلیۃ الاولیاء جلد ۳ صفحہ ۱۹۹)

ایک روز جناب ابو حنیفہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں کسب فیض کے لئے آئے تو دیکھا کہ امام علیہ السلام چھڑی کا سہارا لے کر

کھڑے ہیں۔

ابوحنیفہ نے کہا، فرزندِ رسولؐ ابھی آپ اتنے سن رسیدہ تو نہیں ہیں کہ چھڑی کا سہارا لے کر کھڑے ہوں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:۔ "ہاں یہ بات تو صحیح ہے، لیکن چونکہ یہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا عصا ہے، اس لئے برکت کے طور پر میں اس پر ٹیک لگا کر کھڑا ہوں۔

یہ سُن کر جناب ابوحنیفہ تیزی سے امامؑ کی طرف بڑھے، اور گذارش کی: "اے فرزندِ رسولؐ — کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں اس عصا کا بوسہ لوں؟

امام علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں پر سے کپڑا ہٹا کر فرمایا:

(اے ابوحنیفہ) — تم یقیناً یہ بات جانتے ہو کہ یہ میرے ہاتھوں کی کھال تو حضرتِ رسولِ خداؐ کے جسمِ مبارک کا حصّہ ہے۔

(کیونکہ انہوں نے اپنے اہلبیتؑ کے بارے میں فرمایا ہے کہ:

لحمھم لحمی ودمھم دمی

"اُن کا گوشت میرا گوشت، اور اُن کا خون میرا خون ہے)

اور میری کھال پر جو بال ہیں یہ بھی (گویا) حضورِ اکرمؐ ہی کے موئے مبارک ہیں۔ لیکن تم نے نہ تو اس جسم کا بوسہ لیا، نہ آنحضرتؐ کے موئے مبارک کا — اور اُن کے عصا کا بوسہ لینے کیلئے بیتاب نظر آتے ہو — ؟

(ملاحظہ فرمایئے:

بحار الانوار جلد ۴۷ صفحہ ۲۸)

قرآن مجید میں خالقِ دوجہاں کا فرمان ہے کہ :

اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ — (اس بات کو خداوند عالم ہی خوب جانتا ہے کہ اپنی رسالت کا مرکز کہاں قرار دے)

(ملاحظہ فرمایئے: سورہ مبارکہ الانعام آیت ۱۲۴)

اس آیت سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ :

"پیغمبروں کی رفعت، رسالت کے نتیجے میں نہیں ہے کہ چونکہ رسالت کا منصب خالق نے عطا کردیا، اس لئے وہ بلند ہوگئے" بلکہ رسالت، اُن کو (انکی) رفعتِ اوصاف و کردار کی بناء پر ملتی ہے۔

یہ اور بات ہے کہ خالق کا علم محیط ہے اور وہ تجربہ و مشاہدہ کا محتاج نہیں ہے، اس لئے عطائے منصب، اُن کو بحیثیتِ زمانہ مقدم ہے اور عالم خارج میں ان اوصاف کا ظہور مؤخر ہے، جیساکہ عیسیٰ کے لئے قرآن کی آیت ان کا یہ اعلان گہوارہ میں بتا رہی ہے کہ :

اتانی الکتاب وجعلنی نبیا (مجھے اس نے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے)

اور ہمارے پیغمبر اکرمؐ کی مشہور حدیث ہے :

کُنت نبیاً و آدم بین الماء والطین (میں اُس وقت بھی نبی تھا جب آدمؑ آب و گل کے درمیان تھے)

یعنی ابھی مفرد عناصر کی منزل تھی اور ترکیب جسمانی کے ساتھ (ان کا پیکر) بھی تیار نہ ہوا تھا۔ روح پھونکے جانے کا کیا ذکر ہے۔"

(تفسیر فصل الخطاب:

جلد ۲ صفحہ ۱۶۷)

اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ دنیا والوں نے جب بھی اہلبیت طاہرینؑ کے محیر العقول کمالات کا مشاہدہ کیا۔ اُن کی زبان سے بے ساختہ نکلا کہ

اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ

(خدا خوب جانتا ہے کہ اپنی رسالت کا مرکز کہاں قرار دے)

برادرانِ اسلامی کے عظیم المرتبت عالمِ دین: عمرو بن المقدام کہتے ہیں کہ:

"جب بھی میری نظر (حضرت امام) جعفرِ صادقؑ پر پڑتی تھی، میرے دل سے یہ آواز آتی تھی کہ یہ معدنِ رسالتؐ کے پھول ہیں۔

احادیث، حکمت، زہد اور موعظہ کی کتابیں آپ کے ارشاداتِ عالیہ سے بھری ہوئی ہیں، جن کے مؤلفین نے جابجا لکھا ہے کہ:

قال جعفر بن محمد الصادقؑ.... (یہ بات جعفر بن محمدؑ نے فرمائی جو صادق ہیں۔

یا یہ کہ یہ بات حضرت جعفرِ صادق علیہ السلام نے فرمائی ہے)۔

نقاش، قشیری، قزدینی اور ثعلبی نے اپنی اپنی تفاسیر میں اس کا ذکر کیا ہے جسے مندرجہ ذیل کتابوں میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

الحلیہ۔

○ الابانہ۔ ○ اسباب النزول۔
○ الترغیب والترہیب۔ ○ شرف المصطفےٰ۔
○ فضائل الصحابہ۔ ○ تاریخ الطبری۔
○ البلاذری۔ ○ الخطیب۔
○ مسند ابی حنیفہ۔ ○ لالکائی
○ قوت القلوب اور ○ ابن البیع کی معرفۃ علوم الحدیث وغیرہ۔

(مناقب ابن شہر آشوب جلد ۳ صفحہ ۳۷۳)

ہر فیصلے سے بالاتر

قرآن مجید میں خالق دو جہان کا واضح اعلان ہے کہ کوئی شخص اُس وقت تک مومن ہو ہی نہیں، جب تک حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے فیصلے کو حرفِ آخر نہ سمجھے، چنانچہ ارشادِ قدرت ہے:

فلا و ربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم، ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت، ویسلموا تسلیما۔

(تو نہیں۔۔۔ قسم ہے آپ کے پروردگار کی، وہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے، جب تک کہ اُن تنازعات میں، جو اُن کے درمیان ہوں، آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو کچھ آپ فیصلہ کریں، اُس سے اپنے دل میں تنگی محسوس نہ کریں، (بلکہ اُسے) پوری طرح تسلیم کر لیں)

(سورہ النساء آیت ۶۵)

جس کے ذیل میں اربابِ تفسیر نے لکھا ہے کہ:

"اس آیت میں مسلمانوں کو صاف صاف حکمِ رسولؐ کے مقابلہ میں مکمل خود سپردگی اختیار کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے اور واضح طور سے یہ بتا دیا گیا ہے کہ:

آنحضرتؐ کے فرمان کو چون و چرا کے بغیر تسلیم کر لینا، ایمان کا لازمی تقاضہ ہے، جس کے بغیر یہ مومن سمجھے ہی نہیں جا سکتے۔

(تفسیر فصل الخطاب، جلد ۲ صفحہ ۲۳۰)

چنانچہ اربابِ علم و تحقیق نے اپنی نگارشات میں تصریح کی ہے کہ ہم لوگ مختلف موضوعات پر بحث کیا کرتے تھے، اور ہر شخص اپنے اپنے مؤقف کی حمایت میں دلائل پیش کرتا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ کوئی فرمانِ رسولؐ آجائے، تو اب سب اُسے آمنا وسلمنا کہتے ہوئے اُسی جگہ بات ختم کردیتے تھے۔

❁

حضرات اہلبیت طاہرین علیہم السلام جس طرح عصمت میں آپؐ کے شریک ہیں اسی طرح امت کے درمیان ان ہی حضرات کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ جب آپ کا کوئی فرمان آجائے تو لوگ بحث ختم کردیں اور اپنے فیصلے کو تبدیل کردیں۔

چنانچہ ابنِ ابی لیلیٰ، جو اپنے وقت کے نہایت بلند مرتبہ عالم دین، اور جلیل القدر قاضی تھے ان سے ایک مرتبہ نوح بن دراج نے پوچھا:

"کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ آپ نے کسی فرمان کی بنا پر کوئی فیصلہ تبدیل کردیا ہو، یا اپنی کسی رائے (اور فتوے) سے دست کش ہوں؟

"(کبھی ایسا نہیں (ہوسکتا)۔

ہاں صرف ایک ذات (والاصفات ایسی ہے کہ اس کا فرمان سامنے آجائے تو اپنا فتویٰ واپس لے لوں — اور اپنا فیصلہ تبدیل کردوں۔

پوچھا:- وہ کون ہیں؟

کہا:- (حضرت جعفر صادقؑ۔

مناقب ابن شہر آشوب جلد ۴، صفحہ ۲۸۲

قرآنی علوم کے وارث دار

خالقِ دوجہاں کا اپنی مقدس کتاب میں اعلان ہے کہ:

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ

(پھر ہم نے (اپنی کتاب کا وارث، ان لوگوں کو قرار دیا، جنھیں ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب کیا۔

کیونکہ ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو اپنے نفس کے ساتھ زیادتی کرنے والے ہیں۔ اور کچھ درمیان (کی راہ پر) اعتدال کے ساتھ چلنے والے ہیں، اور کچھ وہ ہیں جو نیکیوں کی طرف، خداوندِ عالم کے حکم سے سبقت لے جانے والے ہیں، اور یہ بہت بڑا فضل ہے۔

(سورہ مبارکہ فاطر، آیت ۳۲)

عالمِ اسلام کے جلیل القدر دینی رہنما حافظ ابوبکر ابنِ مردویہ اور دیگر محققین نے لکھا ہے کہ:

یہ آیت حضرت علی ابنِ ابی طالبؑ کی شان میں نازل ہوئی۔

اور یہی وجہ ہے کہ بقول علامہ ابنِ حجر صاحبِ صواعقِ محرقہ:

تمام صحابہ میں جنابِ امیرؑ کے سوا کسی نے سلونی قبل ان تفقدونی۔ (مجھ سے پوچھ لو، قبل اس کے کہ مجھے نہ پاؤ) کا دعویٰ نہیں کیا، اور یہ ظاہر ہے کہ

اگر کتابِ خدا کے وارث نہ ہوتے تو ایسا دعویٰ نہ کرتے ۔
اسی بناء پر تو آپؑ فرمایا کرتے تھے کہ :
" خدا کی قسم کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس کے بارے میں ' میں یہ نہ جانتا ہوں کہ کس کے بارے میں نازل ہوئی ، اور کس پر نازل ہوئی ، دن میں نازل ہوئی یا رات میں نازل ہوئی ، آبادی میں نازل ہوئی یا پہاڑوں پر ۔
(دیکھئے تفسیری حواشی ...)

اور یہ علمی وراثت ، جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جناب امیرالمومنین علی بن ابی طالب کو ملی تھی ، آپؑ کے بعد امام حسنؑ کو ، پھر امام حسینؑ کو ، پھر امام زین العابدین علیہ السلام کو ، پھر امام محمد باقرؑ کو ، اور ان کے بعد امام جعفر صادقؑ کو ملی ، اور اسطرح ہر امامؑ کے بعد دوسرا امام حجتِ خدا ، نائبِ رسولؐ اور وارثِ قرآن قرار پایا ۔ چنانچہ :
اسماعیل بن جابر کی روایت ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا :
إِنَّ اللّٰهَ بَعَثَ مُحَمَّداً نَبِيّاً فَلَا نَبِيَّ بَعْدَهُ ، وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ الْكِتَابَ فَخَتَمَ بِهِ الْكُتُبَ فَلَا كِتَابَ بَعْدَهُ ، أَحَلَّ فِيهِ حَلَالَهُ وَحَرَّمَ فِيهِ حَرَامَهُ فَحَلَالُهُ حَلَالٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ، وَحَرَامُهُ حَرَامٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فِيهِ نَبَأُ مَا قَبْلَكُمْ وَخَبَرُ مَا بَعْدَكُمْ ، وَفَصْلُ مَا بَيْنَكُمْ ـــ ثُمَّ أَوْمَأَ بِيَدِهِ إِلَى صَدْرِهِ ، وَقَالَ :
نَحْنُ نَعْلَمُهُ .
(بیشک خداوندِ عالم نے حضرت محمد مصطفیٰؐ کو مبعوث (برسالت) ...

نبوت کیا، جن کے بعد کوئی اور نبی نہیں ہوگا، اُن پر (وہ) کتاب نازل کی جو (آسمانی) کتابوں میں سب سے آخری کتاب ہے، اس کے بعد کوئی اور کتاب (آنے والی) نہیں ہے۔

اس میں (خداوندِ عالم نے) اپنی حلال چیزوں کی حِلّیت اور حرام چیزوں کی حرمت بیان کردی۔

اس کی حلال کردہ چیزیں قیامت تک حلال، اور اس کی حرام کردہ (باتیں) قیامت تک حرام رہیں گی۔

اس (قرآن مجید) میں تم سے قبل کے لوگوں کے حالات بھی ہیں۔ تمہارے بعد (جو لوگ آنے والے) ہیں ان کی خبریں بھی، اور تمہارے درمیان (جو تنازعات و معاملات پیش آئیں) اُن کے فیصلے بھی (موجود ہیں)

اس کے بعد آپؑ نے اپنے سینۂ اقدس کی طرف اشارہ کرکے فرمایا۔

"ہم اس کے جاننے والے ہیں۔"

(ملاحظہ فرمائیں
کشف الغمۃ ۲؛ بحار ۴۷ : ۳۵)

جنابِ ابو حنیفہ، جن کا نام نعمان بن ثابت ہے، اور جو برادرانِ اسلامی کے نزدیک
اپنی عظمت وجلالت کی بناء پر امامِ اعظم کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔
اور اس میں کوئی شک نہیں کہ برادرانِ اہلسنّت کے جو چار امام ہیں، یعنی:
امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد بن حنبل۔
جن کے ناموں کی مناسبت سے اُن کے ماننے والوں، عقیدت مندوں،
بلکہ فقہی مسائل میں اُن حضرات کے مقلدین کو:
حنفی — مالکی — شافعی — اور حنبلی کہا جاتا ہے۔
ان چار اماموں میں سب سے زیادہ تعداد امام ابو حنیفہ کے ماننے والوں کی ہے، اسی لئے
اگر دنیا بھر کے برادرانِ اہلسنّت کی تعداد، اور اُن کے فقہی مسالک کا جائزہ لیا جائے تو
حنفی حضرات سب سے زیادہ نظر آئیں گے۔

برادرانِ اسلامی کے نہایت معتبر عالمِ دین سفیان بن عیینہ کہا کرتے تھے کہ:
"جو شخص علمِ مغازی حاصل کرنا چاہتا ہے اُس کے لئے مدینہ ہے، جو حج کے لئے مناسک
حاصل کرنا چاہتا ہے اُس کے لئے مکہ ہے اور جو شخص فقہ کا ارادہ کرے، اس کے لئے
کوفہ ہے، اس کو چاہیئے کہ ابو حنیفہ کے تلامذہ کی صحبت اختیار کرے۔

(ملاحظہ فرمائیے، اخبار ابی حنیفہ واصحابہ صہ)

ایک اور بلند مرتبہ عالمِ اہلسنّت کا قول ہے کہ: "حدیث اور آثار کے بعد اگر رائے اور

قیاس کی حاجت ہو تو مالک، سفیان اور ابو حنیفہ کی رائے معتبر ہے اور ابو حنیفہ ان تینوں حضرات میں افقہ، یعنی فقہ کے زیادہ جاننے والے ہیں..

(حوالہ سابق، ص...)

اور ابن عبد البر نے کتاب الانتقاء میں لکھا ہے کہ:

امام ابو حنیفہ فقہ کے امام، قیاس اور رائے میں دور رس اور مسائل کے استنباط میں جید الذہن، حاضر الفہم اور نہایت ذہین... تھے۔ البتہ اخبار آحاد کے بارے میں ان کا مسلک یہ تھا کہ جو مسلمہ اصول کے خلاف ہوں ان کو قبول نہیں کرتے تھے

اسی لئے محدثین کی ایک جماعت نے ان پر سخت نکیر کی ہے

ان کے مقابلے میں دوسروں نے ان کی تعظیم و تکریم میں افراط سے کام لیا۔

(دیکھئے سیرت ائمہ اربعہ ص۵۹)

اور مسلمانوں کے یہ امام اعظم اعتراف کرتے تھے کہ علم میں سب سے بلند مرتبہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ہیں، چنانچہ:

"مسند ابو حنیفہ" کی روایت ہے۔ حسن بن زیاد کہتے تھے کہ:

امام ابو حنیفہ سے پوچھا گیا کہ: جن لوگوں سے تمہاری ملاقات ہوئی ہے اُن میں فہم و بصیرت کے لحاظ سے سب سے بلند، کس کو پایا۔؟

انہوں نے کہا کہ: "حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام"

اس کے بعد امام ابو حنیفہ نے اپنی زندگی کا ایک خاص واقعہ بیان کرتے ہوئے بتایا کہ:

"ایک زمانہ میں منصور نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو مدینہ منورہ سے بلایا تھا۔ اُس نے مجھے بھی بلایا اور کہنے لگا کہ: "اے ابو حنیفہ۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ

لوگ امام جعفر صادق علیہ السلام کے علم و فضل کی وجہ سے، اُن کے بہت زیادہ گرویدہ ہیں۔ بلکہ یوں سمجھو کہ اُن پر فریفتہ ہو رہے ہیں۔

تم ایسا کرو کہ کچھ انتہائی سخت اور پیچیدہ سوالات تیار کرو، اور امامؑ سے اُن کے جوابات دریافت کرو۔[1]

چنانچہ میں نے چالیس (نہایت مشکل) سوالات اکٹھا کر لئے، جس کے بعد منصور نے مجھے اپنے پاس بلایا، اُس زمانہ میں وہ "حیرہ" میں تھا۔ میں بھی وہیں چلا گیا۔

جب میں اُس کے پاس پہونچا تو دیکھا کہ اُسکے داہنی طرف امام جعفر صادق علیہ السلام، تشریف فرما ہیں۔ جنھیں دیکھ کر میرے دل پر ایک عجیب سی ہیبت طاری ہوئی، جو منصور کے شاہی رعب و دبدبہ سے بہت زیادہ بلند اور منفرد تھی۔

میں نے منصور کو سلام کیا، اُس نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا، اور میں بیٹھ گیا تو اس نے امام جعفر صادق (علیہ السلام) کی طرف رُخ کر کے کہا۔

"اے ابو عبداللہ — یہ ابو حنیفہ ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا کہ :- ہاں — میں انھیں پہچانتا ہوں۔

پھر منصور نے مجھے مخاطب کر کے کہا کہ: تمہارے پاس جو سوالات ہیں وہ امام جعفر صادق (علیہ السلام) سے دریافت کر لو۔

جس کے بعد میں نے وہ سوالات، ایک ایک کر کے امام علیہ السلام کی خدمت میں پیش کرنا شروع کئے، اور امامؑ نے ہر سوال کا نہایت مدلل جواب دیا۔

میں جو مسئلہ بھی پوچھتا، امام علیہ السلام اُس کے بارے میں تفصیل سے بتاتے تھے کہ اس کے بارے میں تمہارا یہ نظریہ ہے، اہل مدینہ کا یہ مسلک ہے، پھر اپنی رائے ظاہر

---

[1] منصور یہ چاہتا تھا کہ ایسے سخت سوالات ترتیب دیئے جائیں، جن کا فوری جواب دینا دشوار ہو، تاکہ لوگوں میں امام علیہ السلام کے علم و فضل کی جو ہیبت چھائی ہوئی ہے وہ کم ہو جائے، لیکن نتیجہ اس کے برعکس نکلا، کہ جتنے زیادہ مشکل سوالات کئے گئے اُن کے مدلل جوابات سے امام کی عظمت اور نمایاں ہوتی گئی۔

فرماتے تھے۔

یہاں تک کہ اُن چالیس سوالات میں سے ہر سوال کا آپ نے نہایت مفصل اور مدلل جواب دیا، اور اُس مسئلے میں دنیا بھر کے علماء و فقہا کے جتنے نظریات تھے، سب بیان کر دیئے۔"

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد جناب ابوحنیفہ نے کہا:

"یاد رکھو۔ جو شخص مسائل کے بارے میں تمام لوگوں کی آراء اور نظریات کو خوب اچھی طرح جانتا ہو اور ان سب کو بیان کرنے کے بعد اپنے مؤقف کو ناقابلِ تردید دلیل کے ساتھ پیش کرے، اُس سے بڑھ کر صاحبِ علم و فضل کون ہو سکتا ہے؟"۔

(ملاحظہ فرمایئے:
مسند ابوحنیفہ، بحوالہ مناقب ابنِ شہر آشوب
منتہی الآمال جلد۲۔ ص ۲۴۱، ۲۴۲)

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ دنیا بھر کے کروڑوں مسلمان فقہ میں صرف "چار" ہی شخصیتوں کو دنیا بھر کے فقہاء و مجتہدین سے بہتر اور افضل سمجھتے ہیں، یعنی:

امام ابوحنیفہ — امام مالک ابن انس — امام شافعی — اور امام احمد بن حنبل۔

اور ان چار ائمہ فقہ میں جناب ابوحنیفہ کا درجہ سب سے بلند قرار دیتے ہیں، اسی لئے اُن کو امامِ اعظم کے نام سے یاد کرتے ہیں، اور ان کو فضل و شرف میں سب سے اعلیٰ سمجھتے ہیں۔

اور اُن امام اعظم نے اعتراف کیا ہے کہ امام جعفر صادق دنیا بھر کے تمام صاحبان علم و فضل کے درمیان سب سے بلند مرتبہ پر فائز ہیں۔

امام مالک کی عقیدت

جناب امام مالک، جن کا پورا نام "مالک بن انس" ہے، چونکہ ان کا تعلق مدینہ منورہ سے ہے، اس لحاظ سے مسلمانوں کے "ائمہ اربعہ" کے درمیان اُن کو ایک امتیازی حیثیت حاصل ہے۔

اور سوانح نگاروں نے تصریح کی ہے کہ:

امام مالک مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور وہیں پوری تعلیم حاصل کی، کسی روایت سے ان کے طلب علم کی غرض سے باہر جانے کا ثبوت نہیں ملتا۔

اس زمانہ میں مدینہ علم دین اور علمائے دین کا مرکز تھا، پورے عالم اسلام کے اہل علم اسی سرچشمۂ علم و دین کے پاس آتے تھے۔

ابو العالیہ ریاحی بصری کہتے ہیں کہ:

"ہم لوگ بصرہ میں صحابہ کی روایت سے حدیث سنتے تھے اور اس وقت تک مطمئن نہیں ہوتے تھے جب تک کہ مدینہ آکر خود اُن صحابہ کے منہ سے نہیں سن لیتے تھے۔

(الکفایہ، صفحہ ۴۰۳)

امام مالک نے یہیں رہ کر ذمہ داری کے ساتھ علم حاصل کیا۔ انکا بیان ہے کہ:

"میں نے اس شہر مدینہ میں ایسے لوگوں کو پایا ہے جن کے وسیلے طلب باراں کی دعا کی جائے تو ضرور بارش ہوگی۔ (سیرت ائمہ اربعہ ص۱۰)

(وہ کہتے تھے کہ) علم دین اور علم حدیث وفقہ: زہد و تقویٰ اور خوفِ خدا کے ساتھ اتقان اور فہم کا بھی متقاضی ہے، تاکہ روایت کرنے والا سمجھ سکے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور کل اس کا انجام کیا ہوگا۔

جس عالم میں اتقان، معرفت اور دین کی فہم نہ ہو وہ نہ حجت اور دلیل ہو سکتا ہے اور نہ اُس سے علمِ دین حاصل کیا جا سکتا ہے۔

❀

صاحب سیرت ائمہ اربعہ نے لکھا ہے کہ:

"امام صاحب ذہانت، محنت اور ذوق و شوق کی بنا پر دینی علوم میں درجۂ کمال کو پہونچ گئے تھے (ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ:

امام مالک نے جن شیوخ (بزرگان) اور اساتذہ سے علم حاصل کیا اُن کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ جن میں اجلۂ تابعین اور مشہور فقہاء و محدثین ہیں ...

پھر اساتذہ کے نام کی فہرست میں حضرت امام جعفر صادقؑ کا بھی تذکرہ کیا ہے[1]۔

(جن سے امام مالک نے کسبِ فیض کیا، اس سلسلہ میں خود):

امام مالک کہتے ہیں کہ: میں حضرت امام جعفر صادق (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضری دیا کرتا تھا تو آپ میرا خاص احترام فرماتے تھے، میرے لئے خاص مسند منگاتے تھے، جس پر ٹیک لگا کر میں بیٹھتا تھا، اور آپ میرے ساتھ خصوصی مدارات فرمایا کرتے تھے، جس سے مجھے بہت مسرت حاصل ہوتی تھی، اور خداوند عالم کا شکر ادا کرتا تھا کہ اُس نے مجھے اس شرف سے نوازا۔

میں جب بھی اُن کی خدمت میں حاضر ہوا، اُن کو روزہ کی حالت میں، یا عبادت کرتے ہوئے یا ذکرِ خدا میں مصروف پایا۔

---

[1] ملاحظہ فرمایئے سیرت ائمہ اربعہ (قاضی اطہر مبارک پوری) صفحہ ۱۰۰، ۱۰۹۔

آپ نہایت بلند مرتبہ عبادت گذاروں اور جلیل القدر زاھدوں میں سے تھے۔
خداوند عالم سے خوف خشیت کا بہت ہی بلند رتبہ آپ کے نزدیک پایا جاتا تھا۔
آپ کی نشست بہت خوش آیند اور گوناگوں فوائد سے پُر ہوتی تھی، بہت کثرت سے احادیث بیان کرتے تھے (اور لوگ ان جواہر سے اپنے دامن کو مالامال کر کے وہاں سے جاتے تھے۔

قابلِ غور بات ہے کہ،
مسلمانوں کے نزدیک جو چار امام انتہائی بلند درجہ پر ہیں، اور دنیا بھر کے کروڑوں مسلمان، اپنے فقہی معاملات میں ان ہی چار حضرات میں سے کسی ایک طرف رجوع کرتے ہیں، اُن ہی چار حضرات میں سے ایک عظیم المرتبت شخصیت کا نام امام مالک ہے جنھوں نے حضرت امام جعفرِ صادق علیہ السلام کے بارے میں یہ اعتراف کیا ہے۔

اس سلسلے میں شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب "امالی" میں نوفلی کی روایت نقل کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جنابِ امام مالکؒ کہا کرتے تھے کہ:
"خدا کی قسم: میری آنکھوں نے زہد، فضیلت، عبادت اور پرہیزگاری میں حضرت امام جعفرِ صادقؑ سے افضل کسی شخص کو نہیں دیکھا۔
جب میں ان کے پاس جاتا تھا تو میری تکریم فرماتے تھے، میری طرف متوجہ رہتے تھے۔
میں نے ایک دن عرض کیا: "اے فرزندِ رسولؐ، اگر کوئی شخص رجب میں ایمان و معرفت[1]

---

[1] ملحوظ رہے کہ ہم نے محض اپنی کم مائیگی اور اپنی زبان کی محدودیت کی وجہ سے "ایمان و معرفت" لکھا ہے، جب کہ روایت میں ایماناً و احتساباً ہے۔ یعنی ایمان کے ساتھ، اور احتساب کے طور پر یا احتساب کے ساتھ۔ یہ لفظ احتساب بہت وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ جس میں تقرب، خوشنودی، للّٰہیت اور اخلاص کے پہلو سموئے ہوئے ہیں۔

کے ساتھ روزہ رکھے تو اس کا ثواب کیا ہے۔؟

فرمایا کہ: میرے والد نے اپنے پدر بزرگوار سے، اور انہوں نے اپنے جد سے نقل کیا ہے کہ حضرت رسولِ خدا نے فرمایا:

مَنْ صَامَ مِنْ رَجَبَ يَوْمًا اِيْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ۔

(جو شخص ماہ رجب میں ایک دن، ایمان و معرفت کے ساتھ روزہ رکھے تو اس کیلئے کیا ثواب ہے؟۔

تو آپ نے اسی سلسلۂ سند کے ساتھ فرمایا کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

مَنْ صَامَ يَوْمًا مِّنْ شَعْبَانَ اِيْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ۔

جو شخص ماہ شعبان میں ایک دن، ایمان و معرفت کے ساتھ روزہ رکھے اُسے مغفرت نصیب ہوگی۔

حوالہ کیلئے دیکھئے: امالی شیخ صدوق ص۴۳: ب۱۴۱: ۲۰)

دشمن کا اعترافِ حقیقت

عباسی حکمران، منصور دوانیقی کو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے جو عداوت تھی، وہ ایک ایسی تاریخی حقیقت ہے جس کا بیشتر مورخین نے اعتراف کیا ہے اور متعدد اسلامی مصادر میں ایسے واقعات موجود ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ منصور نے آپ کو قتل کرانے کی بارہا کوشش کی تھی، چنانچہ شیخ حرعاملی لکھتے ہیں :

علی بن میسرہ کی روایت ہے کہ :

منصور دوانیقی نے اپنے غلام کو، جو اُس کے سرہانے کھڑا تھا، حکم دیا تھا کہ جیسے ہی حضرت، جعفر صادقؑ تشریف لائیں اپنی تلوار سے اُن کا کام تمام کردینا۔

لیکن جب امام وہاں تشریف لائے تو... (اُس غلام پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ اُس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھاگیا، اور وہ کوئی اقدام نہ کرسکا۔

(اثبات الہداۃ جلد۵ صفحہ ۴۴۳،۴۴۵)

اور ایسا بھی ہوا ہے کہ منصور نے امام علیہ السلام کے سامنے خود اعتراف کیا ہے کہ میں نے آپ کو قتل کرنے کا تہیہ کررکھا تھا، مگر آپ کو دیکھنے کے بعد ہمت نہ کرسکا جیسا کہ ظریف بن ناصح کی روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ :

(ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ، ربیع نے منصور دوانیقی کے دروازے پر حضرت امام جعفر صادقؑ کا استقبال کیا، اور کہنے لگا۔

"اے ابوعبداللہ — یہ شخص (منصور آپ سے کس قدر عداوت رکھتا ہے ؟

میں نے اسے یہ کہتے ہوئے سُنا ہے کہ
"میں انھیں چھوڑوں گا نہیں، اُن (کے باغ) کے درختوں کو جلا دوں گا، ان کا مال و اسباب لوٹ لوں گا، اور اُن کی اولاد کو قتل کر دوں گا۔
یہ سُن کر امام علیہ السلام نے زیرِ لب کوئی دعا پڑھی اور اندر تشریف لے گئے۔
منصور نے آپ کو دیکھ کر وہی باتیں دہرائیں (جن کا تذکرہ ربیع کر چکے تھے) کہ:
"میں نے تہیّہ کر رکھا تھا کہ آپ کو چھوڑوں گا نہیں، آپ کے باغ کو جلا دوں گا، آپ کے مال پر قبضہ کر لوں گا... اور... (لیکن اس وقت کچھ نہیں کر سکتا)
آپ کچھ فرمانا چاہتے ہوں تو ارشاد فرمایئے۔
امام نے فرمایا کہ: جانے کی اجازت!
کہنے لگا۔ "وہ آپ کے اختیار میں ہے"
جس کے بعد امامؑ واپس تشریف لے گئے۔

اور جب تلوار سے آپ کو قتل کرنے کی ہمت نہ کر سکا، تو آخر کار اُس نے زہر دغا کے ذریعہ امام علیہ السلام کو شہید کرا دیا۔
جیسا کہ مؤرخین نے معتبر اسناد کے ساتھ اپنی کتابوں میں اس کا ذکر کیا ہے اور ہم آپ کی شہادت کے تذکرہ میں کچھ حوالے درج کریں گے۔
لیکن آپ کی عظمت وجلالت، اور علمی مرتبہ اتنا بلند تھا کہ آپؑ کو شہید کرنے کے باوجود منصور جیسے دشمنِ خدا و رسولؐ نے بھی ان فضائل و مراتب کا اعتراف کیا، جو خداوندِ عالم نے آپ کو مرحمت فرمائے تھے۔ چنانچہ جناب ابنِ عباس کے پوتے اسمٰعیل بن علی کا بیان ہے کہ
"میں ایک روز منصور دوانقی کے پاس گیا، تو وہ رو رہا تھا اور اتنے آنسو

گرے تھے کہ اس کی داڑھی تر ہو گئی تھی۔

مجھے دیکھ کر کہنے لگا:

"تمہیں کچھ معلوم ہے کہ خاندان (بنی ہاشم) پر کتنی بڑی مصیبت نازل ہو چکی ہے؟

میں نے کہا، "اے حاکمِ وقت، کون سی مصیبت۔؟"

منصور نے کہا کہ:

"اس خاندان کا سیّد و سردار سب سے بڑا صاحبِ علم و فضل، اور نیکوکاروں اور ابرار کی نشانی، دنیا سے رخصت ہو گئے

میں نے پوچھا: "کون۔؟"

کہا کہ:- "امام جعفر صادقؑ۔

میں نے دعائے خیر کی، تو منصور بولا۔

"(حضرت) جعفر صادقؑ، اُن لوگوں میں سے تھے جن کے لئے پروردگارِ عالم نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا۔

(پھر ہم نے (اپنی) کتاب کا وارث اُن لوگوں کو بنایا جنھیں ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب کیا)

بیشک۔ وہ اُن لوگوں میں سے تھے جنھیں خداوندِ عالم نے منتخب قرار دیا ہے۔

اور جن لوگوں کے بارے میں اُس نے اسی آیت میں فرمایا ہے کہ:

"وہ لوگ جو نیکیوں کی طرف تیزی سے قدم بڑھاتے ہیں۔

(ملاحظہ فرمایئے سورۂ فاطر آیت ۳۲)

(تاریخ یعقوبی ۲، ۳۸۳)

لمحۂ فکریہ

جو لوگ، حضرات ائمۂ طاہرین علیہم السلام کی عظمت وجلالت کا اعتراف کرنے کے باوجود اُن کے اُسوہ حسنہ کو اپنانے، اور اُن کی ہدایت کے مطابق زندگی گذارنے کی کوشش نہیں کرتے، اُن کے لئے یہ بات لمحۂ فکریہ ہے کہ :

عظمت وجلالت کا زبانی اعتراف تو اُن حضرات کے دشمنوں بلکہ قاتلوں نے بھی کیا ہے۔ لیکن کیا کسی عظیم المرتبت شخصیت کی بزرگی کا اعتراف ہی انسان کی نجات کیلئے کافی ہو سکتا ہے۔ اور کیا خداوند عالم نے ان ہادیانِ برحق کو ان کمالات سے صرف اسی لئے نوازا تھا کہ اُن کی محبت کا دعویٰ کرنے والے، ان کمالات کا صرف اعتراف کرلیں ؟

یا یہ کہ اُن کو امام برحق اور ہادی خلق ماننے کا تقاضہ یہ ہے کہ اُن کی ہدایات پرعمل کیا جائے۔ اُن کے اُسوہ حسنہ کو اپنی عملی زندگی میں اپنایا جائے اور واجبات ومحرمات کے سلسلہ میں اُن کی واضح تعلیمات کو پیش نظر رکھا جائے۔

گلِ سرسبدِ چمنستانِ رسالت

خاندانِ رسالتؐ کا مرتبہ اتنا بلند ہے کہ جب نصارائے نجران سے مباہلہ کا خداوندِ عالم نے حکم دیا، اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے نکلنے لگے، تو آپ نے اپنے اہلبیتؑ (علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ) کو چادر میں لے لیا، اور بارگاہِ معبود میں عرض کی:

اللھم ان ھولاء اھل بیتی وخاصتی وحامتی لحمھم لحمی، ودمھم دمی، یولمنی مایولمھم ویحزننی مایحزنھم انا حرب لمن حاربھم وسلم لمن سالمھم وعدو لمن عاداھم ومحب لمن احبھم انھم منی وانا منھم فاجعل صلواتک وبرکاتک ورحمتک وغفرانک ورضوانک علی وعلیھم واذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا۔

(خداوندا۔۔۔ یہی میرے اہلبیتؑ، میرے خاص لوگ اور میرے حامی و مددگار ہیں، ان کا گوشت میرا گوشت، اور ان کا خون میرا خون ہے، جو بات انھیں تکلیف پہونچائے، وہ مجھے تکلیف پہونچائے گی، جو انھیں رنجیدہ کرے، وہ مجھے رنجیدہ کرے گی۔ جو ان سے جنگ کرے اُس سے میری جنگ ہے۔ اور جو ان سے صلح کرے اُس سے میری صلح ہے، جو ان سے دشمنی کرے وہ میرا دشمن ہے، اور جو ان سے محبت کرے وہ میرا دوست ہے یہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں، تو اپنے درود، برکتیں، رحمتیں، مغفرتیں اور خوشنودیاں مجھ پر بھی نازل فرما، اور اُن پر بھی نازل فرما، ان سے رجس کو

دُور رکھ اور ایسا پاک رکھ جو پاک رکھنے کا حق ہے

اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی دعا کے جواب میں قدرت نے فرشتوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

یاملائکتی و سکان سماواتی، انی ما خلقت سماء مبنیۃ ولا ارضا مدحیۃ ولا قمرا منیرا ولا شمسا مضیئۃ ولا فلکا یدور ولا بحرا یجری ولا فلکا یسری، الا فی محبۃ ھٰؤلاء الخمسۃ الذین ھم تحت الکساء۔

(اے میرے فرشتو! اے میرے آسمان کے رہنے والو، میں نے جو آسمان کی چھت، اور زمین کا فرش، روشن چاند، چمکتا ہوا سورج، گردش کرتے ہوئے فلک، جاری سمندر اور چلنے والی کشتیوں کو پیدا کیا ہے وہ ان ہی پانچ ہستیوں کی محبت میں، جو کساء کے نیچے (جمع ہیں)

اور یہ وہی قرابت داران پیغمبر ہیں، جن کی محبت و مودت لازم ہے، اور جسے پروردگارِ عالم نے اجرِ رسالت قرار دیا ہے۔

جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے:

قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ

(اے رسولؐ۔ کہہ دیجئے کہ میں اس (تبلیغِ رسالت) کا، تم لوگوں سے کوئی صلہ نہیں مانگتا سوا اس کے کہ میرے قرابت داروں سے محبت (کرو)۔

(سورہ شوریٰ آیت ۲۳)

یہی وجہ ہے کہ تمام اسلامی فرقوں نے عظمت وفضیلتِ اہلبیتؑ کا اقرار کیا ہے (سوائے خارجی اور ناصبی لوگوں کے) جنھوں نے ان خاصانِ خدا سے عداوت کو اپنا شعار بنا رکھا ہے)۔ اُن کے علاوہ جتنے مکاتیبِ فکر ہیں ان کے بزرگان نے بھی خاندانِ رسالت سے وابستگی کو اپنی زندگی کی سعادت سمجھا۔

یہاں تک کہ وہ لوگ جو خاندانِ اہلبیتؑ سے برسرِ پیکار رہے، انہوں نے بھی اہلبیت طاہرینؑ کی عظمت وجلالت کا اعتراف کیا، خاص طور سے حضرت امام جعفر صادقؑ اور اُن کے پدرِ بزرگوار حضرتِ امام محمد باقر علیہ السلام کے دور میں علوم کی جو نشر واشاعت ہوئی، اس کا اعتراف انہوں نے بھی کیا ہے اور غیروں نے بھی۔ چنانچہ مورخین نے لکھا ہے کہ ۱۰۸ھ ہجری میں (جب امام جعفرِ صادق علیہ السلام کی عمرِ مبارک تقریباً ۱۰ سال تھی)،

اُموی بادشاہ ولید بن عبد الملک۔ روم کے شہنشاہوں کی طرح۔ تزک واحتشام کے ساتھ، دمشق سے روانہ ہوا، اور مختلف شہروں میں قیام کے بعد مدینہ منورہ پہونچا۔

اُس وقت عمر بن عبد العزیز، مدینہ منورہ کا گورنر تھا جس نے مدینہ سے 50 فرسخ (تقریباً 275 کلومیٹر) دور جا کر حاکم وقت کا استقبال کیا، اور اُس کی رہائش کیلئے بہترین جگہ پر بندوبست کیا۔

ولید بن عبد الملک مدینہ منورہ پہونچا تو شہر میں اعلان کیا گیا کہ بادشاہ وقت اگلے روز عمائدینِ شہر سے ملاقات کے خواہشمند ہیں۔

مدینہ منورہ کے گورنر۔ عمر بن عبد العزیز۔ کو یہ بات اچھی طرح معلوم تھی، کہ (امام وقت) حضرت محمد باقرؑ حاکم وقت سے ملاقات کرنے نہیں جائیں گے بلکہ اگر ان سے اس سلسلہ میں کوئی گذارش بھی کی جائے، تو انھیں ناگوار گذرے گا۔

لیکن اُسے یہ بات بھی اچھی طرح معلوم تھی کہ اگر اُس نے حاکم وقت کی۔ امامؑ

سے ملاقات کا بندوبست نہ کیا تو اس کو گورنری کے عہدہ سے برخواست کردیا جائیگا
چنانچہ وہ امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا' اور دریافت کیا کہ:
"کیا آپ کل، حاکم وقت سے ملاقات فرما سکتے ہیں؟
امام نے نفی میں جواب دیا۔
چونکہ عمر بن عبد العزیز کو معلوم تھا کہ امام علیہ السلام کو حاکم وقت کے پاس جانا پسند نہیں ہے' اس لئے اس نے کوئی سوال نہ کیا۔
البتہ یہ گذارش کی:
"اے فرزند رسولؐ — اس شہر کے تمام لوگ آپ سے ایسی عقیدت رکھتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں، یہ پورا شہر آپ کا ہے' آپ ہی اس شہر کے مالک ہیں' گویا آپ صاحب خانہ ہیں' جس میں ایک مہمان وارد ہوا ہے' اگر وہ مسلمان نہ بھی ہو، تو بھی آپ حضرات تو اپنے مہمانوں کی بہترین پذیرائی کرتے ہیں:
امام علیہ السلام نے فرمایا کہ:
"یہاں صورت حال مختلف ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ کوئی مہمان میرے گھر آرہا ہے جس کی مجھے پذیرائی کرنی چاہیئے' بلکہ حاکم وقت کی حیثیت سے اس شہر میں وارد ہو رہا ہے' اور جب حاکم وقت 'اپنی سلطنت کے زیر نگیں شہروں میں سے کسی شہر میں جاتا ہے تو وہ مہمان نہیں ہوتا بلکہ وہ صاحب خانہ' اور گھر کا مالک سمجھا جاتا ہے۔

عمر بن عبد العزیز — جو امام علیہ السلام کے مزاج سے بھی واقف ہے' اور دوسری طرف وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ کوئی ایسی سبیل نکل آئے کہ وہ گورنری کے عہدے سے معزول ہونے سے بچ جائے' کہنے لگا:

میں جانتا ہوں کہ آپ اُس سے ملنے سے گریز کیوں فرما رہے ہیں؟۔
آپ کو معلوم ہے کہ، اگر آپ کی ولید سے ملاقات ہو جائے، تو بہت سے ناپختہ ذہنوں میں یہ خیال آسکتا ہے کہ گویا آپ نے اُس کی حمایت کر دی۔!؟

امام علیہ السلام نے اُس کے خیال کی تائید فرمائی۔

عمر بن عبدالعزیز نے گذارش کی۔

"فرزندِ رسولؐ — آپ کے اجداد میں سے ایک بزرگ (حضرت امام حسن مجتبیٰؑ) نے مسلمانوں کی مصلحت کے پیشِ نظر ایک اموی حکمران سے صلح فرمائی تھی۔ جس کا یہ ہرگز مطلب نہیں ہے کہ انہوں نے اس کی حمایت کی ہو! اگر اسی طرح آپ کی بھی حاکمِ وقت سے ملاقات ہو جائے تو لوگوں کو اس کا یہ مطلب ہرگز نہ سمجھنا چاہیئے کہ آپ نے اسکی حمایت کر دی۔

امامؑ نے فرمایا کہ: پھر بھی مجھے پسند نہیں ہے کہ اس سے ملاقات کروں۔

عمر بن عبدالعزیز کو اپنی معزولی کا خطرہ صاف نظر آرہا تھا، اور وہ پوری کوشش کر رہا تھا کہ کسی طرح اس بات کا امکان پیدا کرے کہ امام علیہ السلام، اور حاکمِ وقت کی ملاقات ہو جائے کیونکہ امام علیہ السلام اس قدر بلند مرتبے پر فائز ہیں کہ اگر پورے شہر میں حاکم کی کسی سے ملاقات نہ ہو، صرف امامؑ سے ہو جائے تو گویا پورے اہلِ مدینہ سے ملاقات ہو گئی — جبکہ اگر پورا شہر حاکم سے ملاقات کرے، صرف امام سے ملاقات نہ ہوئی تو گویا شہرِ مدینہ اس کی کسی سے ملاقات ہوئی ہی نہیں۔ حنہ

چنانچہ گورنرِ مدینہ نے انتہائی عاجزی کے ساتھ امام سے درخواست کی "اے فرزندِ رسولؐ کیا آپ کے علم میں ہے کہ اگر حاکم سے آپ کی ملاقات نہ ہوئی تو میں کتنی بڑی مصیبت میں مبتلا ہو جاؤں گا۔؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: "تم کس مصیبت میں مبتلا ہو جاؤ گے؟
گورنر نے کہا: — ولید کو اچھی طرح معلوم ہے کہ میں آپ، اور آپ کے

اہلِ خاندان سے خاص عقیدت رکھتا ہوں۔

اسی کے ساتھ میں آپ سے یہ بھی عرض کر دوں کہ :

امیرِ شام "نے جاسوسی کے جس نظام کی بنیاد رکھی تھی وہ آج بھی سرگرمِ عمل ہے اور اموی حکمراں اپنے اُس نظام کو متحرک رکھتے ہیں' اور اُس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

حاکمِ وقت کی طرف سے جاسوسی پر جو لوگ مامور ہیں' وہ اُسے اچھی طرح بتا چکے ہیں کہ میں آپ سے خاص عقیدت رکھتا ہوں۔

اب اگر آپ کی اس سے ملاقات نہ ہو سکی' تو وہ یہی سمجھے گا کہ چونکہ میں آپ کے' اور آپ کے اہلِ خاندان سے عقیدت رکھتا ہوں اس لئے آپ نے اسے در خورِ اعتنا نہیں سمجھا اور پھر یہ شخص مجھ سے اس قدر بدگمان ہو جائے گا کہ مجھے اس عہدہ سے معزول کر کے رہے گا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا کہ...

"میں اُس سے ملنا نہیں چاہتا۔ لیکن اگر میرے نہ ملنے سے' تم پر کوئی آفت نازل ہو سکتی ہے تو (میں تمہیں مصیبت سے بچانے کے لئے) اُس سے ملاقات پر آمادہ ہوں۔

گورنر۔ امام علیہ السلام کے جواب سے بہت خوش ہوا' اور دریافت کیا :

"کیا میں حاکمِ وقت کو آپ کی آمد کی اطلاع دے دوں۔ ؟

امام علیہ السلام نے اجازت دے دی۔

❁

اگلے روز' امامِ وقت کے استقبال کیلئے' حاکمِ وقت اُٹھا' اور اُس نے امام کی' اپنے برابر میں نشست رکھی' اس طرح کہ دیکھنے والوں کو یہ محسوس ہو کہ دونوں مسند نشین ہیں۔

اور اگرچہ اس دور کے حکمران، خاندانِ رسالت کے افراد سے عقیدت نہیں رکھتے تھے (بلکہ دل میں سخت ترین عداوت رکھتے تھے) لیکن ظاہر یہ کرتے تھے گویا صاحبانِ علم و دانش کے قدردان ہیں۔

اس زمانہ میں مسجدِ نبویؐ کی توسیع کا کام جاری تھا، اور حاکم وقت کے مدینہ آنے کی بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ اس کام کی پیشرفت دیکھنا چاہتا تھا۔

جب وہ مسجدِ نبویؐ میں داخل ہوا تو حضرت امام محمد باقر علیہ السلام، روزانہ کی طرح لوگوں کو درس دینے میں مصروف تھے، امام جعفر صادقؑ بھی آپ کے پاس ہی بیٹھے تھے اور لوگوں کی بہت بڑی تعداد اس درس میں حاضر تھی گویا مسجد تشنگانِ علم سے چھلک رہی تھی۔

حاکم وقت کو یہ منظر بہت اچھا لگا، اور اس نے امام علیہ السلام سے درخواست کی کہ آپ اپنے سلسلۂ درس کو جاری رکھیں۔

اُس وقت امام علیہ السلام لوگوں کو جغرافیہ اور علم ہیئت کے مطالب سے روشناس کرا رہے تھے۔

حاکم وقت، ان باتوں سے بالکل بے خبر تھا، پوری توجہ سے امامؑ کے درس کو سنتا رہا، مگر اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

اپنی حیرت کو چھپا بھی نہیں سکا۔ امام علیہ السلام سے پوچھنے لگا:

"آپ ان لوگوں کس چیز کی تعلیم دے رہے ہیں۔؟

امامؑ نے فرمایا کہ:۔ جغرافیہ اور علم ہیئت کی۔

اُس نے پوچھا: "یہ کیا چیزیں ہیں؟ ان میں کیا سمجھایا جاتا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا کہ:۔ (علم جغرافیہ میں) زمین سے متعلق گفتگو کی جاتی ہے) اور (علم ہیئت میں) آسمانی ستاروں (وغیرہ) کے بارے میں بحث

کی جاتی ہے۔

حاکم کی نگاہ حضرت امام جعفر صادقؑ پر پڑی، جو اس وقت کمسن تھے، اور اسے نہیں معلوم تھا کہ یہ کون صاحب ہیں)۔ کہنے لگا کہ:

یہ نوجوان یہاں کیا کر رہے ہیں؟

گورنر نے حاکم کو بتایا کہ:۔ یہ امام محمد باقر علیہ السلام کے فرزند ہیں، اپنے والدِ ماجد کی مجلسِ درس میں تشریف فرما ہیں۔

حاکم کو تعجب ہوا کہ ایک نونہال اور اس قدر عظیم علمی مطالب!؟۔

گورنر نے کہا کہ:۔ امام محمد باقر علیہ السلام کی مجلسِ درس میں بیٹھنے والوں میں سب سے بلند مرتبہ انسان یہی ہیں۔

ولید نے حیرت کے ساتھ یہ بات سنی اور کہنے لگا کہ:

"اتنا عظیم درس، اور یہ کمسنی؟۔ میں تو محوِ حیرت ہوں۔

گورنر نے کہا:

"آپ ان سے کچھ گفتگو کریں۔

حاکم نے امام جعفر صادقؑ سے پوچھا: آپ کا نام۔؟

فرمایا:۔ "جعفر۔"

پوچھا:۔ یہ تو بتایئے "صاحب المنطق" کس کا لقب ہے۔؟

فرمایا:۔ "ارسطو"۔ جس کے شاگردوں نے اُسے یہ لقب دیا اور پھر اس لقب کو اتنی شہرت ملی کہ ہر طرف اس کا چرچہ ہو گیا۔

حاکم نے پوچھا:۔ یہ بتایئے "صاحب المعز" کون ہے؟"

فرمایا:۔ "یہ کسی شخص کا نام نہیں ہے، بلکہ ستاروں کا ایک جھرمٹ ہے جسے "ممسک الاعنہ" بھی کہا جاتا ہے۔

حاکم ان جوابات کو سُن کر مزید حیرت و تعجب کے سمندر میں غرق ہو رہا تھا، کہنے لگا:

"یہ بتایئے: "صاحب السواک" کس کا لقب ہے؟

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ:

"صحابیِ رسولؐ جناب عبداللہ بن مسعود کو "صاحب السواک" کہا جاتا ہے، جو حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعض خدمات کی انجام دہی پر مامور تھے۔

امام جعفر صادقؑ کے جوابات سُن کر حاکمِ وقت نے کئی بار کہا:

"مرحبا۔ مرحبا۔

پھر امام محمد باقر علیہ السلام سے خطاب کر کے عرض کیا۔

آپ کے یہ فرزند، تو دنیا کے بلند ترین دانشمندوں میں سے ہیں۔

(ملاحظہ فرمایئے:

مغز متفکر جہانِ تشیع، صفحہ ۴۷، ۴۹)

منصبِ امامت

خداوندِ عالم نے جناب ابراہیم علیہ السلام کا جب متعدد باتوں سے امتحان لیا' اور وہ ہر امتحان میں پورے اترے تو خداوندِ عالم نے اعلان فرمایا کہ ہم تمہیں تمام بنی نوعِ انسان کا امام بنانے والے ہیں۔

جیسا کہ سورۂ مبارکہ' البقرہ' میں ارشاد ہوا:

وَ اِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا.

اور جب ابراہیم کا اُن کے پروردگار نے کئی باتوں میں امتحان لیا' اور انہوں نے سب باتیں پوری کر دیں تو فرمایا کہ "میں تمہیں تمام لوگوں کا امام قرار دینے والا ہوں)

(سورۃ البقرہ آیت ۱۲۴)

اس آیت کے سلسلہ میں قاسم بن مسلم نے اپنے بھائی عبدالعزیز بن مسلم سے روایت کی ہے کہ:

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ:

"پروردگارِ عالم نے نبوت اور خلت کے بعد، حضرت ابراہیم کو ایک تیسرا (عظیم الشان) مرتبہ عطا فرمایا' اور ایک ایسی فضیلت سے اُن کو سرفراز کیا جس کو "اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا" جیسے الفاظ سے یاد کیا جسے سُن کر خلیلِ خدا کو مسرت ہوئی اور بارگاہِ معبود میں درخواست کی:

وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ — (کیا میری نسل میں سے بھی کسی کو امام بنائے گا)

جس کے جواب میں خداوندِ عالم نے فرمایا کہ :

لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِيْنَ (میرا عہد ظالموں تک نہیں پہنچے گا)

اور اس فقرے نے یہ بات واضح کر دی کہ اب روزِ قیامت تک یہ عہدۂ امامت کسی ایسے شخص کو نہیں ملے گا جس کے دامن پر ظلم کا دھبّہ ہو :

اور اسی فقرے سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ اولادِ ابراہیمؑ میں جو منتخب حضرات ہونگے، جن کو الٰہی انتخاب نصیب ہو گا، وہی اس منصب پر فائز ہونگے۔

پھر خداوندِ عالم نے حضرت ابراہیمؑ کو اس شرف سے بھی نوازا کہ اُن کی اولاد میں منتخب (روزگار) اور پاکیزہ ہستیاں قرار دیں، جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے :

وَوَهَبْنَا لَهٗ اِسْحَاقَ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً وَكُلًّا جَعَلْنَا صَالِحِيْنَ وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً يَهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوْا لَنَا عَابِدِيْنَ۔

(اور ہم نے اُن کو اسحاق (جیسی اولاد) عطا کی، اور مزید براں یعقوبؑ (جیسا پوتا) دیا، اور ان سب کو نیکوکار بنایا۔

اور ہم نے ان کو امام بنایا، جو ہمارے حکم کے مطابق ہدایت کرتے ہیں اور ان کی جانب نیک اعمال انجام دینے، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کیلئے وحی بھیجی، اور وہ سب ہمارے عبادت گذار بندے تھے۔

(سورۂ انبیاء : ۷۲-۷۳)

یہ عہدہ مسلسل جناب ابراہیمؑ کی نسل میں رہا۔ ایک کے بعد دوسرا اُس کا

حقدار بنتا رہا۔

یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے ورثہ دار قرار پائے۔ جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے:

إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ۔

سب لوگوں سے زیادہ (حضرت) ابراہیمؑ سے نزدیک وہ لوگ ہیں جو اُن کا اتباع کرتے رہے۔ اور یہ نبی (حضرت محمد مصطفےٰؐ) اور جو لوگ ایمان لائے۔ اور اللہ ہی صاحبانِ ایمان کا سرپرست ہے)

(سورۂ آلِ عمران آیت ۶۸)

اور یہ خصوصی منصب جو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کیا گیا تھا آپ نے خداوندِ عالم کے حکم کے مطابق امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے سپرد فرمایا۔

انکے بعد عترت و ذریتِ رسولؐ میں وہ اصفیائے کرام) آئے جنھیں خداوندِ عالم نے علم و ایمان کی (اعلیٰ) منزلت پر فائز کیا ہے۔

ارشادِ قدرت ہے:

وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَالْإِيمَانَ ... (اُن لوگوں نے کہا جنھیں علم و ایمان عطا کیا گیا تھا۔

(سورۂ مبارکہ روم: ۵۶)

امام علی رضاؑ نے مزید فرمایا) امامت انبیاء کی منزلت اور اوصیاء کی میراث ہے، امامت

خدا و رسولؐ کی جانشینی ہے۔ امیر المومنین (علیؑ ابن ابیطالبؑ) اور امام حسنؑ و حسینؑ کا عہدہ ہے۔

امامت دین کی مہار ہے۔ مسلمانوں کے نظم وضبط (کا ذریعہ) ہے "اہل ایمان کی عزت اور اُن کے دنیا (وی اُمور) کی اصلاح اسی سے وابستہ ہے۔

امامت اسلام کی نمو پذیر بنیاد' اور اُبھرتی ہوئی شاخ ہے۔

امام ہی کے ذریعہ نماز' زکواۃ روزہ حج اور جہاد کی تکمیل ہوتی ہے۔

اسی کے ذریعے فَے اور صدقات کی نمود اجرائے احکام و حدود ہوتی ہے اور اطراف (واکناف کی) حدوں کی حفاظت کا فریضہ انجام دیا جاتا ہے)

امام۔ اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حلال اور اُس کے محرمات کا حرام قرار دیتا ہے۔ اللہ کی حدود کو قائم رکھتا ہے' دینِ خدا (کی حمایت اور دشمنوں سے اس) کا دفاع کرتا ہے۔ اللہ کے راستے کی طرف لوگوں کو حکمت و دانائی' اچھی نصیحت' اور بلیغ حجت کے ساتھ بلاتا ہے۔

امام ایسا ہے جیسے ساری دنیا کیلئے چمکنے والا سورج۔

امام ــ بدرِ منیر' روشن چراغ' نور ساطع' گھٹا ٹوپ اندھیرے اور سنسان بیابانوں اور سمندروں کے تھپیڑوں کے درمیان بھی ــ ستارے کی طرح رہنمائی کرنے والا ہے۔

امام شدتِ عطش میں میٹھا اور خوشگوار پانی' ہدایت کی طرف رہنمائی کرنے والا' ہلاکت سے بچانے والا' اور تباہی سے محفوظ رکھنے والا رہتا ہے' جو اُسے چھوڑے گا' ہلاکت کی طرف جائے گا۔

امام ــ (گویا) برستا ہوا بادل ہے (یا) موسلا دھار بارش (جو زمینوں کو سیراب کرتی ہے)

امام ــ روشنی دینے والا آفتاب ہے' اور وہ آسمان ہے جو تم پر سایہ فگن

رہتا ہے...

امام ۔ امانت دار دوست اور مہربان بھائی (کے مانند) ہے۔

امام ۔ زمین پر اللہ کی حجت اور اُس کا امین ہے ۔ اسکی زمین پر نائب خدا ہے، اللہ کی طرف دعوت دینے والا ہے ۔ حرم الٰہی کا دفاع کرنے والا ہے۔

امام ۔ ہر گناہ سے پاک، ہر عیب سے منزہ، علم سے مخصوص اور حلم سے موسوم ہوتا ہے۔

اس کے ذریعہ سے دین کا نظم و ضبط اور مسلمانوں کی عزت ہے اور کفار و منافقین (کی اس کے ہاتھوں) بربادی ہے۔

امام ۔ اپنے دور میں گوہر یگانہ ہوتا ہے، کوئی اُس کے قریب نہیں، کوئی صاحب علم اُس کا ہمسر نہیں، نہ اُس کا کوئی بدل ہے نہ اُس کا کوئی مثل ہے نہ نظیر۔

اُس کی طلب کے بغیر ہی خداوند عالم ہر فضل سے سرفراز کرتا ہے، اُسے اس کیلئے کوشش نہیں کرنی پڑتی، بلکہ یہ مخصوص لطف کرم پروردگار ہے۔

کون امام کی پوری معرفت حاصل کر سکتا ہے اور کس کے اختیار میں (یہ بات) ہے؟

حوالہ کیلئے ملاحظہ فرمایئے
اکمال الدین، شیخ صدوق علیہ الرحمہ
معانی الاخبار، " "
عیون اخبار الرضا اور امالی صدوق، بحار الانوار ۲۵/۱۲۰

جناب جابر بن عبداللہ انصاری علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت رسول خدا سے عرض کیا کہ " میں خدا اور رسول کو پہچانتا ہوں، لیکن وہ صاحبان امر (اولی الامر) کون ہیں جنکی

اطاعت کا حکم دیا گیا ہے

حضورِ اکرمؐ نے فرمایا:

هُمْ خُلَفَائِیْ وَاَئِمَّةُ الْمُسْلِمِیْنَ اَوَّلُهُمْ عَلِیٌّ (وہ میرے جانشین اور مسلمانوں کے امامؑ جن میں سب سے پہلے علیؑ ہیں) اُن کے بعد حسنؑ، پھر حسینؑ، پھر علی بن الحسینؑ (زین العابدینؑ) ان کے بعد ان کے بیٹے محمدؑ بن علیؑ — جو توریت میں باقرؑ کے نام سے مشہور ہیں، اور تمھاری اُن سے ملاقات بھی ہوگی، تو جب اُن سے ملو تو میری طرف سے اُن کو سلام کہہ دینا۔

اس کے بعد آنحضرتؐ نے ایک ایک امامؑ کا نام لیا، یہاں تک کہ قائمؑ آلِ محمدؑ امام زمانہ (حضرت امام مہدی علیہ السلام) کا ذکر فرمایا، اور یہ بھی بتایا کہ وہ پردۂ غیب میں عرصہ دراز تک رہیں گے اور ان کی غیبت اتنی طویل ہوگی کہ سوائے اُن مومنین کے جن کے دلوں کا پروردگار عالم نے ایمان کیلئے امتحان لے لیا ہے، کوئی بھی اُسے تسلیم نہ کرے گا۔

(ملاحظہ فرمائیے، تفسیر کبیر منہج الصادقین جلد ۳ صفحہ ۴۰)

قرآنِ مجید میں ان ہادیانِ برحق کا ذکر کبھی ہادی کے لفظ سے ہوا ہے، کبھی وارثِ کتاب کے عنوان سے، کبھی خلیفۃ اللہ کہا گیا ہے اور کبھی امام۔ اور یہ وضاحت بھی کردی گئی کہ ہم قیامت میں ہر شخص کو اُس کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔

سرکارِ ختمی مرتبت احمدِ مجتبیٰ محمدِ مصطفیٰؐ نے اپنے برحق جانشینوں اور امت کے ہادیانِ برحق کا تذکرہ بار بار فرمایا ہے جسے فریقین کے جلیل القدر علمائے کرام نے اپنی اپنی کتابوں میں معتبر اسناد کے ساتھ، نہایت تفصیل سے درج کیا ہے۔

اس سلسلہ میں ابن شاذان نے برادرانِ اہلسنّت کے قابلِ اعتماد مصادر کے حوالے سے حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے فضائل و مناقب میں ایک سو حدیثیں نقل کی ہیں جن سے ہم تیمناً و تبرکاً ایک حدیث کو یہاں نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں:

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ:

حَدَّثَنِیْ جَبْرَئِیْلُ عَنْ رَبِّ الْعِزَّۃِ جَلَّ جَلَالُہٗ اَنَّہٗ قَالَ:

مَنْ عَلِمَ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا وَحْدِیْ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدِیْ وَرَسُوْلِیْ وَاَنَّ عَلِیَّ بْنَ اَبِیْ طَالِبٍ خَلِیْفَتِیْ وَاَنَّ الْاَئِمَّۃَ مِنْ وُلْدِہٖ حُجَجِیْ اَدْخَلْتُہُ الْجَنَّۃَ بِرَحْمَتِیْ وَنَجَّیْتُہٗ مِنَ النَّارِ بِعَفْوِیْ وَاَبَحْتُ لَہٗ جِوَارِیْ وَاَوْجَبْتُ لَہٗ کَرَامَتِیْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْہِ نِعْمَتِیْ وَجَعَلْتُہٗ مِنْ خَاصَّتِیْ وَخَالِصَتِیْ اِنْ نَادَانِیْ لَبَّیْتُہٗ وَاِنْ دَعَانِیْ اَجَبْتُہٗ وَاِنْ سَاَلَنِیْ اَعْطَیْتُہٗ وَاِنْ سَکَتَ اِبْتَدَاْتُہٗ وَاِنْ اَسَاءَ رَحِمْتُہٗ وَاِنْ فَرَّ مِنِّیْ دَعَوْتُہٗ وَاِنْ رَجَعَ اِلَیَّ قَبِلْتُہٗ وَاِنْ قَرَعَ بَابِیْ فَتَحْتُہٗ۔

وَمَنْ لَمْ یَشْھَدْ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا وَحْدِیْ، اَوْ شَھِدَ بِذٰلِکَ وَلَمْ یَشْھَدْ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدِیْ وَرَسُوْلِیْ، اَوْ شَھِدَ بِذٰلِکَ وَلَمْ یَشْھَدْ اَنَّ عَلِیَّ بْنَ اَبِیْ طَالِبٍ خَلِیْفَتِیْ، اَوْ شَھِدَ بِذٰلِکَ وَلَمْ یَشْھَدْ اَنَّ الْاَئِمَّۃَ مِنْ وُلْدِہٖ حُجَجِیْ فَقَدْ جَحَدَ نِعْمَتِیْ وَصَغَّرَ عَظَمَتِیْ وَکَفَرَ بِآیَاتِیْ وَکُتُبِیْ وَرُسُلِیْ...

حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مجھ سے جبرئیلِ امین نے بیان کیا کہ خداوندِ عالم ارشاد فرماتا ہے:

جو اس بات کا علم و یقین رکھے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں تنہا ہوں،

محمدؐ میرے بندے اور رسول ہیں، علیؑ بن ابی طالبؑ خلیفۃ اللہ ہیں، اور اور اُن کی اولاد میں ائمہ (طاہرینؑ) حجتِ خدا ہیں — تو میں (ایسے لوگوں کو) اپنی رحمت سے، جنت میں داخل کروں گا، اور اپنے عفو (وکرم) کے ذریعہ انھیں آتشِ جہنم سے نجات عطا کروں گا، انھیں اپنے جوار (قدس) میں جگہ اور خالص بندہ) قرار دوں گا۔ اگر وہ مجھے پکاریں گے تو لبیک کہوں گا، مجھ سے دُعا مانگیں گے تو قبول کروں گا، اگر مجھ سے سوال کریں گے تو عطا کروں گا اور اگر خاموش رہیں تو اپنی طرف سے ابتداء کروں گا، اگر اُن سے کوتاہی ہو جائے تو اُن پر رحم کروں گا، اگر وہ مجھ سے دور ہوں تو انھیں دعوت دوں گا، اگر واپس آئیں تو قبول کروں گا، اور اگر میرا دروازہ کھٹکھٹائیں تو (میں اُن کے لئے دروازہ) کھول دوں گا۔

اور جو شخص یہ گواہی نہ دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں تنہا ہوں۔

یا اس بات کی گواہی تو دے مگر یہ نہ تسلیم کرے کہ محمدؐ میرے بندے اور رسول ہیں۔

یا یہ کہ اس بات کو تسلیم کرے لیکن یہ نہ مانے کہ علیؑ بن ابی طالب علیہ السلام خلیفۃ اللہ ہیں۔

یا یہ کہ اس کو بھی مان لے لیکن اس بات کی گواہی نہ دے کہ انکی اولاد میں ائمہ (طاہرینؑ) حجتِ خدا ہیں — تو درحقیقت ایسے شخص نے میری نعمت کا انکار کیا، میری عظمت معمولی سمجھی، اور میری نشانیوں، میری کتابوں اور میرے پیغمبروں کا انکار کیا (اُن کی بات ماننے سے انکار کیا)

یہ سن کر جناب جابر بن عبد اللہ انصاریؓ کھڑے ہوئے اور دریافت کیا:

"اے خدا کے رسولؐ - اولادِ امیرالمومنین علیؑ بن ابی طالب علیہ السلام میں سے، ہادیانِ برحق اور ائمہ ہدیٰ کون لوگ ہوں گے؟

قَالَ: اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ ثُمَّ سَیِّدُ الْعَابِدِیْنَ فِیْ زَمَانِہٖ عَلِیُّ بْنُ الْحُسَیْنِ، ثُمَّ الْبَاقِرُ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِیٍّ - سَتُدْرِکُہٗ یَا جَابِرُ، فَاِذَا اَدْرَکْتَہٗ فَاَقْرَاْہُ مِنِّی السَّلَامَ - ثُمَّ الصَّادِقُ جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ ...

(فرمایا کہ: حسنؑ اور حسینؑ جو جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔
پھر اپنے زمانہ کے سیدُ(الساجدین) زینُ العابدینؑ علی بن الحسینؑ۔
ان کے بعد محمد بن علی (جن کا لقب) باقر ہے۔ اے جابرؓ تم ان سے ملو گے، تو جب ملاقات ہو تو میری طرف سے اُن کو سلام کہہ دینا۔
اور اُن کے بعد (اُن کے فرزند) جعفر بن محمدؑ (جن کا لقب) صادق ہے، امام ہونگے

(ملاحظہ فرمایئے: کتاب غایۃ المرام صفحہ ۲۵۲)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے جلیل القدر صحابی جناب محمد بن مسلم کا بیان ہے کہ:
"میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپؑ کے فرزندِ گرامی حضرت (امام) جعفر صادقؑ تشریف لائے، تو امام علیہ السلام نے انھیں انتہائی شفقت کے ساتھ سینے سے لگایا...
پھر مجھے مخاطب کر کے فرمایا:
اے محمد (بن مسلم) میرے بعد یہی تم لوگوں کے امام ہونگے، ان ہی کی اقتدا کرنا اور ان کے علم سے کسبِ فیض کرنا کیونکہ یہ وہ صادقؑ (آلِ محمدؐ) ہیں، جن کی توصیف

خدا کے رسول (حضرت محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمائی ہے۔ کہ ان کے شیعہ دنیا و آخرت میں نصرت (الٰہی) سے سرشار ہوں گے، اور اُن کے دشمنوں پر ہر نبی کی زبان سے لعنت کی گئی ہے۔

یہ سُن کر (حضرت) جعفر صادقؑ (خوشی سے) ہنسنے لگے اور (فرطِ مسرت سے) انکے چہرے پر خوشی دوڑ گئی۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے اس موقع پر مجھ سے فرمایا کہ:

"اِن سے (کچھ) پوچھو۔۔!"

میں نے عرض کیا، فرزندِ رسولؐ ۔۔ یہ فرمایئے ہنسی کہاں سے آتی ہے؟۔

تو امام علیہ السلام نے دل، گردے، پھیپھڑے، اور مختلف اعضائے بدن کے بارے میں تفصیل سے بتایا کہ ان میں عقل و دانش کا سرچشمہ کیا ہے، رنج و غم کا تعلق کس سے ہے۔ انسان سانس کیسے لیتا ہے اور ہنسی کا تعلق کس عضوِ بدن سے ہے...

محمد بن مسلم کہتے ہیں کہ یہ تفصیلات سُن کر میں اٹھا اور امامؑ کے سرِ اقدس کا بوسہ لیا۔

(ملاحظہ فرمایئے:
• کفایت الاثر" صفحہ ۳۲۱
• بحار الانوار ۷/۱۵۱)

یہاں واثلہ بن الاسقع بن قرخاب کی اس روایت کا بھی تذکرہ نامناسب نہ ہوگا، جو انہوں نے جناب جابر بن عبداللہ انصاری سے نقل کی ہے۔

وہ بیان کرتے ہیں کہ:

جندل بن جنادہ بن جبیر نامی یہودی خدا کے رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کیا: یَا مُحَمَّد اَخبِرنِی عَمَّا لَیسَ لِلّٰہِ، وَعَمَّا لَیسَ عِندَ اللّٰہِ، وَعَمَّا لَا یَعلَمُہُ اللّٰہُ؟ (اے محمد مصطفیٰؐ) بتایئے وہ کیا چیز ہے جو خدا کیلئے نہیں ہے

وہ کیا چیز ہے جو خدا کے پاس نہیں ہے، اور وہ کیا چیز ہے جو خدا کے علم میں نہیں ہے؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وہ چیز جو خدا کے لئے نہیں ہے وہ شریک ہے! (کہ اس کے لئے کسی شریک کا امکان ہی نہیں ہے)

اور وہ چیز جو خدا کے پاس نہیں ہے، وہ بندوں پر ظلم ہے (کہ خدا کے پاس یہ چیز نہیں ہے، وہ کبھی بھی بندوں پر ظلم نہیں کر سکتا)

اور وہ چیز جو خدا کے علم میں نہیں ہے وہ "اس کی اولاد" ہے ۔ تم لوگ کہتے ہو کہ عزیر خدا کے بیٹے ہیں، لیکن خدا کے علم میں تو اس کا کوئی فرزند ہے ہی نہیں (نہ وہ کسی کا بیٹا ہے نہ اس کا کوئی بیٹا ہے)۔ وہ کسی کو بھی اپنا بیٹا نہیں جانتا، بلکہ یہ جانتا ہے سب اس کی مخلوق ہیں، اس کے بندے ہیں۔

یہ سن کر اس یہودی نے دین اسلام قبول کر لیا، کہنے لگا:

اشھد ان لا الہ الا اللہ و انک رسول اللہ حقا و صدقا۔

(میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور حق اور سچ بات یہ ہے کہ آپ خدا کے رسول ہیں)

۷۰

اس کے بعد جندل بن جنادہ نے حضور اکرم کو بتایا کہ:

گذشتہ شب حضرت موسیٰ علیہ السلام، میرے پاس خواب میں تشریف لائے تھے اور انہوں نے فرمایا تھا کہ:

"اے جندل! حضرت محمد مصطفےٰ (ص) جو خاتم الانبیاء ہیں، ان کے ہاتھوں پر اسلام لاؤ ۔۔۔ اور ان کے بعد ان کے اوصیاء کے دامن سے وابستہ رہنا۔

میں نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ میں اسلام قبول کر لوں گا ۔۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے

آپ کے ذریعہ سے میری ہدایت فرمائی۔ اور میں نے دین اسلام قبول کرلیا۔

۶۹

اے خدا کے رسولؐ! — مجھے یہ بتائیے کہ آپ کے بعد آپؐ کے اوصیاء کون ہونگے؟ تاکہ میں اُن کے دامن سے وابستہ رہوں۔

حضورِ اکرمؐ نے فرمایا:

اوصیائی الاثنا عشر (میرے اوصیاء (کی تعداد) بارہ۱۲ ہے۔

جندل نے کہا کہ: ہم نے توریت میں بھی یہی پڑھا ہے' اے خدا کے رسولؐ مجھے اُن لوگوں کے نام بتا دیجئے۔

حضورِ اکرمؐ نے فرمایا۔

اولھم سیّد الاوصیاء ابوالائمۃ علیؑ، ثمّ ابناہ الحسنؑ والحسینؑ —

(اُن میں سب سے پہلے تو سیّد الاوصیاء اور ابوالائمہ علیؑ (بن ابی طالب) ہیں' پھر اُن کے دونوں بیٹے حسنؑ وحسینؑ (امام ہوں گے)

تم اُن کے دامن سے وابستہ رہنا' (خبردار) جاہلوں کی جہالت تمہیں راہ حق سے نہ ہٹا دے!

(یاد رکھو) جب (میرے نواسے حسینؑ کے) بیٹے علی بن الحسینؑ (زین العابدینؑ) پیدا ہوں گے' اس کے بعد تمہاری وفات کا وقت نزدیک آجائے گا اور لبن کا ایک پیالہ اس دنیاوی زندگی کی تمہاری آخری غذا ہوگی۔

جندل نے عرض کیا کہ ہم نے توریت اور انبیاء کی کتب میں تو آپؐ کے اوصیاء کے نام ایلیا، شبّر و شبیّر پڑھے ہیں —

یعنی — علیؑ، حسنؑ اور حسینؑ — یہ فرمائیے' حسینؑ کے بعد کون کون امام ہونگے' اور اُن کے نام کیا ہیں —؟

آنحضرتؐ نے فرمایا:- جب حسینؑ دُنیا سے تشریف لے جائیں گے۔ تو اُنکے بیٹے علیؑ بن الحسینؑ جن کا لقب (زین العابدینؑ) ہے۔ اُن کے بعد اُن کے بیٹے محمد جن کا لقب (باقر) ہوگا، اُن کے بعد اُن کے فرزند جعفر جن کا لقب (صادق) ہوگا....

اس کے بعد باقی آئمہ طاہرین میں سے ہر ایک کا نام بھی حضور اکرمؐ نے بتایا، اُن کے القاب بھی۔ اور یہ بھی فرمایا کہ آخری امام پردۂ غیب میں عرصۂ دراز تک رہیں گے۔

جن وانس پر حکمرانی

سرکارِ ختمی مرتبت احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم جنوں کے لئے بھی نبی بنا کر بھیجے گئے تھے اور انسانوں کیلئے بھی۔

چنانچہ قرآنِ مجید میں ایسی آیات موجود ہیں جن میں جنوں کا حضور اکرمؐ کی خدمت میں آنا تلاوتِ کلام پاک سننا، درسِ ہدایت حاصل کرنا اور پھر اپنی قوم کے لوگوں کو بھی دین کی ان ہدایت سے باخبر کرنے کا تذکرہ موجود ہے۔

چھبیسویں پارہ میں ارشادِ قدرت ہے۔

واذ صرفنا الیک نفرا من الجن یستمعون القرآن، فلما حضروہ قالوا انصتوا، فلما قضی ولوا الی قومھم منذرین۔ قالوا یا قومنا انا سمعنا کتابا انزل من بعد موسیٰ، مصدقا لما بین یدیہ یھدی الی الحق والی طریق مستقیم؛ یا قومنا اجیبوا داعی اللہ وآمنوا بہ یغفرلکم من ذنوبکم ویجرکم من عذاب الیم۔

(اور جب ہم نے جنوں میں سے کچھ لوگوں کو آپ کی طرف متوجہ کیا کہ وہ غور سے سنیں، تو جب وہ حاضر ہوئے (تو ایک دوسرے سے) کہنے لگے کہ خاموشی کے ساتھ (اس کلام کو) سنو۔

پھر جب (تلاوت) ختم ہوئی تو وہ لوگ اپنی قوم کی طرف واپس گئے (تاکہ ان لوگوں کو متنبّہ کریں (چنانچہ) ان لوگوں نے جنوں سے کہا:

"اے ہماری قوم کے لوگو—) خدا کی طرف بلانے والے کی بات مانو

اور خدا پر ایمان لاؤ، وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور (قیامت) میں تمہیں
دردناک عذاب سے بچالے گا)

(سورۂ احقاف آیت نمبر ۲۹-۳۰-۳۱)

جس کے ذیل میں اربابِ تفسیر نے لکھا ہے کہ... جب حضرت رسولِ خدا طائف سے
مکہ واپس آرہے تھے تو راستہ میں کھجوروں کے ایک باغ میں تنہا شب کو قیام کیا نصف
شب کے بعد تہجد کے لئے اٹھے تو نصیبین اور نینوا کے رہنے والے سات جن: شاصر
ناصر، قرش، ہس، اردا، بیان، احتم اور ذریعہ کا اُدھر سے گذر ہوا۔ آپ کو قرآن پڑھتے ہوئے
دیکھ کر وہ لوگ ٹھہر گئے۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو وہ لوگ ظاہر ہوئے اور آپ پر
ایمان لائے اور پھر اپنے علاقوں میں جاکر دینِ اسلام کے قوانین کو جاری کیا۔

(ت۔ ق۔ م۔ ف۔ ج ۲، ص: ۸۰۲)

اس کے علاوہ دوسرے سوروں، جیسے سورہ مبارکہ "جن" وغیرہ بھی اس کا تذکرہ
موجود ہے۔

اور جس طرح حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جنوں کے بھی نبی تھے، انسانوں کے
بھی، اسی طرح حضرت علی علیہ السلام اور ہمارے دیگر ائمہ طاہرین علیہم السلام جنوں کے
بھی امام تھے اور انسانوں کے بھی۔

حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کے بارے میں، شاعر نے کیا خوب کہا ہے

عَلِیٌّ حُبُّہٗ جُنَّہ		قَسِیْمُ النَّارِ وَالْجَنَّہ
وَصِیُّ الْمُصْطَفٰی حَقًّا		اِمَامُ الْاِنْسِ وَالْجِنَّہ

(حضرت علیؑ کی محبت سپر ہے (جو آتشِ جہنم سے بچائے گی)
وہ جنت اور جہنم کے تقسیم کرنے والے ہیں۔

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے برحق وصی ہیں
وہ انسانوں کے بھی امام ہیں، اور جنات کے بھی۔

اور صاحبان علم و دانش "جنگ بئر العلم" میں حضرت علیؑ کے ہاتھوں سرکش جنوں کے قتل کئے جانے کی داستان سے بھی واقف ہیں جس کے بارے میں علامہ ابن شہر آشوب نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت رسولِ خدا ایک جنگ سے واپسی پر ایسی وادی سے گذرے جو ویران تھی، آپؐ کے ساتھ جو لوگ تھے ان میں سے عمرو ضمری نے بتایا کہ اس وادی کو "وادیِ کثیر ارزق" کہتے ہیں، اس جگہ ایک کنواں ہے جس میں وہ جنات رہتے ہیں، جنھوں نے جناب سلیمانؑ سے سرکشی کی تھی۔

حضورِ اکرم نے فرمایا کہ: قافلے میں سے دس آدمی جاکر اس کنویں سے پانی لائیں۔ چنانچہ دس آدمی وہاں پہنچے جن میں سے ایک کو جنوں نے مار ڈالا، باقی واپس آگئے تو.... حضرت علیؑ کو روانہ کیا، آپ وہاں پہنچے تو ایک بڑا عفریت سامنے آیا، اور آپؑ کے مقابلے پر رجز پڑھنے لگا، مگر آپؑ نے ذوالفقار سے اُس کے دو ٹکڑے کر دیئے، جس کے بعد کنویں سے آگ کے شعلے بلند ہونے لگے، اور ہر طرف گویا دھوئیں کا طوفان چھا گیا تو حضرت علیؑ نے "برداً وسلاما" والی آیت اور کچھ آیتیں پڑھیں تو آگ ٹھنڈی ہو گئی۔

آپؑ نے کنویں میں ڈول ڈال دیا جسے جنوں نے باہر پھینک دیا، اور ایک عفریت برآمد ہوا، حضرت علیؑ نے اُسے بھی قتل کر دیا، پھر کنویں میں ڈول ڈالا، جنوں نے وہ ڈول بھی واپس کر دیا۔ جب کئی بار ایسا ہوا تو حضرت علیؑ نے خود اس کنویں میں اترنے کا فیصلہ لیا، اور وہاں پہونچ کر جنوں سے جنگ شروع، کچھ سرکش جن قتل ہوئے، باقی ایمان لائے، اور حضرت علیؑ نے واپس آکر آنحضرتؐ کو کامیابی کی نوید سنائی۔

امام ششم حضرت جعفر صادق علیہ السلام بھی اپنے آباؤ اجداد کی طرح جن و انس کے حاکم اعلیٰ تھے۔ اور حسب ضرورت انھیں خدمات انجام دینے کا حکم دیا کرتے تھے جس کا ذکر صاحب بصائر الدرجات نے عبداللہ بن محمد کے سلسلہ سے سند کیا ہے...

مفضل بن عمر کی روایت ہے کہ:

خراسان کے علاقے سے امام جعفر صادق کے دو عقیدت مندوں کے ذریعہ آپکی خدمت میں کچھ اموال بھیجے گئے۔

وہ لوگ پوری حفاظت سے ان اموال کو لے کر روانہ ہوئے، یہاں تک کہ طہران پہنچے تو ایک اور مومن نے امام علیہ السلام تک پہنچانے کے لئے ایک تھیلی ان لوگوں کے سپرد کی جس میں دو ہزار درہم تھے۔

وہ لوگ دوران سفر بار بار اموال کا جائزہ لیتے رہے تھے، تاکہ کوئی چیز گم نہ ہونے پائے، یہاں تک کہ وہ دونوں مدینہ منورہ کے قریب پہونچ گئے تو ان دونوں میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا:

آؤ ــ ہم لوگ (شہر میں داخل ہونے سے قبل) ان اموال کا (ایک بار) پھر جائزہ لے لیں۔

چنانچہ ان دونوں نے تمام اموال کا جائزہ لیا تو ہر چیز اپنی جگہ محفوظ تھی سوائے تھیلی کے، جو طہران کے مومن نے ان کے سپرد کی تھی۔

ان دونوں میں سے ایک نے پریشانی کے عالم میں اپنے ساتھی سے کہا۔
"اللہ تعالیٰ ہی ہماری مدد کرے، اب ہم امام علیہ السلام کے سامنے (کیا عذر) بیان کریں گے؟

دوسرے نے جواب دیا: ــ اطمینان رکھو ــ وہ نہایت کریم النفس ہیں (ہم سے عتاب نہیں کریں گے) بلکہ مجھے تو امید ہے، جو کچھ ہم ان کے سامنے بیان کرتے ہیں

(اس پورے واقعہ کا) انھیں خود ہی علم ہوگا۔
پھر وہ دونوں شہر میں داخل ہوئے اور امام علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوکر، لوگوں کے بھیجے ہوئے اموال کو آپؑ کی خدمت میں پیش کیا۔
امام علیہ السلام نے اُن لوگوں سے پوچھا کہ، طہران میں جو تھیلی تم لوگوں کے سُپرد کی گئی تھی وہ کہاں ہے۔؟
یہ سُن کران لوگوں نے پورا واقعہ بیان کیا کہ:
"ہم لوگ راستے بھر پورے سامان کی نگرانی کرتے رہے تھے لیکن مدینہ میں داخل ہونے سے قبل جب سارے اموال کا جائزہ لیا تو ہر چیز موجود تھی، سوائے اس تھیلی کے جو طہران کے اُس مردِ مومن نے بھیجی تھی
امام علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ تھیلی اگر تم لوگ دیکھو گے، تو پہچان لو گے۔؟
اُن دونوں نے کہا
"جی ہاں۔
یہ سُن کر امام علیہ اسلام نے گھر کے خدمت گار کو آواز دی کہ فلاں تھیلی لے کر آؤ۔
جب خدمت گار نے تھیلی لاکر دی، تو امام علیہ السلام نے ان لوگوں کو دکھا کر پوچھا
"تم دونوں اس تھیلی کو پہچان سکتے ہو۔؟
وہ دونوں کہنے لگے۔
"بے شک۔ یہ وہی تھیلی ہے!
اس کے بعد امام علیہ السلام نے فرمایا کہ:
مجھے گذشتہ شب! کچھ ضرورت پیش آئی تو میں نے اپنے پیروکاروں میں سے

ایک جن کو روانہ کیا، جو اس تھیلی کو میرے پاس لایا۔

(حوالہ کیلئے ملاحظہ فرمایئے:
بصائر الدرجات جلد ۲ باب ۸ ۱۸۰ح ۲۷
بحار الانوار ج ۴۷: ۱۵۹)

چونکہ وہ تھیلی، طہران سے اس مومن نے امام علیہ السلام ہی کے لئے بھیجی تھی، جسے وہ دونوں اپنے ساتھ لے کر امامؑ کے پاس جا رہے تھے اور چونکہ اس زمانہ میں سفر کی رفتار بہت سست تھی، یہ عین ممکن ہے کہ امام کی خدمت میں کوئی ایسا حاجت مند آیا ہو جس کی ضرورت فوراً پوری کرنی ہو۔۔۔ اور اس میں تاخیر مناسب نہ ہو۔ اس لئے امام علیہ نے اپنے فرمانبردار جن کو حکم دیا کہ وہ مال جلد از جلد لے کر آجائے، تاکہ اس حاجت مند کی حاجت پوری کر دی جائے۔

آپؑ کی ہیبت وجلالت

ہیبت :۔ کا لفظ رعب و دبدبہ، شان و شوکت اور عظمت کے معنی میں بولا جاتا ہے، جیسا کہ اُردو زبان کے ایک شعر میں امام حسینؑ علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے شاعر نے کہا ہے کہ :

ہیبت ہے، غضب نعرۂ شاہِ شہداؑ کی
میداں میں صدا گونجتی ہے شیرِ خداؑ کی

اسی طرح لفظ جلالت کی تشریح میں اہلِ لغت نے لکھا ہے کہ :

جلالت، یعنی بزرگی، عظمت، شان و شوکت، جیسے لفظِ قدر کے ساتھ ملا کر "جلالت قدر" زیادہ بولتے ہیں۔ اور اسی مناسبت سے لفظِ جلال بھی شان و شوکت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اور خداوندِ عالم کو ذوالجلال والاکرام بھی اسی معنی کی مناسبت سے کہا جاتا ہے۔

(استفادہ از حبذب اللغات)

اور جناب امیرؑ کے بارے میں کسی شاعر نے اسے یوں رقم کیا ہے کہ :

غل ہے خوشا جلال زہے شانِ حیدریؑ
تا آسماں ہے نورِ جمالِ پیمبریؐ

پروردگارِ عالم نے اپنے حبیب، خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور ان کے اہلبیتِ طاہرین — ائمہ معصوم علیہم السلام — کو ایسی ہیبت وجلالت سے سرفراز فرمایا تھا جس کا اپنوں نے بھی اعتراف کیا ہے اور غیروں نے بھی۔

چنانچہ تاریخ کے اوراق پر ایسے بکثرت واقعات کا ذکر موجود ہے کہ اموی و عباسی دور کے حکمرانوں نے اپنے اہلِ دربار کے سامنے اپنی شیخی و غرور میں بلند آہنگ دعوے کئے کہ ہم ان لوگوں کی عظمت و جلالت کے خلاف ایسے اقدام کرینگے کہ دلوں سے ان کی عظمت کم ہو جائے اور ان کے چاہنے والوں کو خفت کا سامنا کرنا پڑے۔ لیکن جب امامِ وقت کا سامنا ہوا تو ان جابر حکمرانوں نے بات کرنے کی طاقت بھی اپنے اندر نہ پائی۔

ذیل میں ہم شاہد مثال کے طور پر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانہ کا ایک واقعہ نقل کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتے ہیں:-

عباسی حکمران منصور دانیقیؔ کا ایک مقرب بارگاہ ناقل ہے کہ:

میں نے ایک روز منصورؔ کو پریشان دیکھا تو دریافت کیا کہ اسے کس بات کا تردد ہے ـــ؟

اس نے کہا:- میں نے حضرت رسولِ خداؐ کے خاندان والوں میں سے جماعت کثیرہ کو تو ختم کر دیا، لیکن ان کے پیشوا کو اب تک چھوڑ رکھا ہے!

میں نے پوچھا:- "آپ کس کا ذکر کر رہے ہیں۔؟"

منصورؔ نے کہا:- (حضرت امام) جعفرؑ (صادقؑ) ابن محمدؐ۔

میں نے کہا کہ:- حضرت جعفرؑ بن محمدؐ تو ایسے شخص ہیں جو ہمیشہ عبادت اور یادِ خدا میں مشغول رہتے ہیں، پھر آپ کیوں ان کے خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگین کرنا چاہتے ہیں اور انھیں بے جرم و خطا شہید کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

یہ سن کر منصور نے کہا:- میں جانتا ہوں کہ تم دل سے ان کی امامت کا اعتقاد رکھتے ہو ـــ (لیکن یاد رکھو) میں نے قسم کھائی ہے کہ آج رات ہونے سے پہلے ہی ان (کی زندگی) کا خاتمہ کر کے اطمینان و سکون حاصل کروں۔

یہ کہہ کر جلاّد کو حکم دیا کہ جب (امام) جعفرؑ (صادق) ابن محمدؑ کو یہاں حاضر کریں، اور میں اپنے سر پر ہاتھ رکھوں تو تم بلا تاخیر ان کو قتل کر دینا۔
(اس کے بعد اُس نے اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ وہ جائیں اور حضرت امام جعفر صادقؑ کو اپنے ساتھ لے کر، یہاں حاضر ہوں)

تھوڑی دیر کے بعد، امام علیہ السلام، لوگوں کے ساتھ وہاں تشریف لائے، اس وقت آپ کی زبان ہل رہی تھی اور آپؑ آہستہ آہستہ کچھ پڑھ رہے تھے۔

جب منصورؔ کی نگاہ آپؑ کے چہرہ اقدس پر پڑی تو (اس پر ایسی) ہیبت طاری ہوئی کہ کانپنے لگا اور استقبال کر کے امامؑ کو اپنی مسند پر بٹھالیا، اس کے بعد دریافت کیا

"اے فرزندِ رسولؐ — آپؑ نے کیسے زحمت فرمائی؟

امام علیہ السلام نے فرمایا کہ: (تمہارے آدمی میرے پاس پہنچے کہ) تم نے بلایا ہے اس لئے میں آگیا۔

منصورؔ نے کہا:- "اگر کوئی حاجت ہو تو بیان فرمایئے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا کہ:- میری حاجت یہی ہے کہ آئندہ مجھے نہ بلایا جائے۔ یہ فرماکر، وہاں سے بیت الشرف کی طرف تشریف لے گئے۔

(حوالہ کیلئے ملاحظہ فرمایئے:
شواہد النبوۃ ص۱۸۶، حلیۃ الحیاۃ ص۲۱۱ وغیرہ)

دوسری روایت یہ ہے کہ:
منصورؔ نے اپنے خادم "ربیع" سے کہا تھا کہ:
"اگر میں اس وقت حضرت جعفر صادقؑ کو قتل نہ کروں تو خداوندِ عالم مجھے ہلاک کر دے۔

لیکن جب امام علیہ السلام وہاں پہنچے تو اُن کی زبانِ مبارک پر دعائیہ کلمات تھے۔
(اس کے بعد منصورؔ اور امام علیہ السلام کے درمیان مکالمہ ہوا... (جیساکہ اوپر گذرا)
منصور نے امام علیہ السلام کا فرمان سُنا تو سر جھکا لیا' اور دیر تک اسی طرح سر جھکائے خاموش بیٹھا رہا' پھر سر اٹھا کر امام علیہ السلام سے عرض کیا۔

"آپ صاحب قرابت قریبہ ہیں ...آپ کی شان بلند اور آپ کا برتاؤ صلح وامن کا ہے۔

پھر حضرتؑ سے مصافحہ اور معانقہ کیا۔ اور اپنی مسند پر بٹھا کر امام علیہ السلام کے ساتھ مکمل ادب واحترام کے ساتھ باتیں شروع کیں۔
اور نہایت تعظیم وتکریم کے ساتھ آپؑ کو رخصت کیا۔

جب امام علیہ السلام وہاں سے باہر تشریف لائے تو ربیع نے گذارش کی۔

"فرزندِ رسولؐ ——— ذرا ٹھہر جایئے ——— میں نے اس وقت اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا کہ آپؑ جب تشریف لائے تو آپؑ کی زبانِ مبارک کو حرکت تھی (آپؑ کوئی دعا پڑھ رہے تھے) جس کے بعد فوراً ہی منصورؔ کا رنگ بدل گیا۔ اور وہ بالکل ہی مسخر ہو گیا تھا۔

میں تو اس بادشاہ کا خدمت گذار ہوں ——— مجھے اس دعا کی اکثر ضرورت پڑتی رہے گی ——— براہ کرم آپ مجھے وہ دعا تعلیم فرما دیجئے۔

یہ سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا۔
"سنو——— میں نے یہ دعا پڑھی تھی۔
اَللّٰھُمَّ احْرُسْنِیْ بِعَیْنِکَ الَّتِیْ لَا تَنَامُ، وَاکْنُفْنِیْ بِحِفْظِکَ الَّذِیْ لَا یُرَامُ،

لَا اَهْلِكُ وَاَنْتَ رَجَائِيْ ۔ فَكَمْ مِنْ نِعْمَةٍ اَنْعَمْتَهَا عَلَيَّ قَلَّ عِنْدَهَا شُكْرِيْ فَلَمْ تَحْرِمْنِيْ، وَكَمْ مِنْ بَلِيَّةٍ ابْتَلَيْتَ بِهَا قَلَّ عِنْدَهَا صَبْرِيْ فَلَمْ تَخْذُلْنِيْ، اَللّٰهُمَّ بِكَ اَدْرَءُ فِيْ نَحْرِهٖ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهٖ ۔

(خداوندا۔ تو میری حفاظت اپنی اس چشم (کرم) سے فرما جس پر نیند طاری نہیں ہوتی اور مجھے اپنی اس حفاظت کی پناہ میں لے جس تک پہونچنے کا کوئی ارادہ نہیں کر سکتا۔

میں ہلاک نہیں ہو سکتا (کیونکہ) میری امید تجھ سے وابستہ ہے۔

(خداوندا) ۔ تو نے مجھے کتنی ہی نعمتوں سے نوازا ہے جن کا میں نے بہت کم شکرادا کیا۔ پھر بھی تو نے مجھے محروم نہیں رکھا، اور کتنی ہی آزمائشیں ہیں جن میں میں مبتلا ہوا، اور میری شکیبائی کم ہو گئی مگر تو نے مجھے ناامید نہیں کیا۔

خداوندا۔ تیرے ہی ذریعہ میں اس سے چھٹکارا چاہتا ہوں، اور اس کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں)

ربیع کا بیان ہے کہ:

اس واقعہ کے بعد، جب بھی میں کسی پریشانی میں مبتلا ہوا، تو میں نے اسی دعا کو پڑھا اور میری پریشانی بلا تاخیر رفع ہو گئی۔

(ملاحظہ فرمائیے:

مجانی الادب جلد ۲، ص ۱۲۵ و نور الابصار ص ۱۳۹)

عفو و درگذر

قرآن مجید میں خالق دو جہاں کا ارشاد ہے۔

خذ العفو وأمر بالعرف واعرض عن الجاهلين۔

(عفو و درگذر کو اختیار کرو، نیکی کا حکم دو اور جہالت کرنے والوں سے کنارہ کشی اختیار کرو۔

سورہ الاعراف آیت ۱۹۹)

جس کے ذیل میں مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ،

معاشرے کا ہر فرد اخلاق و سیرت کے اعلیٰ مدارج پر نہیں ہوتا، لہٰذا اُن سے نرمی کا سلوک روا رکھنا چاہیئے، ان کی خطا، ضعف، اور کمی کو معاف کر دینا چاہیئے۔

...لین دین میں، دوستانہ تعلقات اور ہمسائیگی کے معاملات میں سماحت اور شفقت درکار ہے کیونکہ زندگی سہولت اور نرمی کے ساتھ اسی طرح بسر ہوتی ہے۔

انسانی کمزوریوں سے صرف نظر کرنا، بندوں پر شفقت کرنا، ان کے ساتھ نرمی اختیار کرنا ضروری ہے۔!!

"معروف" سے مراد وہ مشہور بھلائی ہے جس میں کسی اختلاف اور مناقشے کی گنجائش نہ ہو، جسے عقلِ سلیم اور فطرت سلیمہ راہ استقامت جانیں۔

نفس جب اس معروف کا عادی ہو تو اس کی قیادت بہت آسان ہوتی اس سے بھلائی بے تکلف سرزد ہوتی ہے۔

لوگوں کے ساتھ شدت کا رویہ اختیار کرنا انھیں بھلائیوں سے روک دیتا ہے۔
آیت میں یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ (جہالت کرنے والوں، اور) جاہلوں سے اعراض کرو۔)

اعراض... کی صورت یہ ہے کہ اُن سے کھردا پن کی پرواہ نہ کی جائے، انھیں نظرانداز کیا جائے اُن کے اقوال و افعال کو ناقابلِ التفات سمجھا جائے... اُنکے ساتھ بزرگانہ رویہ اختیار کیا جائے۔

(استفادہ از تفسیر فی ظلال القرآن، جلد ۲)

جیسا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیّبہ میں ملتا ہے کہ آپ اُن لوگوں کو معاف کر دیا کرتے تھے جو آپؐ سے ناسزا کلمات کہتے تھے جو آپؐ کو اذیت پہونچاتے تھے، اور جو آپؐ کے سرِ اقدس پر کوڑا کرکٹ پھینکتے تھے۔

اسی طرح آپؐ کے اوصیاءِ برحق، جو حجتِ خدا بھی تھے، اور دین کے پاسبان بھی، اُن کا بھی طرزِ عمل یہی تھا کہ کوتاہی کرنے والوں کے ساتھ عفو و درگذر سے کام لیتے تھے، اُن کی سخت سے سخت باتوں کو بھی نظرانداز کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ اربابِ تاریخ نے لکھا ہے کہ:

حضرت امام جعفرِ صادق علیہ السلام لوگوں کی بڑی بڑی غلطیوں کو فوراً معاف کر دیتے تھے۔ اور سخت قسم کے نقصانات کے موقع پر بھی شفقت اور درگذر سے کام لیتے تھے۔

ایک دفعہ آپؐ کی خادمہ کھانا لے کر آپ کی خدمت میں آئی تو وہاں کچھ اور لوگ بھی موجود تھے، جن کو دیکھ کر وہ شرماتی ہوئی آگے بڑھی، تو کھانے کا برتن اسکے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا اور سارا کھانا امام علیہ السلام اور آپ کے اصحاب پر گرا،

جس سے سب کے بدن اور کپڑے خراب ہوئے۔

یہ دیکھ کر وہ کنیز کانپنے لگی — مگر امام علیہ السلام نے اُس سے فرمایا:

اَنْتِ حُرَّۃٌ لِوَجْہِ اللّٰہِ تَعَالٰی، لَعَلَّہٗ اَنْ یَکُوْنَ کَفَّارَۃً لِلرَّوعِ

الَّذِیْ اَصَابَکِ۔

(جا — تجھے خدا کی خوشنودی کی خاطر آزاد کر دیا گیا۔ ہو سکتا ہے تیرا آزاد کر دینا ہی، اُس رعب اور خوف کا کفّارہ ہو جائے، جو اس وقت تجھ پر طاری ہو گیا تھا)

(ملاحظہ فرمائیں: مجانی الادب جلد ۱ صفحہ ۹۲)

مؤرخین نے اسی سے ملتا جلتا آپ کے ایک غلام کا بھی بیان کیا ہے کہ:

آپؑ کا ہاتھ دھلانے کیلئے غلام کھڑا ہو کر لوٹے سے آپؑ کے ہاتھ پر پانی گرا رہا تھا کہ دفعتاً لوٹا اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گرا۔ جس سے چھینٹیں اڑ کر امامؑ کے چہرۂ اقدس پر پڑیں تو آپؑ نے اُس غلام کی طرف دیکھا۔

غلام نے (قرآن کی آیت پڑھی) وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ (خدا کے نیک بندے) غصّہ کو پی جاتے ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:۔ (میں نے اپنے غصّے کو پی لیا)

اس غلام نے آیت کا اگلا حصّہ پڑھا، وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ (لوگوں کو معاف کر دینے والے ہیں)

(امام علیہ السلام نے فرمایا) میں نے تجھے معاف کیا۔

یہ سن کر اُس غلام نے آیت کا آخری حصّہ پڑھا: وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ (اللہ احسان کرنے والوں سے محبّت کرتا ہے)

امام علیہ السلام نے فرمایا:۔ جا۔ میں نے خدا کی خوشنودی کی خاطر تجھے آزاد کیا۔

(مجانی الادب صفحہ ۹۹)

کظم کے لغوی معنی: "پانی سے بھری ہوئی مشک کے دھانے کو باندھنے" کے ہیں۔۔۔ اور کنایہ کے طور پر اُن لوگوں کی صفت بیان کی جاتی ہے جو آتش غیظ و غضب سے بھرے ہوں لیکن اسے استعمال نہ کریں۔

لفظ غیظ کے معنی: شدتِ غضب ہیں جو نفسانی ہیجان ہے جو طبیعت کے خلاف (باتوں یا) چیزوں کو دیکھ کر انسان پر طاری ہو جاتا ہے' اور انسان کو آپے سے باہر کر دیتا ہے۔

غصہ کی حالت خطرناک ترین حالت ہوتی ہے (اور اگر اس پر قابو نہ پایا جائے تو نہایت ہولناک نتائج سامنے آسکتے ہیں) اسی لئے شریعت نے غصے پر قابو رکھنے کی بہت ہدایت کی ہے)

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

من کظم غیظا وھو قادر علی امضاءہ ملأہ اللہ امنا وایمانا۔

(جو شخص اپنے غصہ کو پی جائے' جبکہ عملی اقدام پر قادر بھی ہو' تو خداوند عالم اس کے دل کو ایمان (کی روشنی سے منور) کرتا ہے۔

آیت کے آخر میں قدرت نے یہ بھی فرمایا کہ: واللہ یحب المحسنین (خدا احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے)

اس میں عفو و بخشش سے بلند تر مرحلے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اور زنجیر کی کڑیوں کی طرح (اخلاقی) ترقی و تکامل کے مراتب کی تصویر کشی کی گئی ہے... کہ:

انسان نہ صرف اپنا غصہ پی جائے... بلکہ بُرائی کے مقابلے میں احسان اور نیکی کر کے (اپنی عظمت کو نمایاں کرے) (ملاحظہ فرمائیے، تفسیر نمونہ جلد ۳ صفحہ ۸۴)

اس جگہ اس حدیث پیغمبرؐ کو بھی نقل کرنا مناسب نظر آتا ہے، جس میں منقول ہے کہ:

"پہلوان وہ نہیں ہے جو کسی آدمی کو کشتی میں پچھاڑ دے۔
بلکہ اصل پہلوان وہ ہے جو غیظ و غضب کے وقت تحمل کر کے اپنے غصہ پر غالب، اور اپنے نفس پر قابو رکھے۔

(ملاحظہ فرمائیں:
صحاح ستہ باب الحذر من الغضب اور تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص ۴۰۴)

بد کلامی کرنے والے کے ساتھ حسنِ سلوک

قرآن مجید میں خدا کے نیک بندوں کی یہ صفت بھی بیان کی گئی ہے کہ اگر کوئی ان سے لغو اور بیہودہ بات کرتا ہے تو اس کے جواب میں مشتعل ہونے کے بجائے بزرگانہ انداز سے وہاں سے ہٹ جاتے ہیں

چنانچہ ارشادِ قدرت ہے:

...وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا.

(اور جب وہ بے ہودہ باتوں سے گذرتے ہیں تو بزرگانہ انداز سے آگے بڑھ جاتے ہیں)

سورہ مبارکہ الفرقان آیت ۷۲

اور جو حضرات اُن سے بلند مرتبہ ہیں' اُن کی توصیف اِن الفاظ میں کی گئی ہے کہ:

...وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ

(اور وہ لوگ غصہ کو پی جاتے ہیں' اور لوگوں (کی کوتاہیوں) سے درگذر کرتے ہیں' اور اللہ تو احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے)

(ملاحظہ فرمائیں، سورۂ آلِ عمران آیت ۱۳۴)

حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ قَادِرٌ عَلَى اِنْفَاذِهٖ مَلَاَهُ اللّٰهُ اَمْنًا وَاِيْمَانًا.

(جو شخص اپنے غصہ کو پی جائے جبکہ اُس کے مطابق اقدام کرنے پر قادر ہو تو

خداوند عالم اس کے دل کو امن ایمان کی روشنی سے منور کرتا ہے

(تفسیر نمونہ جلد ۳ صفحہ ۸۳)

یہاں بعض اربابِ تفسیر کی یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ:

"خداوندِ عالم چونکہ غنی (بے نیاز) ہونے کے ساتھ ساتھ حلیم بھی ہے، اس لئے وہ اپنے بندوں کی کوتاہیوں اور نافرمانیوں کے باوجود ان کو اپنے جود و کرم سے نوازتا رہتا ہے۔ اگر وہ بندوں کی کوتاہیوں پر اُن کو اپنے فضل و کرم سے محروم کر دیا کرے تو عام انسانوں میں کون ہے جو کسی فضل کا مستحق قرار پا سکے۔

یہ ذاتِ کردگار کا حلم ہے جس کی بدولت وہ نیکوکار اور گنہ گار، سب کو اپنے خزانۂ قدرت سے نوازتا رہتا ہے۔

(اور چونکہ وہ حلیم ہے، بندوں کی خطاؤں سے درگذر کرتا رہتا ہے، اس لئے وہ چاہتا ہے کہ ان ہی صفات کا عکس اُس کے بندوں کے اندر بھی نمایاں ہو...

(ملاحظہ فرمایئے: تفسیر تدبر قرآن جلد ۱ صفحہ ۶۱۵)

لیکن جن ہستیوں کو پروردگارِ عالم نے ہمارا ہادی و پیشوا بنایا ہے، وہ کمالاتِ انسانی کی اُس بلندی پر فائز ہیں کہ:

صرف کوتاہی کرنے والوں کو معاف نہیں کرتے، صرف لغزشوں پر لغزشیں کرنے کرنے والوں سے عفو و درگذر ہی نہیں کرتے بلکہ:

اُن کے ساتھ احسان کرتے ہیں جیسا کہ اسی آیت میں اس کی نشاندہی بھی موجود ہے کہ:

"خداوندِ عالم احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

ائمہ طاہرین علیہم السلام عظمتِ انسانی کے اِس درجہ پر ہیں کہ بدکلامی کرنے والوں

کو بھی اپنے فضل و کرم سے نوازتے اور ان پر احسان کرتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک ایسے شخص کے ساتھ جس نے آپ کے خلاف انتہائی بدزبانی کی تھی' کیسا حُسنِ سلوک فرمایا' اس کا اندازہ مندرجہ ذیل روایت سے سمجھا جا سکتا ہے۔

ولید بن صبیح کا بیان ہے کہ ہم لوگ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس بیٹھے تھے ۔۔ رات کا وقت تھا (ہم لوگ باتوں میں مشغول تھے) کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

امام علیہ السلام نے خادم سے فرمایا کہ " دیکھو' کون ہے ؟

اُس نے باہر جاکر دیکھا اور خبر دی کہ ... عبداللہ بن علی آئے ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا کہ "انھیں اندر بلالو ۔۔ پھر ہم لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ گھر کے اندر (دوسرے حصہ میں) چلے جاؤ۔

ہم لوگ گھر کے اندر داخل ہوئے' اور آنے والے کی آہٹ سُنی تو کچھ ایسا محسوس ہوا کہ گویا کوئی عورت ہو! ۔ ہم لوگ ایک دوسرے سے قریب ہو کر بیٹھ گئے۔

جب وہ آنے والا گھر کے اندر داخل ہوا تو امام علیہ السلام کی طرف رُخ کر کے اُس نے انتہائی گستاخانہ بات کی' بے ادبی میں اُس نے کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔

پھر جب وہ شخص چلا گیا' تو ہم لوگ بھی اپنی جگہ سے اٹھے اور امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

امام علیہ السلام ہم لوگوں سے اُسی طرح گفتگو کرنے لگے جیسے پہلے کر رہے تھے' بلکہ اس وقت جہاں گفتگو کا سلسلہ منقطع ہوا تھا' آپ نے وہیں سے بات شروع کی۔

ہم نے امام کی خدمت میں عرض کیا کہ :

مولا ۔۔ آنے والے شخص نے تو آپ سے ایسی بے ادبانہ گفتگو کی ہے کہ ہم لوگ

بچے بھی نہیں سکتے کہ کوئی شخص کسی سے اس انداز سے بات کرسکتا ہے، چہ جائیکہ اُس نے امام وقت سے ایسی بات کی؟ یہ تو انتہائی جسارت، اور حیرت انگیز بات ہے۔

ہم میں سے کچھ لوگوں کا تو ارادہ ہوا کہ اپنی جگہ سے اٹھیں اور اس شخص کی خبر لیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:۔ چھوڑو، (اس معاملے) میں کوئی مداخلت نہ کرو۔

ہم سے یہ فرمانے کے بعد آپؑ معمول کے مطابق گفتگو میں مصروف ہوگئے، یہاں تک کہ رات کا کافی حصہ گذر گیا، تو پھر کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

امام نے خادم کو حکم دیا کہ دیکھئے کون ہے؟

وہ گئی، اور آنے کے بعد خبر دی کہ وہی... عبداللہ بن علی دوبارہ آئے ہیں۔

یہ سُن کر امام علیہ السلام نے ہم لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ دوبارہ اسی جگہ چلے جاؤ جہاں میں نے تمہیں اس بھیجا تھا۔

اس کے بعد آپؑ نے عبداللہ بن علی کو اندر بلایا۔

اس دفعہ جو وہ امامؑ کے پاس پہنچے تو نالہ و شیون اور فریاد کرتے ہوئے آئے، روتے جاتے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے:

... معاف کردیجئے... درگذر فرمایئے...

امام علیہ السلام نے فرمایا (میں نے معاف کیا) خدا آپ کو معاف کرے، یہ (نالہ و شیون کیسا ہے اور) کس بات نے آپ کو اس پر مجبور کیا۔ ؟

عبداللہ بن علی نے کہا کہ: جب میں یہاں سے واپس گھر پہونچا، اور بستر پر سو گیا، تو دو سیاہ فام (قوی ہیکل) اشخاص میرے پاس آئے۔ انہوں نے میرے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے، اور ایک نے دوسرے سے کہا کہ اسے جہنم میں ڈال دو۔

چنانچہ وہ لوگ مجھے لے کر اپنے ساتھ چلے... راستے میں، میں نے حضرت رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دیکھا تو اُن سے گذارش کی کہ "اے خدا کے رسولؐ مجھ پر

رحم فرمایئے، میں نے جو گستاخی کی ہے اُسے معاف کر دیجئے، میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔

چنانچہ پیغمبر اکرمؐ نے ان لوگوں کو حکم دیا کہ اسے آزاد کر دو) اور ان لوگوں نے مجھے چھوڑ دیا، لیکن اُن لوگوں جو مجھے جکڑا ہوا تھا اس کی تکلیف (اپنے جسم میں اب بھی محسوس کر رہا ہوں، ایسا لگتا ہے کہ جان نکلنے والی ہے)

یہ سُن کر امام علیہ السلام نے اُن سے فرمایا کہ: وصیت کر دیں (کیونکہ واقعاً آپ کی موت کا وقت نزدیک آچکا ہے)

کہنے لگے: کیا وصیت کروں؟ مال تو میرے پاس ہے نہیں، البتہ اہل وعیال زیادہ ہیں، اور میرے ذمہ لوگوں کے قرض بھی ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا کہ آپؑ کا قرض اپنے ذمّہ (لیتا ہوں) اور آپ کے اہل و عیال کو میں اپنے اہل وعیال میں شامل کرتا ہوں، اُن کے اخراجات بھی میرے ذمّہ ہوں گے)

راوی کہتا ہے کہ ابھی ہم لوگ شہر سے نکلے بھی نہ تھے کہ عبداللہ بن علی کا انتقال ہوگیا۔ جس کے بعد امام جعفرِ صادق علیہ السلام نے ان کے قرضے ادا کر دیئے، اور ان کے اہل وعیال کے اخراجات اپنے ذمہ لے لئے ...

(ملاحظہ فرمایئے: مناقب ابن شہر آشوب

کتاب الخرائج والجرائح صفحہ ۲۳۲: بحار ۹۷:۴۷،۹۶)

نامناسب نہ ہوگا، اگر یہاں اُس واقعہ کا بھی ذکر کر دیا جائے جس میں ایک شخص نے محض غلط فہمی کی بناء پر آپؑ کے ساتھ سخت گیری کی، اور ناحق دعویدار رہا۔ مگر آپؑ نے اس کے انتشارِ ذہنی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے، اُسے اپنے جود و کرم اور

فضل و عطا سے نوازا۔

کتاب الفنون کی روایت ہے کہ:

حاجیوں میں سے ایک شخص مدینہ منورہ میں (مسجدِ نبویؐ کے قریب) سوگیا جب اٹھا اور اُسے اپنے پیسے کی تھیلی نظر نہ آئی تو اس وہم میں مبتلا ہوگیا کہ اس کی وہ تھیلی کسی نے چُرالی ہے۔

وہاں سے نکلا تو اس نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ اور چونکہ وہ امام علیہ السلام کو پہچانتا نہ تھا، اپنی پریشان خیالی میں آپ کے پاس آکر چمٹ گیا کہ: میری رقم کی تھیلی آپ کے پاس ہے۔

امامؑ نے پوچھا کہ: اس میں کیا تھا؟

کہنے لگا کہ: ایک ہزار دینار۔

امام علیہ السلام اسے اپنے ساتھ گھر لے گئے، اور ہزار دینار اُس کے سپرد کر دیئے۔

پھر جب وہ شخص اپنے گھر گیا تو اسے پتہ چلا کہ وہ تھیلی تو اسکے گھر ہی پر رکھی ہوئی ہے۔

چنانچہ وہ امامؑ کے پاس معذرت کیلئے آیا، اور آپ کا دیا ہوا مال واپس کرنے لگا۔

امام علیہ السلام نے اُسے واپس لینے سے انکار کیا، اور فرمایا:

"ہم جو کچھ دے دیتے ہیں، پھر واپس نہیں لیتے۔" (مفہوم ملحض)

؎

اُس شخص نے واپس جاتے ہوئے لوگوں سے دریافت کیا کہ "یہ کون بزرگوار تھے۔؟"

اُسے بتایا گیا کہ، یہ امام جعفر صادق علیہ السلام ہیں۔

یہ سُن کر کہنے لگا کہ:۔ بیشک، اس قسم کے کام یہی حضرات کر سکتے ہیں۔

بحار الانوار جلد ۴۷، صفحہ ۲۳، ۲۴

محدثِ جَیّد حضرت شیخ عباس قمی علیہ الرحمہ نے ایک زندیق کے بارے میں لکھا ہے کہ جب اُسے کسی شخص نے اس کی الحادی باتوں پر سرزنش کی، تو بے ساختہ اُس کے منھ سے نکلا کہ کاش تم امام جعفر صادقؑ کی طرح میری باتیں سنتے اور اُن ہی جیسی نرمی سے پیش آتے ــــ چنانچہ:

"توحید مفضل" کی عبارت ہے کہ:

مفضل بن عمر، مسجدِ نبویؐ میں بیٹھے تھے، ان کے کانوں تک یہ آواز پہنچی کہ ابن ابی العوجاء (نامی مشہور دہریہ) کسی مومن سے کفر آمیز باتیں کر رہا ہے، جسے سُن کر مفضل برداشت نہ کر سکے، اور ابن ابی العوجاء کو چیخ کر مخاطب کیا:

"اے دشمنِ خدا ــــ (مسجد میں بیٹھ کر) تو خدا کے دین میں الحاد کر رہا ہے ــــ اور ذاتِ خداوندی کا انکار کرتا ہے!.... اسی قسم کے جملے کہتے رہے!

ابن ابی العوجاء نے کہا کہ: اگر بحث کرنے کے اہل ہو تو آؤ باہم گفتگو کریں ــــ اگر تم نے دلیل سے اپنی بات ثابت کر دی تو میں تمہاری متابعت کر دوں گا ــــ اور اگر تمہیں مناظرہ کرنے کے آداب معلوم نہیں ہیں تو مجھے تم سے کوئی بات بھی نہیں کرنی ہے ــــ اور اگر تم (حضرت امام) جعفر صادق (علیہ السلام) کے پیروکاروں میں سے ہو تو سُن لو کہ:

انہوں نے تو آج تک اس لہجے میں مجھ سے گفتگو نہیں کی، اور نہ تمہاری طرح مجھ پر برافروختہ ہوئے، جبکہ اس قسم کی باتیں ــــ بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت باتیں انہوں نے مجھ بارہا سُنی ہیں، لیکن نہ تو انہوں نے مجھے کبھی کوئی ناسزا بات کہی، نہ میری باتوں کے جواب میں کبھی سختی و درشتی سے پیش آئے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ انتہائی متحمل مزاج، حلیم و بردبار، عظیم و باوقار، صاحبِ فکر و دانش اور مستحکم شخصیت کے حامل ہیں جو اگرچہ کبھی اپنے موقف سے نہیں ہٹتے لیکن نہایت نرمی و ملائمت سے پیش آتے ہیں، نہ کبھی غیظ و غضب کرتے ہیں، نہ

درشت مزاجی سے پیش آتے ہیں۔

میں جو کچھ بھی کہوں سنتے رہتے ہیں، میں اپنی معلومات کے مطابق دلیلیں پیش کرتا رہتا ہوں اور جو دلیل و برہان میرے پاس ہوا سے اس انداز سے پیش کرتا ہوں جیسے میں غالب آنے والا ہوں۔ اور انھیں لاجواب کرنے والا ہوں۔

پھر جب میں اپنی بات پوری کرلیتا ہوں، میرے ذہن میں جو دلائل ہوتے ہیں ان کو بھی پیش کردیتا ہوں تو وہ نہایت نرمی اور خوش کلامی کے ساتھ میرے تمام دلائل کے تار و پود بکھیر دیتے ہیں، اور ایسے محکم دلائل کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں کہ میرے لئے کسی قسم کی کٹ حجتی کی گنجائش بھی باقی نہیں رہتی، اور میں ان کے سامنے بالکل بے بس ہو جاتا ہوں۔

اگر تم ان کے عقیدت مندوں میں سے ہو، تو تم پر فرض ہے کہ جس انداز سے وہ وہ گفتگو فرماتے ہیں وہی انداز تکلم تم بھی اختیار کرو۔ نہ یہ کہ اشتعال میں آکر نامناسب الفاظ ادا کرنے لگو۔

(حوالہ کیلئے ملاحظہ فرمائیے،
توحید مفضل ص۳
منتہی الآمال ۲، ۲۲۳، ۲۲۴)

اسی سلسلہ میں مندرجہ ذیل واقعہ بھی قابلِ توجہ ہے جو امام علیہ السلام سے عفو و درگذر کی عظیم الشان نشانی کے طور پر، تاریخ و سیرت کی کتابوں میں موجود ہے۔

مشکوٰۃ الانوار کی روایت میں ہے کہ:

ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ:

"میرا فلاں چچازاد بھائی، آپ کا نام لے کر انتہائی ناسزا کلمات کہتا ہے (مجھے اُسکے

ساتھ کیا کرنا چاہیئے)

یہ سُن کر امامؑ نے گھر کی خدمت گار سے وضو کیلئے پانی منگوایا' اور وضو کر کے نماز میں مشغول ہو گئے۔

راوی کہتا ہے کہ: میں نے دل میں خیال کیا کہ آپ اُس شخص پر لعن کرنے جا رہے ہیں (اور نماز پڑھ کر اُسکے لئے بددعا کرینگے)

مگر میں نے دیکھا کہ:

امام علیہ السلام نے دو رکعت نماز پڑھی' اور اُسکے بعد دست دُعا بلند کر کے یوں عرض کیا:

"پالنے والے — میں نے اُسے معاف کیا تیرا فضل و کرم (سب) سے بڑھ کر ہے تُو بھی اسے معاف کر دے' اور اس کی بداعمالی پر اس کی گرفت نہ کرنا۔

امامؑ گڑگڑا کر اُس لئے دعائے خیر کر رہے تھے اور میں حیرت و تعجب کے سمندر میں غوطہ زن تھا۔

(دیکھیئے: مشکوٰۃ الانوار ص۲۱۸)

غیروں کے ساتھ بھی احسان

پروردگار عالم خود تو بندوں پر ہر قسم کے احسان کرتا ہی ہے، اپنے بندوں سے بھی اس بات کا طلب گار ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک کیا کریں جیسا کہ قرآن مجید کی آیات پر نظر رکھنے والوں سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے۔

ارشاد قدرت ہے۔

واحسنوا ان اللہ یحب المحسنین۔ (اور حسن سلوک کرو، بیشک اللہ حسن سلوک کرنے والوں کو پسند کرتا ہے)

سورہ البقرۃ آیت ۱۹۵، پارہ ۲۔

ایک اور جگہ فرمایا:

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان۔ (بیشک خداوند عالم انصاف، اور حسن سلوک کا حکم دیتا ہے)

(سورہ النحل، پارہ ۱۴، آیت ۹۰)

ایک اور مقام پر، تو اسلام لانے کے بعد سب سے اہم فریضہ حسن سلوک کو قرار دیا گیا ہے۔

ارشادِ قدرت ہے:

بلی من اسلم وجہہ للہ وھو محسن، فلہ اجرہ عند ربہ ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔

(ہاں۔ البتہ جو شخص خدا کے آگے اپنا سر جھکا دے، اور وہ محسن بھی ہو

کرنے والا بھی ہو تو اس کیلئے اس کے پروردگار کے پاس (عمدہ) اجر ہے، اور ایسے لوگوں پر نہ تو (قیامت کے دن) کوئی خوف ہوگا، اور نہ وہ غمزدہ ہوں گے)

(سورہ البقرہ: آیت ۱۱۲ پارہ ۱)

اسی کے ساتھ یہ اعلان بھی کر دیا گیا کہ خداوندِ عالم کی رحمت تو احسان (اور حُسنِ سلوک) کرنے والوں ہی کے قریب ہے۔ جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے:

ان رحمت اللہ قریب من المحسنین (بیشک خدا کی رحمت حسنِ سلوک کرنے والوں سے نزدیک ہے)۔ سورۂ اعراف: آیت ۵۶

اور ہمارے ائمہ طاہرین علیہم السلام کی زندگی پر غور کیا جائے اور اپنے مخالفین اور عام بنی نوع انسان کے ساتھ اُن کے حُسنِ سلوک پر غور کیا جائے تو نظر آئے گا کہ انکی زندگی سراپا احسان، اور بنی نوعِ انسان کے ساتھ حُسنِ سلوک کا نمونہ ہے۔

اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل واقعے پر غور کیجیے!

شیخ صدوق علیہ الرحمہ کی روایت ہے: معلّیٰ بن خنیس (جو حضرت امام جعفر صادقؑ کے نہایت باوفا اور عالی مرتبت شاگردوں میں تھے) بیان کرتے تھے کہ:

ایک شب ــ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام "ظلۂ بنی ساعدہ" جانے کیلئے اپنے گھر سے نکلے۔

"بنی ساعدہ" نامی خاندان والوں کے علاقہ میں یہ ایک سائبان تھا جہاں دن کے وقت، لوگ تمازت آفتاب اور گرمی سے بچنے کے لئے بیٹھا کرتے تھے۔ اور رات کے وقت غریب الوطن اور فقراء و بے خانماں افراد وہاں سو جایا کرتے تھے۔

جس شب کا یہ واقعہ ہے، اس شب بارش ہو رہی تھی، اور امامؑ اس علاقہ کی طرف جا رہے تھے؛۔ میں بھی امامؑ کے پیچھے چلنے لگا۔

(رات کی تاریکی میں) اچانک امام علیہ السلام کے دست مبارک سے کوئی چیز زمین پر گری، تو امامؑ نے فرمایا: (بِسْمِ اللّٰہِ۔ اَللّٰھُمَّ رُدَّہٗ عَلَیْنَا — "خداوندا" یہ چیز ہماری طرف واپس کر دے)

راوی کہتا ہے کہ:

اس موقع پر میں امامؑ کے قریب گیا، اور آپؑ کو سلام کیا۔

آپ نے (جواب سلام دیا اور) فرمایا کہ: "معلّیٰ!۔

میں نے کہا: لبیک — اے فرزند رسولؐ — میری جان آپ پر قربان۔

فرمایا!۔ زمین کی طرف ہاتھ بڑھاؤ۔ جو کچھ ملے، اُسے اٹھا کر کے مجھے دو۔

میں نے زمین پر ٹٹولا تو کچھ روٹیاں زمین پر بکھری ہوئی ملیں؛ میں نے اکٹھا کر کے امام علیہ السلام کے سپرد کر دیں۔

پھر میں نے دیکھا کہ، امامؑ ایک بڑی سی بوری اٹھائے ہوئے ہیں جس میں روٹیاں ہیں۔

میں نے عرض کیا!۔ فرزند رسولؐ! یہ خدمت میرے سپرد کیجئے — میں اپنے کاندھے پر اٹھا کر لے چلوں۔

فرمایا:— نہیں!۔ یہ تو میں خود ہی اٹھا کر لے جاؤں گا، البتہ تم میرے ساتھ چل سکتے ہو۔

معلّیٰ کہتے ہیں کہ میں امامؑ کے ساتھ چلتا رہا، آپ "ظلۃ بنی ساعدۃ" پہنچے جہاں بڑی تعداد میں فقیر سو رہے تھے۔

امام علیہ السلام نے ہر فقیر کے پاس ایک ایک دو دو روٹی رکھ دی، یہاں تک کہ آخری شخص تک پہونچانے کے بعد وہاں سے واپس روانہ ہوئے۔

میں نے دریافت کیا: "فرزندِ رسولؐ کیا یہ اہل حق ہیں، آپؑ کے پیروکاروں میں سے ہیں؟

امامؑ نے جواب میں ایک جملہ ارشاد فرمایا، جس کا مفہوم یہ تھا کہ اگر یہ ہمارے شیعہ ہوتے تو ہم اس سے زیادہ خدمت کرتے۔[1]

ملاحظہ فرمایئے:

کتاب ثواب الاعمال صفحہ ۳۰۷، ۳۰۹، نشر اخلاق (قم)

اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل واقعہ کا ذکر بھی نامناسب نہ ہوگا جسے عالمِ اسلام کے انتہائی بلند مرتبہ محدث جناب شیخ کلینی علیہ الرحمہ نے اپنی مشہور کتاب "کافی" میں ذکر کیا ہے کہ:

ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: "فرزندِ رسولؐ۔ میں نے خواب میں یہ منظر دیکھا ہے کہ:

گویا میں شہرِ کوفہ سے باہر ایک ایسی جگہ گیا ہوا ہوں جسے پہچانتا ہوں۔ وہاں ایک شخص کو دیکھا جیسے کہ وہ لکڑی کا بنا ہوا آدمی ہو، اور ایک لکڑی کے گھوڑے پر سوار ہے، اس کے ہاتھ میں ایک تلوار ہے جسے وہ لہرا رہا ہے، اور میں خوف و ہیبت کے عالم میں یہ منظر دیکھ رہا ہوں۔

(اس کی تعبیر بیان فرمایئے)

---

[1] کیونکہ مومن کا حق عام مسلمانوں سے بڑھ کر ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا کہ: تم نے کسی شخص کو برباد کرنے کا ارادہ کیا ہے، میرا مطلب یہ ہے کہ تم کسی شخص کے وسائل حیات پر قبضہ کر کے (اسے انتہائی سخت مشکلات میں مبتلا کرنا چاہتے ہو) خداوند کردگار سے ڈرو جس (کے قبضۂ قدرت میں) تمہاری زندگی اور موت ہے۔

یہ سن کر وہ شخص کہنے لگا کہ: "میں گواہی دیتا ہوں کہ (قدرت کی طرف سے حقیقی علم آپ کو عطا کیا گیا ہے اور آپ نے اُسے معدن علم سے حاصل کیا ہے، اور آپ نے جو کچھ بیان فرمایا ہے وہ بالکل حق ہے، واقعہ یہ ہے کہ:

میرے ہمسایوں میں سے ایک شخص میرے پاس آیا اور اُس نے پیشکش کی ہے کہ میں اسکی جائداد خرید لوں ۔۔۔ اور چونکہ میں جانتا ہوں کہ اس جائداد کو میرے علاوہ کوئی اور خریدنے والا نہیں ہے، اس لئے میں نے ارادہ کیا تھا کہ اس جائداد کی بہت معمولی قیمت ادا کر کے اس پر قبضہ کر لوں۔

حضرت نے پوچھا:۔۔۔ کیا وہ ہمارے چاہنے والوں میں سے ہے، اور ہمارے دشمنوں سے بیزار ہے۔؟

میں نے کہا:۔۔۔ "فرزند رسولؐ ۔۔۔ وہ بہت بابصیرت (مومن) اور نیکوکار انسان ہے ۔۔۔ دین کے معاملے میں بہت مستحکم ہے۔

" میں خداوند عالم کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں، اور آپ سے بھی معذرت چاہتا ہوں کہ میں نے اس کے بارے میں ایک نامناسب ارادہ کیا تھا۔

" اے فرزند رسولؐ ۔۔۔ یہ ارشاد فرمایئے کہ اگر وہ ناصبی ہوتا، تو کیا میں اُس کے ساتھ ایسا کر سکتا تھا، اور اُس کے مال کی معمولی قیمت ادا کر کے، اس پر قبضہ کر سکتا تھا۔؟

امامؑ نے فرمایا:-

(یاد رکھو) - اگر امام حسینؑ کا قاتل بھی تم سے نصیحت حاصل کرنا چاہے تو اس کو نصیحت کرو، اور تمہیں امین بنائے تو اس کی امانت ادا کرو۔

(دھوکہ دہی، کسی کے ساتھ بھی نہ کرنا چاہیے وہ اتنا بُرا اور ظالم ہو جیسے قاتلِ امامِ مظلومؑ -)

(حوالہ کیلئے دیکھئے۔

کافی: ۸ : ۲۹۳:۱۴:۲:۲۸۳)

خدمت گاروں کے ساتھ حسنِ سلوک

تاریخ انسانی کے ہر دور میں، معاشرہ مختلف طبقات پر مشتمل رہا ہے۔ کچھ صاحبانِ ثروت، کچھ درمیانے درجے کی زندگی گذارنے والے، اور کچھ فاقہ کش افراد۔

اب اگر معاشرے میں عدل پرور نظام قائم ہو تو فاقہ کش افراد بھی اپنی محنت و مشقت سے درمیانے درجے کی زندگی گذار سکتے ہیں، بلکہ مزید جدوجہد کر کے صاحبانِ ثروت میں شامل ہو سکتے ہیں۔

تنگدست افراد کی مالی پریشانیاں، انھیں محنت کی طرف ترغیب دیتی ہیں اور صاحبانِ ثروت کی ضروریات، اُن کے مال کا مصرف تلاش کرتی ہیں، جس کے نتیجے میں تنگدست افراد کی بھی ضروریاتِ زندگی کی تکمیل ہوتی ہے۔

انسانی معاشرے کی اس صورتِ حال کی نشاندہی، قرآنِ مجید میں اس طرح کی گئی ہے کہ:

... نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا، وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا، وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ۔

(ہم نے اُن لوگوں کے درمیان، اس دُنیاوی زندگی میں اُن کے اسبابِ معاش تقسیم کر دیتے ہیں، اور ایک کو دوسرے سے درجات میں بلندی عطا کی ہے، تاکہ اُن میں سے ایک دوسرے سے خدمت لے ۔۔ اور تمہارے پروردگار کی رحمت بہتر ہے اس مال و دولت سے جو یہ جمع کرتے ہیں)۔ (سورۂ زخرف آیت ۳۲)

لیکن اسی کے ساتھ خداوند عالم نے، خدمت لینے والوں پر یہ فرض قرار دیا کہ جن لوگوں سے خدمت لی جائے، ان کو اُن کا بہترین حق زحمت بھی دیا جائے، البتہ حضرات اہلبیت طاہرینؑ کی منزلت اتنی بلند ہے کہ وہ اپنے خدمت گاروں کو ان کا بہترین حقِ زحمت بھی ادا کرتے تھے، اور ان لوگوں سے خدمات کی انجام دہی میں کوتاہی ہوتی تھی، تو نہایت پاکیزہ انداز سے، انھیں اُن کی کوتاہیوں کی طرف توجہ دلا کر ان کی تربیت بھی فرماتے تھے

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا اپنے خدمت گاروں کے ساتھ کیسا سلوک تھا، اس کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ جسے جناب شیخ کلینی علیہ الرحمہ نے نقل کیا ہے:

حفص بن ابی عائشہ کا بیان ہے کہ:

"حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے خدمت گارؔ کو کسی کام کے لئے بھیجا۔

جب اس کی واپسی میں بہت زیادہ تاخیر ہوئی تو امام علیہ السلام اس کی تلاش میں نکلے کہ دیکھیں وہ کہاں ہے۔ کیا کر رہا ہے۔!

امام علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ ایک جگہ سو رہا ہے۔

آپؑ نے اسے بیدار نہیں کیا۔ بلکہ اس کے سرہانے بیٹھ گئے، اور اس پر پنکھا جھلنے لگے، یہاں تک کہ وہ خود ہی بیدار ہو گیا۔ تو آپؑ نے اس سے فرمایا۔

"اے بندۂ خدا! ... یہ مناسب نہیں ہے کہ تم رات دن سویا کرو۔ رات

۱؎ ملحوظ رہے کہ اس زمانہ میں عام طور سے غلام ہی گھروں میں کام کرتے تھے، اس لئے اس روایت میں بھی لفظ غلام آیا ہے جسے ہم نے خدمت گار لکھا ہے۔

تمہاری ہے (تاکہ آرام کر سکو) اور دن ہمارے لئے ہے (تاکہ گھر کے ضروری کام انجام پا سکیں)

(ملاحظہ فرمائیں:

"کافی" ۸،ص۴۰۸،حدیث ۵)

یہاں یہ بات خاص طور سے قابلِ غور ہے کہ امام علیہ السلام نے جس شخص کو کسی ضرورت کے تحت بھیجا تھا وہ آپ کا غلام تھا' جس کے ذمہ کچھ فرائض کی انجام دہی معین تھی۔

اُسے امامؑ نے بھیجا' اور وہ اس فریضہ کو انجام دینے کے بجائے ایک جگہ جا کر سو گیا۔

اور اتنی دیر تک سوتا رہا کہ اس کی واپسی میں تاخیر کے سبب' امام علیہ السلام کو اس کے بارے میں فکر لاحق ہوئی کہ وہ اس کام کو انجام دینے کے بعد اب تک واپس کیوں نہیں آیا۔؟

چنانچہ امام علیہ السلام بیت الشرف سے نکلے تاکہ اسے تلاش کریں۔

آپؑ نے دیکھا کہ وہ ایک جگہ سو رہا ہے تو آپؑ نے نہ اسے جگایا نہ اُس کے جسم کو جھنجھوڑا کہ یہ شخص اس کام کو انجام دینے کے بجائے یہاں آ کر سو رہا ہے' بلکہ آپ اس کے قریب بیٹھ کر پنکھا جھلنے لگے' کیونکہ سونے والے کے جسم کو راحت کی ضرورت رہتی ہے۔

اور جب وہ شخص بیدار ہوا تب بھی آپؑ نے نہ اُسے سخت سُست کہا نہ کوئی اذیت پہونچائی — بلکہ نرمی کے ساتھ سمجھایا کہ دن کا وقت کام کیلئے ہوتا ہے جبکہ آرام کیلئے رات ہے۔

مخفی داد و دہش

راہِ خدا میں خرچ کرنا، اُن صفاتِ حسنہ میں سے ہے، جو خداوندِ عالم کو بہت پسند ہے، اور قرآن مجید کی متعدد آیات میں بار بار اس کی نشاندہی کی گئی ہے۔

سورۂ مبارکہ البقرہ کی ابتدا ہی میں جہاں پرہیز گاروں کا تذکرہ ہے، راہِ خدا میں خرچ کرنے والوں کو یاد کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ قدرت ہے:

آلٓمٓ۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ

(ا۔ل۔م) یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں، سرچشمۂ ہدایت ہے پرہیز گاروں کیلئے، جو،

غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔

نماز قائم کرتے ہیں۔ اور

جو کچھ ہم نے دیا ہے اس میں سے (راہِ خدا میں) خرچ کرتے ہیں۔

(سورہ البقرہ آیت ۱تا۳)

راہِ خدا میں یہ داد و دہش ظاہر بظاہر بھی ہو سکتی ہے اور مخفی طور پر بھی۔ چنانچہ خداوندِ عالم نے قرآن مجید میں دونوں قسم کے انفاق کا ذکر فرمانے کے بعد یہ وضاحت بھی فرما دی کہ ان میں سے زیادہ باعثِ اجر و ثواب کون سا طریقہ ہے۔ ارشادِ قدرت ہے کہ:

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ

فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ...

اگر تم لوگ صدقہ (وخیرات) کو ظاہر کر دو تو بھی اچھا اور اگر اسے مخفی رکھو اور حاجت مندوں تک پہنچا دو تو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے

(سورۃ البقرہ آیت ۲۷۱)

جس کے ذیل میں ارباب تفسیر نے لکھا ہے کہ:

"راہِ خدا میں دینا عدل و انصاف ہے... سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کو پوشیدہ دینا بہتر ہے یا علانیہ۔ قرآنِ مجید میں اس سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ اگر ظاہر کر کے دو تو یہ بھی اچھا ہے (کیونکہ اس کے بعض مفید پہلو بھی ہیں)

لیکن زیادہ بہتر یہی ہے کہ پوشیدہ طور پر غریبوں (اور محتاجوں) کو دو تاکہ... جذبہ داد حاجت مندوں کی خودداری کی لاج بھی باقی رہ جائے... اور اس پوشیدہ انفاق کا اجر و ثواب بھی زیادہ ملے گا۔

(ملاحظہ فرمائیں: تفسیر فی ظلال القرآن، تفسیر تدبر قرآن وغیرہ)

حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام نے ظاہر بظاہر اور مخفی طور پر دونوں طریقے سے بندگانِ خدا کو اس قدر فیض پہونچایا کہ کبھی کوئی سائل اُن کے دروازے سے محروم نہیں گیا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اس قدر مخفی داد و دہش فرماتے تھے کہ کثرت ایسے لوگ جن کی ضروریاتِ زندگی امام علیہ السلام کے عطیات ہی سے پوری ہوتی تھیں انھیں خبر بھی نہ ہوتی تھی کہ یہ وسائلِ حیات کون بھیج رہا ہے؟ اور اگرچہ وہ لوگ امام علیہ السلام کے خلاف بدگوئی کرتے تھے، مگر امام علیہ السلام کی طرف سے جود و عطا کا سلسلہ جاری

دیتا تھا۔

چنانچہ علامہ رشید الدین محمد بن علی ابن شہر آشوب کی روایت ہے: ابو جعفر خثعمی کا بیان ہے کہ:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے سونے چاندی سے بھری ہوئی ایک تھیلی مجھے دی اور فرمایا کہ اسے فلاں شخص تک پہونچا دو، مگر اُن کو یہ مت بتانا کہ (یہ تھیلی) کس نے بھیجی ہے۔؟

راوی کہتا ہے کہ میں نے امام علیہ السلام کی ہدایت کے مطابق وہ مال اُس شخص تک پہونچایا جس نے وہ مال لینے کے بعد کہا:

"خدا جزائے خیر دے اُس شخص کو جس نے یہ مال میرے پاس بھیجا۔ اور وہ ہمیشہ اس قدر مال بھیجا رہتا ہے، جس سے میری زندگی (سکون سے) گذرتی ہے، لیکن (امام) جعفر صادق (علیہ السلام) تو ایک درہم بھی مجھے نہیں دیتے، حالانکہ اُن کے پاس دولت بہت زیادہ ہے۔

(ملاحظہ فرمایئے:
مناقب ابن شہر آشوب جلد ۴، صفحہ ۲۹)

جانوروں کے ساتھ احسان

قرآنِ مجید میں خالقِ دوجہاں نے بنی نوعِ انسان کے ساتھ احسان اور حُسنِ سلوک کا جابجا ذکر فرمایا ہے۔

کہیں گفتگو کے سلسلہ میں ارشاد ہوا کہ :

وَقُوْلُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا۔ (اور لوگوں سے اچھی بات کہو) ۔

(سورۃ البقرۃ آیت ۸۳)

کہیں حل کے سلسلہ میں ارشاد ہوا کہ :

فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَیْهِ بِاِحْسَانٍ۔ (بھلائی کے ساتھ اتباع اور حُسنِ سلوک کے ساتھ ادائیگی کرنی چاہیئے)

(" : ۱۷۸)

سلام بھی اچھی طرح سے کہنے کا حکم دیا گیا، جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے :

وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَا۔ (اور جب تمہیں سلام کیا جائے تو اس سے بہتر انداز سے تم سلام کرو)۔

(النساء : ۶)

اگر لوگوں کو نصیحت کرو، یا کسی سے بحث ومباحثہ ہو، تو اُس میں بھی احسن طریقہ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے :

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ۔

(اپنے پروردگار کے راستے کی طرف لوگوں کو حکمت ودانائی اور اچھی نصیحت کے ساتھ دعوت دو، اور اُن سے بہت ہی عمدہ انداز سے بحث کرو)۔

(سورہ النحل آیت ۱۲۵)

اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے سے ایک بار پھر لوگوں کو یہ پیغام دیا کہ جب بھی بات کریں تو ان کی گفتگو اچھی، شائستہ، مہذب اور عمدہ ہی طریقے سے ہونی چاہیئے، چنانچہ ارشادِ قدرت ہے:

وَقُل لِّعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ۔ (اور میرے بندوں سے کہہ دیجیے کہ (لوگوں سے) ایسی بات کہا کریں جو بہت پسندیدہ ہوں۔

ملاحظہ فرمایئے: سورۃ بنی اسرائیل آیت ۵۳

اور اہلبیت طاہرین علیہم السلام کا یہ امتیاز ہے کہ انہوں نے انسانوں کے ساتھ بھی حسن سلوک فرمایا ہے اور اللہ کی دیگر مخلوقات؛ جانوروں اور پرندوں کے ساتھ بھی احسان فرمایا ہے۔

اس سلسلے میں، ہم اختصار کو پیش نظر رکھتے ہوئے عالم اسلام کے مستند مصادر سے چند واقعات پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں، جس سے اندازہ ہوگا کہ ہمارے آئمہ طاہرین علیہم السلام نے کس طرح دیگر مخلوقات کے ساتھ حسن سلوک اور رحمدلی فرمائی ہے۔

صفوان بن یحییٰ کی روایت ہے کہ جناب جابر جعفی کا بیان ہے:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ساتھ میں ایک روز باہر نکلا تو دیکھا کہ ایک شخص بکری کے ایک بچے کو زمین پر لٹا کر ذبح کرنا چاہتا ہے۔

جب اس جانور نے امام علیہ السلام کو دیکھا تو ایک چیخ ماری۔ چنانچہ آپ وہاں ٹھہر گئے۔

اس شخص سے پوچھا "اس جانور کی کیا قیمت ہے۔؟

اس شخص نے کہا چار درھم۔

امام علیہ السلام نے اُسے چار درہم دیئے اور فرمایا کہ اس جانور کو راہِ خدا میں آزاد کر دو۔ چنانچہ اس شخص نے پیسے لے لئے اور اس جانور کو چھوڑ دیا۔

ہم لوگ کچھ اور آگے بڑھے تو دیکھا کہ ایک شاہین، ایک چکور کو پکڑنے کیلئے اُس کے تعاقب میں ہے۔

اُس پرندے نے بھی امامؑ کو دیکھا اور فریاد بلند کی تو امام علیہ السلام نے شاہین کی طرف دیکھ کر اپنی آستین کی طرف اشارہ کیا۔

شاہین نے امامؑ کا اشارہ دیکھا، اور اُس پرندے کا تعاقب چھوڑ کر چلا گیا۔

میں نے امامؑ سے عرض کیا کہ: میں نے آج، آپ کے ہمراہ، نہایت حیرت انگیز باتیں دیکھیں۔

آپؑ نے فرمایا کہ: وہ شخص بکری کے بچّے کو ذبح کرنے کیلئے زمین پر لٹا چکا تھا، لیکن جب اُس جانور نے مجھے دیکھا تو یہ آواز بلند کی:

اَسْتَجِیْرُ بِاللّٰہِ وَبِکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ مِمَّا یُرَادُ مِنِّیْ

"اے امامؑ۔ میرے بارے میں جو ارادہ کیا جا رہا ہے اُس سے خدا اور آپ اہلبیتؑ کی پناہ چاہتا ہوں)

اور اُس پرندے نے بھی یہی فقرے کہے تھے، چنانچہ میں نے دونوں کو آزاد کرا دیا۔

اگر ہمارے شیعہ (دین کے معاملے میں) پوری استقامت کے مالک ہوتے، تو ہم انھیں پرندوں کی آواز بھی سُنوا دیتے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں)

ملاحظہ فرمایئے:

الخرائج، راوندی جلد ۲ صفحہ ۶۱۶

۱۲-۲، ۷۹

حضرات آئمہ اہلبیتِ طاہرین علیہم السلام کی حیاتِ طیبہ کا مطالعہ کیا جائے، تو تقریباً ہر امام کی زندگی میں ایسے واقعات نظر آتے ہیں، کہ ان ہادیانِ برحق نے انسانوں کے علاوہ دیگر حیوانات، چوپایوں، پرندوں اور حشرات الارض کے ساتھ بھی انتہائی مشفقانہ سلوک فرمایا ہے۔

جیسا کہ مولائے کائنات امیرالمومنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کے بارے میں مختلف مکاتبِ فکر کے علماء اور محققین نے لکھا ہے کہ:

حضرت امیرالمومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام، مسجد کے ارادے سے اُٹھے جب صحن خانہ میں آئے تو گھر میں پلی ہوئی بطوں نے پر پھڑپھڑائے اور چیخنے چلانے لگیں۔

کسی نے ان بطوں کو ہٹانا چاہا تو فرمایا کہ:

"انھیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔ ابھی کچھ دیر کے بعد نوحہ و بکا اور نالہ و شیون کی آوازیں بلند ہونگی۔

حضرت امام حسنؑ یا جناب اُم کلثوم نے عرض کیا:

"بابا!۔ آج آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟

فرمایا:۔ کلمۂ حق تھا جو میری زبان پر جاری ہو گیا۔

پھر جناب اُم کلثومؑ سے فرمایا:

"بیٹی! یہ بے زبان جانور ہیں، ان کے آب و دانہ کا خیال رکھنا، اور اگر ایسا نہ کر سکو، تو انھیں رہا کر دینا، تاکہ یہ زمین پر چل پھر کر اپنا پیٹ پال سکیں۔

(سیرت المومنین۔ صفحہ ۹۰)

معجزات وکرامات

خداوندِ عالم نے اپنے انبیاء کو معجزات دیکر بھیجا تاکہ بنی نوعِ انسان کیلئے ان کے محیّر العقول کمالات دیکھ کر اُن کے دعوائے نبوت و رسالت پر ایمان لانا آسان ہو جائے۔

جیسے جناب موسیٰؑ کو پروردگارِ عالم نے نو معجزات عطا کر کے فرعون اور اسکے ساتھیوں جیسی سرکش قوم کی طرف بھیجا۔

ارشادِ قدرت ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ، فَسْئَلْ بَنِي إِسْرَائِيلَ إِذْ جَاءَهُمْ فَقَالَ لَهُ فِرْعَوْنُ ؛ إِنِّي لَأَظُنُّكَ يَا مُوسَىٰ مَسْحُورًا ۔

(بیشک) ہم نے موسیٰؑ کو نو (۹) واضح معجزے عطا کئے، تو (اے پیغمبر) آپ بنی اسرائیل سے پوچھئے کہ جب موسیٰؑ اُن لوگوں کے پاس (معجزات لیکر) آئے، تو فرعونؑ نے ان سے کہا کہ " اے موسیٰؑ۔ میرا خیال ہے کہ تم پر جادو کر دیا گیا ہے۔

(سورہ بنی اسرائیل آیت ۱۰۱)

اسی طرح جناب عیسیٰ علیہ السلام کو خداوندِ عالم نے متعدد معجزات عطا کئے۔:

وہ مُردوں کو زندہ کر دیتے تھے، اندھوں کو بینا بنا دیتے تھے، کوڑھی انسان کے جسم پر ہاتھ پھیرتے تو وہ تندرست ہو جاتا تھا۔

ارشادِ قدرت ہے: (کہ جناب عیسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو مخاطب کرکے فرمایا)

- اِنِّیْ قَدْ جِئْتُکُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ اَنِّیْ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَهَیْئَةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُنَبِّئُکُمْ بِمَا تَاْکُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِکُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۔

(میں تم لوگوں کے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی (معجزہ) لے کر آیا ہوں، میں گندھی ہوئی مٹی سے ایک پرندے کا پیکر بناؤں گا، پھر اس پر دَم کروں گا تو حکمِ خدا سے وہ اڑنے لگ جائے گا۔ میں خدا کے حکم سے مادر زاد اندھے (کو بینا) اور کوڑھی کو اچھا کردوں گا۔ اور جو کچھ تم لوگ کھاتے ہو، اور گھروں میں جمع کرتے ہو، میں (سب کچھ) تمہیں بتا دوں گا، بیشک اس میں تمہارے لئے نشانی ہے اگر تم صاحبِ ایمان ہو)

(ملاحظہ فرمائیں سورہ آلِ عمران آیت ۴۹)

اسی طرح اللہ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد مصطفےٰؐ کو بکثرت معجزات سے سرفراز کرکے بھیجا صاحبِ "مدینۃ المعاجز" نے آپ کے معجزات کی تعداد "۵۰۰" سے زیادہ لکھی ہے، البتہ آپ کے معجزات میں سب سے عظیم معجزہ قرآن جیسی کتاب اور اہلبیتؑ جیسے جانشین ہیں۔

اور چونکہ امامت بھی ایک الٰہی منصب ہے، جو خداوند عالم اپنے منتخب بندوں کو عطا کرتا ہے، تو جس طرح اُس نے انبیائے کرامؑ کو اُن کے منصب نبوت کے اثبات کے لئے معجزات و کرامات سے نوازا، اسی طرح ائمہ طاہرینؑ کو اُن کے

منصب امامت کے اثبات کیلئے معجزات وکرامات سے سرفراز فرمایا جن میں سے ہم تبرکاً چند باتوں کا ذکر کرتے ہیں۔

غیب وشہود سے باخبر

ہمارے جلیل القدر عالم دین، محقق ومفسر، اپنے زمانہ کے وہ بلند مرتبہ مرجع تقلید جنھیں "شیخ الطائفہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، یعنی حضرت شیخ طوسی علیہ الرحمہ کی روایت ہے: داؤد بن کثیر رقی کا بیان ہے کہ:

میں ایک روز حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک امام علیہ السلام نے مجھ سے ایک ایسی بات فرمائی جس کا ذکر میں نے اُس وقت تک کسی سے بھی نہ کیا تھا۔

فرمایا:- "اے داؤد" پنجشنبہ کے دن مجھے تمہارے اعمال کا مشاہدہ کرایا گیا، تو میں نے ان اعمال کے درمیان یہ بھی دیکھا کہ تم نے اپنے "فلاں" چچازاد بھائی کے ساتھ احسان کیا، صلۂ رحمی سے پیش آئے، جس سے مجھے بہت خوشی ہوئی۔

البتہ وہ شخص دنیا میں زیادہ دن زندہ رہنے والا نہیں ہے، اور جلد ہی اس کی مدتِ حیات ختم ہوجائے گی۔"

داؤد رقی کہتے ہیں کہ: واقعہ یہ تھا کہ میرا ایک چچازاد بھائی بہت ہی بدسرشت دشمن اہلبیتؑ اور ایک خبیث انسان تھا، لیکن جب مجھے پتہ چلا کہ وہ سخت مالی مشکلات میں ہے تو میں نے سفرِ حج پر روانہ ہونے سے پہلے اس کی مدد کیلئے ایک انتظام کیا اور اس کے بارے میں تحریر اسکے پاس بھیج دی، اسکے بعد میں مکہ مکرمہ چلا آیا (جبکہ میں نے کسی کو اسکے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا) لیکن جب میں مدینہ پہونچا تو امام علیہ السلام نے

اس کے بارے میں اظہارِ مسرت فرمایا۔

(بحار الانوار)

ذہن میں آنے والے خیالات کی اطلاع

عالمِ اسلام کی وہ معروف اور مقبول کتابیں، جن کو مصادر کی حیثیت حاصل ہے، ان کا بالاستیعاب مطالعہ کیا جائے تو ایسے سینکڑوں واقعات نظر آئیں گے جن کو پڑھ کر یہ اندازہ ہوگا کہ :

راوی نے اپنے ذہن میں کوئی خیال قائم کیا، اور امام کو خبر ہوگئی۔

یا کسی شخص نے اپنے دل میں کوئی ارادہ کیا کہ :

میں امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضری دوں گا تو فلاں فلاں مسئلے، یا فلاں شخص، یا فلاں واقعہ کے بارے میں امام سے دریافت کروں گا۔

لیکن جب وہ شخص امام کی خدمت میں حاضر ہوا تو قبل اس کے، کہ وہ اپنا سوال پیش کرتا، امامؑ نے اُسے جواب سے باخبر کر دیا۔

اور یہ بھی ہوا ہے کہ امامؑ کی خدمت میں آنے والوں سے امامؑ نے ارشاد فرمایا کہ :

"تم اپنا مدعا خود بیان کرو گے، یا میں بیان کر دوں۔"

اس سلسلے میں ہم چند واقعات ذکر کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں :

جبار بن کثیر تمیمی کہتے ہیں کہ میں نے حاکم مدینہ محمد بن حرب کو بیان کرتے ہوئے سنا:
میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا:
فرزندِ رسولؐ — میرے ذہن میں ایک سوال ہے۔ آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں۔
امام علیہ السلام نے فرمایا کہ: اگر تم چاہو تو تمہارے بیان کرنے سے پہلے ہی میں تمہیں بتادوں کہ تم مجھ سے کون سا سوال پوچھنا چاہتے ہو! — اور اگر چاہو تو تم خود ہی پوچھو!
میں نے عرض کیا: فرزندِ رسولؐ — جو سوال میرے ذہن میں ہے (میں نے کسی کو بتایا بھی نہیں ہے) وہ میرے بیان کرنے سے پہلے آپ کیسے بتادیں گے؟
فرمایا کہ: — "توسّم" (فراست و بصیرت) — اور "تفرس" (باطنی حالات کی خبر) کے ذریعہ سے۔
کیا تم نے قرآن کی یہ آیت نہیں سُنی، جس میں ارشادِ قدرت ہے کہ:
اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ
اور حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ:
اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ۔ (مومن کی فراست سے ہوشیار رہو، کیونکہ وہ خدا کے نور سے دیکھتا ہے)
(محمد بن حرب نے) کہا: فرزندِ رسولؐ پھر آپ ہی بیان فرمایئے کہ میں کیا پوچھنا چاہ رہا تھا۔؟
امامؑ نے فرمایا کہ: تم مجھ سے یہ سوال کرنا چاہ رہے تھے کہ (فتح مکہ کے موقع پر) جب ایک بت بلندی پر تھا، اور اسے توڑنے کے لئے ایک شخص کو دوسرے کے کاندھوں پر چڑھنا تھا، تو حضرت علیؑ نے، جو انتہائی بہادر اور طاقتور تھے، حضرت رسولِ خداؐ کو اپنے کاندھوں پر کیوں نہ اُٹھالیا۔؟

(محمد بن حرب نے کہا" بیشک میرے ذہن میں یہی سوال تھا جس کے بارے میں آپ سے دریافت کرنا چاہ رہا تھا...

وہ کہتے ہیں کہ امام علیہ السلام نے میرے اس سوال کے نہایت حیرت انگیز (اور نادر) جوابات مرحمت فرمائے۔

جس کے بعد میں اپنی جگہ سے اٹھا۔ اُن کے سر اقدس کا بوسہ لیا' اور (قرآن کی یہ آیت) پڑھی کہ:

اللّٰہُ یَعۡلَمُ حَیۡثُ یَجۡعَلُ رِسَالَتَہٗ (خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کن لوگوں کو اپنے پیغام کا امانت دار بنائے)

ملاحظہ فرمایئے: علل الشرائع: شیخ صدوق
اثبات الہداۃ: حر عاملی

یونس بن یعقوب کی روایت ہے کہ... (ایک مرد شامی سے ہشام بن حکم کا جو مناظرہ ہوا تھا اس میں ہشام نے امامت کے بارے میں ایسے مستحکم دلائل پیش کئے کہ وہ مرد شامی لاجواب ہو گیا):

ہشام سے کہنے لگا: اچھا بتاؤ اس وقت لوگوں کا امام اور حجت خدا کون ہے۔؟

(ہشام نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ) وہی — جو خود تو بیٹھے ہوئے ہیں اور لوگ جوق در جوق اُن کی خدمت میں حاضر ہو رہے ہیں' اور اپنے آباؤ اجداد کی نمائندگی کرتے ہوئے ہمیں آسمانوں کی باتیں بتا رہے ہیں!

مرد شامی نے کہا: مجھے کیسے پتہ چلے گا۔

ہشام نے کہا: جاؤ۔ ان سے جو چاہو دریافت کرو (حقیقت حال تم پر خود ہی واضح ہو جائے گی)

...جب وہ مرد شامی امامؑ کی خدمت میں پہونچا تو آپؑ نے فرمایا:

"اے شام سے آنے والے۔ کیا میں تمہیں بتاؤں کہ تمہارا سفر کیسا گذرا، کن راستوں سے تم یہاں تک پہونچے... (اور پھر اُس کے سفر کی پوری رُوداد امامؑ نے حرف بحرف بیان کر دی)۔

جس کے بعد وہ آپؑ پر ایمان لایا۔ کہنے لگا: میں خدا کو گواہ کر کے ابھی اسلام لاتا ہوں۔

امامؑ نے فرمایا کہ: (بلکہ یوں کہو کہ) میں خدا کو گواہ کر کے ایمان لاتا ہوں۔ پہلے اسلام، پھر ایمان!

اس نے کہا: ہاں فرزند رسولؐ۔ آپؑ نے سچ فرمایا۔ (اب میں ایمان لاتا ہوں اور) گواہی دیتا ہوں کہ:

"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمدؐ خدا کے رسول، اور آپؑ وصیٔ رسولؐ ہیں"

۵۵

اس واقعہ کو جناب احمد بن علی طبرسی نے کتاب "الاحتجاج" میں یونس یعقوب کے سلسلۂ سند سے۔

فضل بن حسن طبرسی نے اپنی کتاب "اعلام الورٰی" میں محمد بن یعقوب سے۔

اور جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب الارشاد" میں ابن قولویہ سے، اور انھوں نے محمد بن یعقوب سے نقل کیا ہے۔

(ملاحظہ فرمایئے:

اثبات الہداۃ جلد ۵ صفحہ ۳۳۶)

حاضر و غائب کا علم رکھنے والے

قرآن مجید کے انتیسویں (۲۹) پارہ میں ارشادِ قدرت ہے:

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ...

وہی غیب داں ہے اور اپنے غیب (کی بات) کسی پر ظاہر نہیں کرتا سوائے اُس پیغمبر کے جس کو وہ پسند کرے)

(سورہ مبارکہ جن آیت - ۲۶، ۲۷)

جس کے ذیل میں اربابِ تفسیر نے لکھا ہے کہ:

علم غیب کے بارے میں ایک قاعدہ کلیہ بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:
"عالم الغیب خدا ہے، وہ کسی کو بھی اپنے غیب کے اسرار سے آگاہ نہیں کرتا۔
اس کے بعد اس کلیہ سے استثناء کرتے ہوئے فرمایا:

إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ - (مگر وہ رسول کہ جسے اُس نے برگزیدہ کیا ہے) وہ اُسے جتنا چاہتا ہے، علم غیب کی تعلیم دیتا ہے، اور وحی کے ذریعہ اس تک پہنچاتا ہے

"

اور بات خود پیغمبر کے معصوم ہونے کی دلیل ہے کہ:
وہ غیبی قوتوں، اور خدائی امداد اور فرشتوں کی نگہبانی کے ذریعہ ... مامون محفوظ رہتا ہے)

(تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے: تفسیر نمونہ وغیرہ)

ہمارے ائمہ طاہرین علیہم السلام جو حضرت رسول خدا کے برحق جانشین بھی ہیں اور معصوم بھی۔

ان کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ کریں تو سینکڑوں ایسے واقعات سامنے آتے جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان ہادیانِ برحق کو پروردگار عالم نے غیب کے مخصوص اسرار سے باخبر کر رکھا تھا، جس کا وہ اپنے اصحاب کے سامنے اظہار بھی فرمایا کرتے تھے۔

اور جیسا کہ بلند مرتبہ عالم دین شیخ مفید علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے:

حضراتِ اہلبیت طاہرین علیہم السلام "غیب" کی باتوں سے باخبر تھے۔ اس سلسلے میں اس قدر کثرت آیات و روایات موجود ہیں جن کا ذکر طولِ کلام کا باعث ہوگا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے کہ:

عِلْمُنَا غَابِرٌ وَمَزْبُورٌ وَنَكْتٌ فِي الْقُلُوبِ، وَنَقْرٌ فِي الْأَسْمَاعِ، وَإِنَّ عِنْدَنَا الْجَفْرَ الْأَحْمَرَ وَالْجَفْرَ الْأَبْيَضَ وَمُصْحَفَ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ وَإِنَّ عِنْدَنَا الْجَامِعَةَ، فِيهَا جَمِيعُ مَا يَحْتَاجُ النَّاسُ إِلَيْهِ۔

ہمارا علم غابر بھی ہے مزبور بھی، دل پر نقش بھی، کانوں سے ٹکرانے والا بھی۔

ہمارے پاس جفرِ احمر بھی ہے، جفرِ ابیض بھی، اور مصحفِ فاطمہؑ بھی۔ اور ہمارے پاس "جامعہ" بھی ہے جس میں وہ تمام باتیں ہیں جن کی لوگوں کو ضرورت ہو سکتی ہے!

اور جب امامؑ سے اس کلام کی تشریح پوچھی گئی تو فرمایا:

"غابر" - ان باتوں کا علم جو (آیندہ) ظہور پذیر ہونے والی ہیں۔

"مزبور" ان باتوں کا علم جو (زمانہ گذشتہ میں) گذر چکی ہیں۔
"دل پر نقش" یعنی الہام، جو ہمارے قلوب پر خداوند عالم فرماتا ہے۔
"کانوں سے ٹکرانے والی" وہ باتیں جو فرشتے کرتے ہیں، جن کو ہم دیکھے بغیر سنتے ہیں۔
"جفر احمر" وہ ظرف جس میں حضرت رسولِ خداؐ کا اسلحہ رکھا ہے جسے قائم آل محمدؑ ظاہر کریں گے۔
"جفر ابیض" وہ ظرف، جس میں توریت، انجیل، زبور اور سابق آسمانی کتابیں رکھی ہیں۔
"مصحفِ فاطمہؑ" زمانہ میں جو باتیں رونما ہونے والی ہیں اور قیام قیامت تک جو لوگ سلطنت و حکومت کے مالک بننے والے ہیں، ان کے نام (اس صحیفے کے اندر موجود ہیں)
اور جہاں تک "جامعہ" کا تعلق ہے، تو یہ وہ تحریر ہے جسے حضرت رسولِ خداؐ نے لکھوایا اور حضرت امیرالمومنین علیؑ بن ابیطالب علیہ السلام نے اپنے دستِ مبارک سے لکھا۔
(اور یہ بھی یاد رکھنا کہ)، حضرت امیرالمومنینؑ کی حدیث: درحقیقت رسولؐ خدا کا بیان ہے، اور حضرت رسول خداؐ کا بیان درحقیقت خداوند عالم کا فرمان ہے۔

جناب ابو حمزہ ثمالی، جو اپنے زمانہ کے نہایت بلند مرتبہ عالم دین، اور اور صاحب معرفت عاشق اہلبیتؑ تھے۔ ان سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے "جناب موسیٰؑ کی الواح اور ان کا عصا ہمارے پاس ہے، اور

انبیائے کرامؑ کے وارث ہم لوگ ہیں۔"

(ارشاد شیخ مفید ۳۰۸)

عمرو بن ابان کی روایت ہے کہ:

"میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ:

"لوگ کہتے ہیں:

(حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے) کوئی مہر شدہ صحیفہ اپنی شریک حیات جناب اُمّ سلمہؓ کے سپرد فرمایا تھا اس کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں)؟ یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

جب حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحلت فرمائی تو اُن کی سند علم ان کے زیر استعمال اسلحوں اور جو چیزیں آپ کے پاس تھیں اُن کے وارث امیرالمومنین علی بن ابیطالب علیہ السلام قرار پائے۔

پھر وہ چیزیں (امیرالمومنینؑ کی شہادت کے بعد) امام حسن علیہ السلام کی طرف منتقل ہوئیں۔

آپؑ (کی شہادت) کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام کے سپرد کی گئیں۔

میں نے عرض کیا کہ:

(اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت امام علیہ السلام کی شہادت کے بعد وہ چیزیں امام زین العابدین علیہ السلام کو دی گئیں' ان کے بعد اُن کے فرزند حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کو' اور پھر اُن کے بعد وہ چیزیں آپ کی خدمت میں پہنچیں؟

امام نے فرمایا:۔ ہاں ایسا ہی ہے)

(صواعق المحرقہ ص۳۹)

شیخ مفید علیہ الرحمہ نے اس کے بعد ایک اور واقعہ نقل کیا ہے جس میں امام علیہ السلام نے پیشین گوئی کی تھی کہ بنی عباس عنقریب حکومت پر مسلط ہو جائیں گے اور اُن کے علاوہ جو لوگ بھی اس راہ میں کوششیں کر رہے ہیں سب کی مساعی رائیگاں جائیں گی، اور متعدد بلند مرتبہ اہلِ خاندان قتل کئے جائیں گے۔

شیخ مفید علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ:

"یہ حدیث بھی اسکے ماقبل والی حدیث کی طرح مشہور ہے کہ جس کی صحت کو علمائے آثار و احادیث نے تسلیم کیا ہے۔

اور یہ سارے واقعات، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی امامت اور آپؑ کی اعجازی شان کو بھی ثابت (اور نمایاں) کرتے ہیں۔

کیونکہ "غیب" کے امور کی آپ نے خبر دی ہے، اور جو واقعات مستقبل میں پیش آنے والے تھے ان سے لوگوں کو پہلے ہی باخبر کر دیا۔

جیسا کہ انبیائے کرام علیہم السلام (جو خداوندِ عالم کی طرف سے ہدایت کے منصب پر فائز تھے) پیش آنے والے واقعات سے لوگوں کو مطلع کرتے تھے۔

اور اُن کا اپنی قوم کو، مستقبل کی باتوں سے باخبر کرنا، ان کی صداقت، اور پروردگارِ عالم کی طرف سے ان کی نبوت کی علامت سمجھا جاتا تھا۔

(ارشادِ شیخ مفید ص۳۱۲)

محمد بن یعقوب کلینیؒ نے علی بن ابراہیم بن ہاشم سے، انہوں نے اپنے والد سے، اور انہوں نے متعدد لوگوں سے روایت کی ہے

یونس بن یعقوب کہتے ہیں کہ:

میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ وہاں شام سے ایک شخص آیا، اور امام علیہ السلام سے خطاب کر کے کہنے لگا۔

میں ایک ایسا شخص ہوں جس کے پاس علم کلام، علم فقہ، علم فرائض (جیسے بنیادی علوم کا خزانہ) ہے، میں آپ کے پاس اس لئے آیا ہوں کہ آپ کے ساتھیوں سے مناظرہ کروں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس سے دریافت فرمایا کہ:

جن (علوم وفنون) کے بارے میں تم گفتگو کر رہے ہو اُن (کے بارے میں تمہاری معلومات حضرت رسولِ خدا کی تعلیمات کی روشنی میں (حاصل ہوئی ہیں) یا خود تمہارے پاس سے ہیں؟

شامی نے کہا:۔ کچھ باتیں حضرت رسول خدا کی ہیں، اور کچھ میری اپنی ہیں:

امامؑ نے فرمایا:۔ کیا تم حضرت رسولِ خداؐ کے شریک کار ہو؟

شامی نے کہا:۔ نہیں تو۔

امام نے فرمایا:۔ (جس طرح پیغمبر اکرمؐ پر وحی نازل ہوتی تھی) کیا تم نے بھی خداوندِ عالم سے کوئی وحی سنی ہے؟

شامی نے کہا:۔ نہیں۔

امامؑ نے فرمایا:۔ تو کیا جس طرح حضرت رسولؐ خدا کی اطاعت واجب ہے اسی طرح تمہاری بھی اطاعت واجب ہے۔ (کہ تم نے اپنی باتوں کو حضرت رسولؐ خدا کی باتوں سے ملا دیا)؟

شامی نے کہا: نہیں

❁

یونس بن یعقوب کہتے ہیں کہ:

یہ سن کر امام علیہ السلام نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا:
یہ شخص (میرے ساتھیوں سے مناظرہ کرنے آیا ہے، لیکن) یہ تو بات کرنے سے پہلے ہی شکست کھا گیا!
(البتہ چونکہ یہ اپنا شوق پورا کرنے کا آرزومند ہے) لہٰذا تم جا کر دیکھو، کچھ لوگ جو (اس سے) بات کرنے والے ہوں انھیں بلا لاؤ۔
چنانچہ میں حمران بن اعین — محمد بن نعمان — ہشام بن سالم اور قیس الماصر کو بلا لایا۔
حج کا زمانہ قریب تھا، ہم لوگ حرم کے قرب و جوار میں، پہاڑی کی طرف، امام جعفر صادق کے خیمے میں بیٹھے تھے۔
جب سب جمع ہو گئے، تو امام علیہ السلام نے اپنے خیمے سے سر باہر نکالا تو انھیں دور سے اونٹ پر کوئی آتا ہوا نظر آیا۔ جسے دیکھ کر فرمایا:
"ہشام (بھی) آ گئے"
یونس بن یعقوب کہتے ہیں کہ ہمیں خیال آیا کہ اولادِ جناب عقیل میں سے ہشام نامی وہ شخص آیا ہے جو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بہت محبت کرتا تھا۔
لیکن آنے والے ہشام بن حکم تھے — اور جو لوگ اس وقت امام علیہ السلام کے پاس بیٹھے تھے، اُن میں سب سے زیادہ کمسن تھے، کیونکہ اُن کی داڑھی ابھی اُگ ہی رہی تھی۔
ہشام پہونچے تو امام علیہ السلام نے اُن کو ایک کشادہ جگہ بٹھایا (اپنی نشست کو ان کیلئے توسیع دی) اور فرمایا کہ:
اپنے دل، زبان اور ہاتھ سے ہماری نصرت کرنے والا (آ پہونچا)۔

چونکہ وہ مردِ شامی، امام علیہ السلام کے تمام ساتھیوں سے مناظرہ کرنا چاہتا تھا، اس لئے امام علیہ السلام نے ایک ایک کو موقع دینا شروع کیا) ؛

حمران سے فرمایا :۔ اس مردِ شامی سے گفتگو کرو۔

حمران نے شامی سے گفتگو شروع کی، اور اس پر غالب آگئے۔

پھر امام علیہ السلام نے محمد بن نعمان (الطاق) کو گفتگو کرنے کا حکم دیا۔

اور وہ بھی اس شامی پر غالب آگئے۔

اُن کے بعد ہشام بن سالم کی باری آئی — پھر قیس الماصر کو بات کرنے کا حکم دیا، اور اُنہوں نے بھی گفتگو کر کے اس مردِ شامی کو مبہوت کر دیا)

امام علیہ السلام مسکرا رہے تھے (ان کا ایک ایک شاگرد شام کے اُس عالم پر غالب آرہا تھا) اور وہ ان لوگوں کے سامنے ذلیل ہو رہا تھا۔

آخر میں امام علیہ السلام نے ہشام بن حکم کی طرف (اشارہ کر کے) اس مردِ شامی سے کہا۔

"اس لڑکے سے گفتگو کرو۔

اُس مردِ شامی نے کہا :۔ ہاں یہ ٹھیک ہے (یہ تو بہت ہی کمسن ہے)

پھر ہشام بن حکم اور مردِ شامی میں گفتگو شروع ہوئی تو ہشام نے پوچھا۔

"یہ بتایئے — خداوندِ عالم اپنی مخلوقات پر بہتر نظر رکھتا ہے یا خود مخلوقات اپنے معاملات کو زیادہ بہتر سمجھتے ہیں ؟

شامی نے کہا :۔ بیشک خداوندِ عالم اپنی مخلوقات پر بہتر نظر رکھتا ہے۔

ہشام بن حکم :۔ پھر یہ بتایئے کہ اُس نے لوگوں کے دین کے بارے میں کیا انتظام فرمایا۔ ؟

مردِ شامی :۔ اُن کو مکلّف بنایا۔ اُن پر حجّت قائم کی اور جن باتوں کا مکلّف

بنایا تھا۔ ان کی دلیل بھی بتائی اور اس سلسلہ میں ان کے شبہات کو زائل کیا۔

ہشام بن حکم :۔ خداوند عالم نے لوگوں کی ہدایت کیلئے کس کو حجت و دلیل قرار دیا؟

مرد شامی :۔ حضرت رسولخدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو۔

ہشام بن حکم :۔ اور حضرت رسول خدا کے بعد۔ ؟

مرد شامی :۔ کتاب و سنت کو۔

ہشام بن حکم :۔ یہ بتایئے آج (امامت کے مسئلہ میں ہم لوگوں میں آپس میں جو اختلاف ہے کیا (صرف) کتاب و سنت نے آج اُس مسئلے کو حل کر کے ہمارے درمیان سے اختلاف ختم کر دیا۔ ؟ اور ہمیں ایک نقطہ پر متفق کر دیا ہے؟

مرد شامی :۔ ہاں۔

ہشام بن حکم :۔ پھر ہمارے اور آپ کے درمیان اختلاف کیسے ہے کہ آپ کسی اور عقیدے پر ہیں، اور) آپ شام سے یہاں ہم سے مناظرہ کرنے آتے ہیں؟

آپ کا مسلک یہ ہے کہ "رائے" بھی دین کی راہ ہے جبکہ آپ کو خود بھی اقرار ہے کہ مختلف لوگوں کو ایک بات پر متفق کرنے کیلئے رائے کافی نہیں ہے۔

یہ سُن کر وہ مرد شامی خاموش ہو گیا، جیسے گہرے غور و فکر میں ڈوبا ہوا ہو۔

(جب بہت دیر تک وہ خاموش رہا تو) امام علیہ السلام نے اس سے فرمایا: "کیا ہوا۔ تم کچھ بول نہیں رہے ہو؟

کہنے لگا:۔ اگر میں یہ کہتا ہوں کہ ہمارے درمیان اختلاف نہیں ہے، تو یہ واضح غلط بیانی ہوگی۔ اور اگر یہ کہتا ہوں کہ صرف کتاب و سنت کی موجودگی سے ہی سارے اختلافات ختم ہو گئے تو یہ بات بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ کتاب و سنت (دونوں چیزیں الفاظ کا مجموعہ ہیں، اور اُن میں) تاویل کی گنجائش موجود ہے (لہذا صرف اُن کے ذریعے سے اختلاف اُمت ختم نہیں ہو سکتا)

البتہ ابھی میرے پاس ایک راستہ موجود ہے۔ اور وہ یہ کہ میں یہی سوال ہشام بن حکم سے کرتا ہوں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:۔

"پوچھ کر دیکھو، تم انھیں (علم و معرفت سے) مالا مال پاؤ گے۔"

مرد شامی نے ہشام کو مخاطب کر کے کہا:۔ اچھا تم بتاؤ، اپنے بندوں کا خداوند عالم زیادہ خیر خواہ ہے، یا خود بندے اپنے بارے میں بہتر نظر رکھتے ہیں۔

ہشام نے کہا: بیشک۔۔ خداوند عالم ہی بندوں کا زیادہ خیر خواہ ہے۔

مرد شامی:۔ تو کیا اس نے ان لوگوں کیلئے کسی ایسی ہستی کا انتخاب کیا جو انھیں ایک پرچم کے سائے تلے جمع کرے اور ان کے اختلافات ختم کرے، اور اُن کیلئے حق و باطل کو واضح کرے۔

ہشام بن حکم:۔ بیشک اس نے ایسا کیا۔

مرد شامی:۔ وہ کون سی ہستی ہے؟

ہشام بن حکم:۔ ابتدائے شریعت میں حضرت رسولِ خدا اور اُن کے بعد کچھ دوسرے حضرات۔

مرد شامی:۔ وہ دوسرے حضرات کون ہیں؟ جو حضرت رسولِ خدا کے قائمقام ہوں۔؟

ہشام بن حکم:۔ آپ اس وقت کی بات کر رہے ہیں یا پہلے کی؟

مرد شامی:۔ میں اس وقت کی بات کر رہا ہوں!

ہشام بن حکم:۔ اس وقت تو یہی (امام جعفر صادق علیہ السلام) خدا کی منتخب ہستی ہیں۔ جو آپ کے سامنے (تشریف فرما ہیں)، جن کے پاس تمام اطراف و اکناف سے، جوق در جوق لوگ علم و معرفت کے حصول کیلئے آ رہے ہیں

اور یہ اپنے آباو اجداد کی نیابت میں ہمیں آسمانی باتوں سے باخبر کر رہے ہیں۔

مردِ شامی :- میں کیسے سمجھوں -؟

ہشام بن حکم :- اِن سے پوچھ کر دیکھئے ، پتہ چل جائے گا۔

مردِ شامی نے کہا :- ہاں — یہ بات تم نے بالکل صحیح کہی ہے۔

اس کے بعد اُس مردِ شامی نے امام علیہ السلام کی طرف رُخ کیا : تو آپؑ نے فرمایا :

(میں تمہاری گتھی سلجھائے دیتا ہوں) :

" اے مردِ شامی !- میں تمہیں تمہارے سفر کے بارے میں بھی بتاتا ہوں ، اور راستے کے بارے میں بھی ... تم فلاں دن (وہاں جگہ) سے نکلے ، فلاں راستہ تم نے اختیار کیا ... (فلاں فلاں جگہوں) سے گذرے ... اور (فلاں فلاں باتیں تمہیں پیش آئیں۔

امام علیہ السلام اُس کی رُوداد سفر کے بارے میں جو کچھ بیان کرتے جاتے تھے ، وہ مردِ شامی اُس کے جواب میں کہتا جارہا تھا کہ :

" خدا کی قسم — آپؑ نے سچ فرمایا۔

جب امام علیہ السلام نے وہ تمام اُمور اسے بتادیئے جن کو اُس کے اور خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا تو وہ اپنے پرانے عقیدے سے تائب ہو کر کہنے لگا :

اب میں اسلام لاتا ہوں۔

امامؑ نے فرمایا :-

" (نہیں) — بلکہ یوں کہو کہ : " اب میں ایمان لاتا ہوں۔

اسلام تو ایمان سے قبل ہے (اور تم کلمہ پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل

ہو چکے تھے) اسی پر میراث کا قانون جاری ہوتا ہے' نکاح کا رشتہ قائم ہوتا ہے جبکہ ایمان وہ ہے جس پر لوگوں کو اجر و ثواب ملے گا۔

(جو ایمان سے محروم ہے وہ ثواب سے بھی محروم رہے گا)

شامی نے کہا:۔ بیشک۔ آپ نے سچ فرمایا' اب میں اس وقت گواہی دیتا ہوں کہ:

"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' حضرت محمد مصطفیٰؐ خدا کے رسول ہیں' اور آپ ان کے اوصیاء کے وصی (پیغمبر اسلامؐ کے جانشین برحق) ہیں۔

(بحار الانوار ج ۲۱۳' ص ۲۱۳)

لوگوں کے ظاہر و باطن کی خبر رکھنے والے

خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا مشہور فرمان ہے کہ :

اَلْمُؤْمِنُ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ ۔ (مومن — خدا کے نور سے دیکھتا ہے)

اور قرآن مجید میں اللہ کے نور کی توصیف ان الفاظ میں کی گئی ہے کہ :

... مَثَلُ نُوْرِہٖ كَمِشْكٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ، اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ، اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ، یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَیْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِیَّةٍ وَّلَا غَرْبِیَّةٍ، یَّكَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ، نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ، یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ، وَیَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ.

اس کے نور کی مثال ایسی ہے :

جیسے ایک طاق جس میں چراغ ہو۔

اور چراغ — شیشہ (کی قندیل) میں ہو۔

اور شیشہ (کی قندیل) ایک چمکتے ہوئے ستارے کے مانند ہو۔

(وہ چراغ) ایک بابرکت درخت زیتون (کے تیل) سے جلایا جاتا ہو۔

جو نہ مشرقی ہے نہ مغربی۔

وہ تیل، قریب ہے کہ، خود ہی روشنی دینے لگے، اگرچہ اُسے آگ نے چھوا بھی نہ ہو — نور کے اوپر نور ہے — خداوند عالم جسے چاہے اپنے نور کی طرف ہدایت کر دے۔

اور اللہ لوگوں (کو سمجھانے) کے لئے مثالیں پیش کرتا ہے —

(اور اللہ ہر چیز سے بخوبی واقف ہے)

ملاحظہ فرمایئے: سورۃ النور آیت ۳۵)

اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ایک "مومن" کی یہ شان ہے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے — تو جن خاصانِ خدا کو پروردگارِ عالم کی طرف سے یہ عظمت نصیب ہے کہ انھیں اہلِ ایمان کا پیشوا، تمام مخلوقات کا رہنما، حجتِ خدا اور نائبِ رسول قرار دیا گیا ہو اُن کے قلب کی نورانیت کا کیا حال ہوگا۔

اسی لئے تاریخ کی شہادت ہے کہ لوگ خلوت میں بھی اگر کوئی عمل انجام دیتے تھے تو ائمہ طاہرین کو خبر ہو جاتی تھی۔

چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک جلیل القدر صحابی بیان کرتے ہیں کہ:

میں دور دراز کا سفر کر کے مدینہ پہنچا، راستہ میں مجھے غسل کی حاجت پیش آئی تھی، اس لئے جب مدینہ پہنچا، تو غسل کیلئے، میں نے حمام کی طرف رُخ کیا۔

اثنائے راہ میں نے مومنین کے ایک گروہ کو امام علیہ السلام کے گھر کی طرف جاتے ہوئے دیکھا، تو مجھے شوق پیدا ہوا کہ میں بھی ان ہی لوگوں کے ساتھ امام کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں، ایسا نہ ہو کہ مجھے حمام میں تاخیر ہو اور پھر امام سے آج ملاقات کا موقع نہ ملے۔

یہ سوچ کر میں بھی مومنین کے اس گروہ میں شامل ہو کر امام علیہ السلام کے بیت الشرف میں داخل ہو گیا۔

لیکن جب میں وہاں جا کر بیٹھا تو امام علیہ السلام نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا۔

کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ انبیاء اور اولادِ انبیاء کے گھروں میں کسی ایسے شخص کو، جسے غسل کی حاجت ہو، غسل کئے بغیر داخل نہیں ہونا چاہیئے۔؟

یہ سن کر میں شرم سے پانی پانی ہو گیا، اور عرض کی:

"اے فرزندِ رسولؐ ۔۔۔ میں نے مومنین کے گروہ کو ادھر آتے ہوئے دیکھا تو مجھے اندیشہ لاحق ہوا کہیں ایسا نہ ہو کہ حمام میں مجھے تاخیر ہو جائے اور آج میں آپ کی زیارت سے محروم ہو جاؤں!

میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔۔

یہ کہہ کر میں وہاں سے نکلا (حمام جا کر غسل کیا، اور اس کے بعد امام کی خدمت میں حاضر ہوا)

(ارشاد شیخ مفید + بحار الانوار وغیرہ)

غلط ارادہ سے حاضر ہونے والوں کو تنبیہ!

صفوان بن یحییٰ کہتے ہیں کہ:

ایک روز جعفر بن محمد بن اشعث نے مجھے بتایا کہ:

(حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام) کے بارے میں نہ (پہلے) ہمارے (گھروں میں) چرچہ تھا' اور نہ دوسرے لوگوں کی طرح ہمیں اُن کی معرفت تھی۔

تمہیں معلوم ہے کہ کیا چیز سبب بنی کہ ہم لوگوں نے مذہب شیعہ اختیار کیا' اور امام وقت کو پہچانا ---؟

میں نے (اشتیاق ظاہر کرتے ہوئے) پوچھا: بتاؤ کیا بات سبب بنی؟ ۔ تو بتایا کہ:

"میرے والد محمد بن اشعث سے منصور دوانیقی نے فرمائش کی:

"اے محمد ۔ میرے لئے کوئی ایسا دانشمند آدمی تلاش کرو' جو میرا پیغام لوگوں تک پہنچائے۔

میرے والد نے کہا: آپ نے اچھی بات سوچی ہے' میرا ایک ماموں.. "ابنِ مہاجر" (کے نام سے مشہور ہے) وہ اس کام کے لئے بہت مناسب ہے'

منصور نے کہا اُن کو بلاؤ؛ تو میں اُنھیں بلا کر لایا۔

منصور نے اُن سے کہا کہ:

اے "ابنِ مہاجر" ۔ یہ مال لے کر مدینہ جاؤ' وہاں' عبد اللہ بن حسن' اور خاندانِ بنی ہاشم کے بہت سے لوگوں سے تمہاری ملاقات ہوگی' ان میں جعفر بن محمد (امام صادقؑ) بھی ہوں گے۔

مدینہ پہونچ کر تمام لوگوں سے کہنا کہ:

میں خراسان سے آیا ہوں، نووارد آدمی ہوں، وہاں آپ کے دوستدار (شیعہ حضرات) نے آپ لوگوں کیلئے یہ اموال بھیجے ہیں، میں یہ کچھ شرائط کے ساتھ آپ لوگوں تک پہونچا رہا ہوں۔

پھر جب وہ لوگ، مال لے لیں تو اُن سے کہنا کہ میں چونکہ (اُن لوگوں کی طرف سے) نمائندہ بن کر آیا ہوں، اس لئے آپ لوگوں کی تحریر، اور مال وصول کرنے کی رسید میرے پاس ہونی چاہیئے۔

"ابنِ مہاجر" ان ہدایات کے ساتھ مال لے کر مدینہ منورہ گیا اور بنی ہاشم کے لوگوں کے درمیان تقسیم کر کے واپس منصور کے پاس پہنچا، تو محمد بن اشعث بھی وہاں موجود تھا۔

منصور نے کہا کہ: سفر کی روداد سناؤ۔

اس نے کہا کہ میں اُن تمام لوگوں سے ملا، اور مال اُن تک پہونچا کر رسید بھی حاصل کر لی ہے۔

لیکن امام جعفر صادق علیہ السلام کا معاملہ الگ ہے۔

میں جب اُن سے ملاقات کے لئے گیا تو وہ مسجدِ نبویؐ میں مصروفِ عبادت تھے میں ان کے پیچھے بیٹھ کر انتظار کرنے لگا کہ وہ نماز سے فارغ ہوں تو میں اپنا مدعا بیان کروں۔

میرے دل میں ابھی یہ خیال آیا ہی تھا کہ امامؑ نے نماز تمام کی، اور مجھے مخاطب کر کے فرمایا:

اے (ابنِ مہاجر) — خدا سے ڈرو اور پیغمبرِ اکرمؐ کے اہلبیتؑ کو دھوکہ دینے کی (کوشش) نہ کرو۔

بنی مروان کی حکومت، ابھی تھوڑے ہی دنوں قبل ختم ہوئی ہے، اور ہمارے

خاندان کے لوگ (تقریباً) سب ہی ضرورت مند ہیں (تم لوگ اُن کی مجبوری سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہو)!

میں نے عرض کیا کہ فرزند رسولؐ آپ کا کیا مقصد ہے؟

یہ سن کر امام علیہ السلام نے، آہستہ سے، مجھے وہ تمام باتیں بتادیں، جو میرے اور تمہارے درمیان ہوئی تھیں۔

اور وہ ایک ایک بات اس قدر تفصیل سے بیان کر رہے تھے، گویا؛

جب میں اور تم گفتگو کر رہے تھے، تو ہم دو کے ساتھ تیسرے وہ خود ہوں!

یہ سن کر منصور بولا:

"اے ابن مہاجر ------! پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلبیتؑ میں کوئی نہ کوئی ایسا ضرور ہوتا ہے جس سے فرشتے، بات کرتے ہیں۔

اور ہمارے زمانے میں (حضرت) جعفر ابن محمدؑ (صادق علیہ السلام) ہی وہ شخصیت ہیں جن سے (فرشتے) بات کرتے ہیں۔

بس یہی بات میرے لئے دلیل بن گئی (اور میں نے مذہب اہلبیتؑ اختیار کر لیا)

(حوالہ کیلئے دیکھئے۔

اثبات الہداۃ جلد ۵ صفحہ ۳۴۰)

ایک کمسن بچے کی حیاتِ نو

جمیل کہتے ہیں کہ:

میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک خاتون درد و غم میں ڈوبی ہوئی آئی اور کہنے لگی کہ میرا بچہ دنیا سے گذر گیا، اور اس پر چادر ڈال کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں۔

امام علیہ السلام (کو چونکہ معلوم تھا کہ وہ بچہ مرا نہیں ہے، بلکہ اس پر طویل غشی کی کیفیت طاری ہے اس لئے) آپ نے اس سے فرمایا:

"تجھے کیا معلوم، ہو سکتا ہے کہ وہ نہ مرا ہو۔

تم اپنے گھر جاؤ غسل (اور وضو) کر کے دو رکعت نماز پڑھو اور خدا سے دعا مانگتے ہوئے (فریاد کرو)

"اے (وہ ذاتِ کردگار) جس نے اس وقت مجھے یہ تحفہ عطا فرمایا تھا، جبکہ یہ کچھ بھی نہ تھا، اپنے تحفے کی تجدید فرما دے۔ پھر اُس بچے کو ہلانا تو وہ اٹھ جائے گا، لیکن) یہ بات کسی کو نہ بتانا۔

وہ خاتون اپنے گھر گئی، اور امامؑ کی ہدایات کے مطابق عمل کیا، تو وہ بچہ (غش سے بیدار ہوا) اور اس کے رونے (کی آواز) آئی۔

(حوالہ صفحہ گذشتہ ۳۴۱)

مستقبل کی خبر

"دلائل حمیری" سے منقول ہے، جناب ابو بصیر کہتے ہیں کہ:

"ایک روز میں اپنے آقا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں بیٹھا تھا۔ امام علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا:

"کیا اپنے امامؑ کو پہچانتے ہو۔؟"

میں نے عرض کیا کہ خداوند وحدہٗ لاشریک کی قسم۔ آپؑ ہی امام وقت ہیں۔ یہ کہہ کر میں نے اپنا ہاتھ امامؑ کے چاہنے والوں کے زانو پر رکھ دیا [1]

---

[1] کیونکہ جناب ابو بصیر نابینا تھے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: سچ کہتے ہو۔ تم اپنے امام کو پہچانتے ہو۔ لہٰذا اُن ہی کے دامن سے وابستہ رہنا' اور ان ہی سے تمسک رکھنا۔

میں نے عرض کیا:۔ فرزندِ رسولؐ — میں چاہتا ہوں کہ آپ امام کی علامات بیان فرمائیں۔

فرمایا کہ: جب امام کو پہچان ہی چکے ہو' تو اب علامتیں کیوں دریافت کر رہے ہو؟

میں نے عرض کیا کہ:۔ اپنے ایمان میں اضافہ کے لئے۔!

فرمایا:۔ اے ابو محمد (ابوبصیر کی کنیت ہے)

جب تم کوفہ جاؤ گے تو تمہارے ہاں ایک فرزند کی آمد ہو گی جس کا نام "عیسیٰ" ہے' اس کے بعد ایک اور فرزند ہو گا اس کا نام "محمد" ہے۔ اور ان دو بیٹوں کے بعد خداوندِ عالم تمہیں دو بیٹیاں عطا کرے گا...

(ابوبصیر کا بیان ہے کہ: امامؑ کی پیشین گوئی کے مطابق مجھے خداوندِ عالم کی طرف سے دو بیٹے ملے اور دو بیٹیاں ملیں)

منتہی الآمال ۲: ۲۶۹و ۷۰)

مندرجہ ذیل روایت بھی نشاندہی کرتی ہے کہ حضرات ائمہ طاہرینؑ مستقبل کے حالات خوب جانتے تھے۔ حمزہ بن حمران کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "میرا پوتا خراسان کی سرزمین میں' طوس نامی جگہ پر شہید ہو گا' جو شخص معرفت کے ساتھ اسکی زیارت کیلئے جائے گا' میں ضمانت دیتا ہوں کہ روزِ قیامت اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے جنت تک لیجاؤں گا۔

(اثبات الہداۃ ج ۵ صفحہ ۳۵۰)

درندے بھی تابع فرمان ہیں

..ابوحازم عبدالغفار بن حسن کا بیان ہے منصور دوانیقی کے زمانہ کا واقعہ ہے اس دور کے برادرانِ اہلسنت کے بلند مرتبہ عالم دین اور معروف مذہبی پیشوا "ابراہیم بن ادھم" وارد کوفہ ہوئے، میں اُن کے ساتھ تھا۔

اتفاقاً اُسی زمانہ میں شیعوں کے امام حضرت جعفر صادقؑ بھی کوفہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ جب آپ کوفہ سے مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہونے لگے تو کوفہ کے علماء، فقہا، اور صاحبانِ علم و فضل آپؑ کو رخصت کرنے کیلئے نکلے، ان لوگوں میں سفیان ثوری اور ابراہیم بن ادھم بھی تھے۔

رخصت کرنے والوں کا مجمع بہت زیادہ تھا، کچھ لوگ امامؑ سے آگے چل رہے تھے کچھ امامؑ کے پیچھے تھے۔ سفیان ثوری اور ابراہیم بن ادھم اُن لوگوں میں سے تھے جو آگے آگے چل رہے تھے کہ اچانک اُن لوگوں کی نگاہ ایک شیر پر پڑی جو درمیانِ راہ کھڑا تھا۔

ابراہیم بن ادھم نے لوگوں سے کہا کہ: تم لوگ یہیں ٹھہرے رہو، یہاں تک کہ امام تشریف لائیں، تاکہ اس شیر کا ردِ عمل دیکھیں۔ چنانچہ سب لوگ وہیں ٹھہر گئے، کوئی آگے نہ بڑھا۔

جب امام علیہ السلام وہاں پہونچے اور شیر کو دیکھا، آپؑ اس کے پاس گئے، اور اس کا کان پکڑ کر راستہ سے ہٹا دیا۔ اس کے بعد اُن لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

آگاہ رہو۔ اگر لوگ خداوندِ عالم کی ویسی اطاعت کرتے، جو حق ہے، اطاعت کا، تو شیر سے باربرداری کا کام لے سکتے تھے۔ (مناقب ابن شہر آشوب ۲: ۲۹۲)

ہارون مکیؒ کیلئے آگ کا گلزار بن جانا

مامون رقی کہتے ہیں کہ میں اپنے آقا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپ کے پاس سہل بن حسن خراسانی آئے امامؑ کو سلام کیا۔ اور آپ کے پاس بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد کہنے لگے :

"اے فرزند رسولؐ۔ آپ اہلبیتِ پیغمبرؐ ہیں۔ خداوند عالم کی طرف سے آپ لوگوں پر درود و رحمت کا نزول ہوتا ہے (لوگوں پر حکومت کرنے کا حق بھی آپ ہی لوگوں کو ہے) اور اس وقت زمانہ کی فضا بھی آپ لوگوں کے حق میں سازگار ہے۔ پھر کیا رکاوٹ ہے کہ آپؑ نے گوشہ نشینی اختیار کر رکھی ہے، جبکہ ایک لاکھ تلواریں آپ کی حمایت میں اٹھنے کو تیار ہیں۔

یہ سن کر امام علیہ السلام نے ایک دُعائیہ کلمہ فرمایا' اور سہل بن حسن خراسانی سے کہا کہ : ابھی یہیں بیٹھے رہنا۔ پھر گھر کی خدمت گار (حنیفہ) سے کہا کہ : تنور میں آگ روشن کرو۔

خادمہ نے تنور میں اچھی طرح آگ روشن کردی۔ جس کے شعلے بلند ہونے لگے۔ اُس وقت امامؑ نے اس خراسانی سے کہا کہ اٹھو۔ اور اس تنور کے اندر جا کر بیٹھ جاؤ۔

اُس خراسانی نے کہا : میرے آقا۔ آپ مجھے آگ میں جلانا چاہتے... معاف کر دیجئے!۔

امامؑ نے فرمایا کہ : معاف کر دیا۔

اُسی وقت جناب ہارون مکیؒ اپنی جوتیاں ہاتھ میں لئے ہوئے وارد ہوئے' اور امام علیہ السلام کو سلام کیا' امامؑ نے جواب سلام کے بعد فرمایا۔

(ہارون مکی) — جوتیاں الگ رکھو — اور جاؤ تنور میں بیٹھ جاؤ۔
راوی کہتا ہے کہ: یہ سنتے ہی ہارون مکی نے جوتیاں الگ پھینکیں — اور تنور میں جا کر بیٹھ گئے۔
امام علیہ السلام نے اس شخص خراسانی کو مخاطب کر کے خراسان کی ایک ایک بات اس قدر تفصیل سے بیان کرنی شروع کی، جیسے وہاں کی ہر ہر چیز کا آپ اس وقت اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہوں۔
(بہت دیر تک خراسان کے تفصیلی حالات بیان کرنے کے بعد) حسن بن سہل خراسانی سے آپ نے فرمایا:
"اٹھو! اور جا کر تنور کے اندر دیکھو۔
سہل بن حسن خراسانی کہتے ہیں کہ میں اٹھ کر تنور کے پاس گیا، اس کے اندر نگاہ کی تو دیکھا کہ ہارون مکی (نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ) تنور کے اندر بیٹھے ہیں (اور ان کے ارد گرد آگ کے شعلے نہیں بلکہ چمن کے پھول کھلے ہوئے ہیں)
اس کے بعد (امامؑ کی اجازت سے) ہارون مکی تنور سے باہر آئے، اور ہم لوگوں کو سلام کیا۔
امامؑ نے سہل بن حسن خراسانی سے پوچھا کہ: خراسان میں اس جیسے (باوفا، مخلص، جاں نثار اور بلاچون وچرا اطاعت کرنے والے) کتنے لوگ ہیں؟
کہنے لگے کہ: "ایک بھی نہیں!
فرمایا کہ: ہم ایسے زمانہ میں (کیسے) اپنے حق کے حصول کیلئے (اقدام کر سکتے ہیں؟) ہم جانتے ہیں کب اور کس قدر قدم اٹھانا ہے،

(ملاحظہ فرمایئے مناقب ابن شہر آشوب ۴، ۲۳۷، منتہی الآمال)

تہمت لگانے والے کی بربادی

صفوان جمال کی روایت ہے کہ ، منصور نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہا کہ :

مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ کا عقیدت مند، معلی بن خنیس، "لوگوں کو آپ کی خلافت کی دعوت دیتا ہے، اور آپ کیلئے مال اسباب جمع کرتا ہے ۔

امام نے فرمایا کہ... ہرگز ایسا نہیں ہے ۔

منصور نے کہا کہ میں اس شخص کو آپ کے سامنے بلاتا ہوں، جس نے مجھے یہ اطلاع دی ہے ۔

چنانچہ وہ شخص بلایا گیا ۔

جب وہ آیا تو امام علیہ السلام نے فرمایا : کیا تم نے یہ سب کہا ہے ؟

اس نے کہا :۔ جی ہاں ۔ اس خداوند عز وجل کی قسم جو عالم الغیب والشہادۃ ہے، جو رحمٰن ورحیم ہے، میں نے یہ اطلاع دی ہے (اور میں اپنی بات پر قائم ہوں)

بعض روایتوں میں ہے کہ امام علیہ السلام نے اس کو تنبیہ فرمائی کہ الزام تراشی سے باز آجاؤ ورنہ بہت برے انجام کا تمھیں سامنا کرنا پڑے گا ۔

لیکن وہ شخص اپنی ضد پر قائم رہا، تو منصور نے اس سے قسم کھانے کو کہا، اور اس نے ان الفاظ کے ذریعہ سے قسم کھائی جو اوپر ذکر کئے گئے ۔

مذکورہ بالا قسم میں چونکہ خداوند عالم کی عظمت وجلالت، اس کی رافت و رحمت کا تذکرہ ہے جس کے ذریعہ عذاب الٰہی دور ہوتا ہے، اس لئے امام علیہ السلام نے اس شخص کو مخاطب کر کے فرمایا :

تم خداوند عالم کی خاص مدح وثناء کر کے، اس کے عذاب کو مؤخر

کرنا چاہتے ہو؟ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو اس طریقے سے قسم کھاؤ، جو میں بتاتا ہوں:

کہو: بَرِئتُ مِنْ حَوْلِ اللّٰہِ وَقُوَّتِہٖ وَالجَئتُ اِلٰی حَوْلِیْ وَقُوَّتِیْ اِن...

(اگر میں نے خلافِ حقیقت بات کہی ہو تو میں خدا کے حول و قوت سے نکل کر اپنی قوت کی پناہ میں آتا ہوں۔

اس شخص نے ان ہی الفاظ کے ساتھ قسم کھالی۔

ابھی اس نے قسم کے الفاظ زبان پر جاری کئے ہی تھے کہ زمین پر گرا اور مر گیا۔

یہ منظر دیکھ کر منصور نے امام علیہ السلام سے (معذرت کی اور) کہنے لگا کہ آئندہ میں آپ کے خلاف کسی کی بات نہیں سنوں گا۔

(حوالہ کیلیے ملاحظہ فرمائیں

اثبات الہداۃ جلد ۵ صفحہ ۳۴۹)

اس واقعہ کو برادرانِ اہلسنت کے نہایت جلیل القدر عالم دین شیخ سلیمان بن ابراہیم قندوزی نے بھی اپنی مشہور کتاب ینابیع المودۃ میں درج کیا ہے۔

وہ لکھتے ہیں کہ:

جب بنی عباس کا دوسرا حکمران، منصور دوانیقی حج کے لئے گیا تو اس سے ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادقؑ کے خلاف شکایت کی۔

اس نے پوچھا کہ: قسم کھا سکتے ہو؟۔

تو اس نے باللہ العظیم۔ (وغیرہ جیسے جلیل القدر) الفاظ کے ساتھ قسم کھائی، جو خداوند عالم کی عظمت و جلالت کو بیان کرنے والے ہیں۔

یہ سن کر امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

(اے حاکم وقت)۔ اس شخص سے کہو کہ اس طریقے سے قسم کھائے، جیسے میں کہتا ہوں — اور امام نے اُن ہی الفاظ کے ساتھ قسم کھلوائی جس کا اوپر ذکر گذرا۔

شیخ سلیمان قندوزی لکھتے ہیں کہ:

پہلے تو اس نے ان الفاظ کے ساتھ قسم کھانے سے انکار کیا، لیکن جب اسے تنبیہ کی گئی تو اس نے اُن ہی الفاظ کے ذریعہ قسم کھائی، اور فوراً ہی اسکی دروغ بیانی ظاہر ہوگئی کہ:

قسم کھاتے ہی وہ زمین پر گرا اور مر گیا۔ جس کے بعد منصور نے امام علیہ السلام سے معذرت کی، اور کہا کہ، بیشک آپ بری الزمہ ہیں۔

(حوالہ کیلئے ملاحظہ فرمایئے:

ینابیع المودۃ، شیخ سلیمان قندوزی جلد ۳ ص ۱۱۲)

قبر میں سوئے ہوئے انسان کی گواہی

اپنے زمانہ کے نہایت مشہور و معروف شاعر "سید حمیری" — (جن کا پورا نام: ابو ہاشم اسماعیل بن محمد حمیری ہے) — کہتے ہیں کہ:

میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر گذارش کی:

"اے فرزندِ رسولؐ —

مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ نے میرے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

(انجام کار) میرے لئے کچھ نہیں ہے! — حالانکہ میں نے ساری زندگی آپ حضرات سے محبت کی ہے۔ اور آپ کے مخالفین کی مذمت کرتا رہا ہوں۔

یہ سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا کہ :

کیا تم محمد بن حنفیہ (کی امامت کا عقیدہ نہیں رکھتے ؟ اور اُن کے بارے میں یہ اشعار نہیں کہے ہیں کہ :

حتی متی ؟ والی متی ؟ وکم المدیٰ

یا ابن الوصی وانت حی ترزق

ثاوی برضوی لاتزال ولا تری

وبنا الیک من الصبابۃ اولق

(اے وصی پیغمبر کے فرزند آپ کب تک اور کتنی مدت تک زندہ رہیں گے روزی حاصل کرتے رہیں گے اور رضویٰ نامی پہاڑ کے اندر اپنے قیام کو طول دیتے رہیں گے، وہیں ٹھہرے رہیں گے اور ہم لوگوں کو دکھائی بھی نہ دیں گے۔ جبکہ ہم لوگ آپ کے عشق و محبت میں دیوانے رہیں گے)

و

(اے حمیری) — کیا تمہارا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ :

محمد حنفیہ ہی قائم آلِ محمد ہیں — رضویٰ (نامی پہاڑ کی) گھاٹی میں فروکش ہیں۔ ان کے داہنے اور بائیں (دونوں طرف) دو شیر اُن کی حفاظت کر رہے ہیں!

افسوس !—

(تم نے اتنا بھی نہ سوچا کہ) : حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام، حضرت امام حسین علیہما السلام کا درجہ تو محمد بن حنفیہ سے بہت بلند ہے، پھر بھی وہ لوگ اس دارِ فانی سے رخصت ہو گئے (لیکن محمد بن حنفیہ کو موت نہیں آ سکتی، گویا دونوں طرف بیٹھے ہوئے شیر اُن کو بچاتے رہیں گے) ؟

سید حمیری نے پوچھا کہ : کیا اُن کے مرنے کے سلسلے میں کوئی دلیل و برہان ہے؟

فرمایا:۔ بیشک ہے میرے پدر بزرگوار (حضرت امام محمد باقر علیہ السلام) نے مجھے بتایا ہے کہ (جب محمد بن حنفیہ کا انتقال ہوا تو) انھوں نے ان کی نماز جنازہ پڑھی ۔۔۔ اور اُن کی تدفین کے موقع پر موجود تھے ۔

اور ۔۔۔ اب میں تمہیں ایک اور (بالکل واضح اور روشن) نشانی دکھاتا ہوں ۔

یہ فرمانے کے بعد امام علیہ السلام نے سید حمیری کا ہاتھ پکڑا، انھیں اپنے ساتھ لے کر چلے، اور ایک قبر کے پاس پہونچ کر، کچھ دعا پڑھی اور قبر پہ ہاتھ مارا تو قبر شگافتہ ہو گئی، اور اس میں سے ایک شخص برآمد ہوا۔ جس کے سر اور داڑھی کے بال سفید تھے، اور اس کا چہرہ اور سر سب خاک آلود تھا۔

اس شخص نے براہ راست سید حمیری کو مخاطب کیا۔

"اے ابوہاشم ۔۔۔ مجھے پہچانتے ہو۔ ؟"

میں نے کہا:۔ نہیں ۔

اُس نے کہا:۔ میں محمد بن حنفیہ ہوں ۔

(اور یاد رکھو کہ): امام حسینؑ کے بعد امام وقت: علی بن الحسینؑ (زین العابدینؑ) ہیں، ان کے بعد امام محمد باقرؑ اور اُن کے بعد یہ (امام جعفر صادقؑ) ہیں ۔

اتنا کہنے کے بعد وہ پھر قبر کے اندر واپس چلے گئے اور (مشیت پروردگار سے) وہ قبر دوبارہ برابر ہو گئی ۔

(۷)

سید حمیری نے اس کے بعد اپنے عقیدے کی اصلاح کی، اور مندرجہ ذیل اشعار کہے:

تجعفرت باسم اللہ، واللہ اکبر

وایقنت ان اللہ یعفو و یغفر

ودنت بدين غير ما كنت دائنا

به، ونهاني سيد الناس جعفرؑ

فاني إلى الرحمن من ذاك تائب

واني قد اسلمت، والله اکبر

(خدا بزرگ و برتر ہے، اور میں اسی کے نام پر، اب امام جعفر صادق کی پیروی کرتا ہوں، اور مجھے یقین ہے کہ خدا کی مغفرت اور اُس کا عفو و درگذر میرے شامل حال رہے گا۔

میں نے اب جو دین اختیار کیا ہے، وہ میرے گذشتہ دین سے مختلف ہے کیونکہ تمام بنی نوع انسان کے سید و سردار (حضرت جعفر صادقؑ) نے مجھے اُس (سابقہ دین) پر باقی رہنے سے منع کیا ہے۔

تو اب میں، اپنے ماضی (کے دین) کے بارے میں خداوند عالم کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں، اب میں نے (دین حق کو) تسلیم کر لیا ہے۔ بیشک خدا بڑے بزرگ و برتر ہے)

(حوالے کیلئے دیکھئے:

مدینۃ المعاجز، الثاقب فی المناقب صفحہ ۳۹۵/۳۹۶

منتہی الآمال ۲: ۲۸۱، ۲۸۲)

آپ کی دُعا اور اُسکی فوری تاثیر

پروردگارِ عالم نے دعا کو اس قدر اہمیت دی ہے کہ سورۂ مبارکہ "الفرقان" میں واضح طور سے اعلان فرمادیا کہ "اگر تم لوگ دعا نہ کروگے تو خدا کو تمھاری پرواہ بھی نہیں ہے"

ارشادِ قدرت ہے:

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ۔

(کہہ دیجئے کہ اگر تمہاری دعا نہ ہوتی، تو میرا پروردگار تمہاری مطلق پرواہ نہ کرتا)

(سورۃ الفرقان آیت ۷۷)

حقیقت یہ ہے کہ اگر اس کی شرائط کو پیشِ نظر رکھا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ:

دعا انسان کی خودسازی کا ایک مؤثر ذریعہ ہے اور خدا اور انسان کے درمیان ایک مضبوط رابطہ ہے:

(جس کی) سب سے پہلی شرط تو یہ ہے کہ انسان جس کو پکار رہا ہے اور جس سے دعا مانگ رہا ہے اس کی معرفت رکھتا ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ: انسان اپنے دل و دماغ کو ہر قسم کی آلائشوں سے پاک صاف کرے، اور اس سے مانگنے کیلئے اپنی روح کو آمادہ کرے، کیونکہ جب انسان کسی سے ملنے کیلئے جاتا ہے تو اس کی ملاقات کے لئے تیاری بھی کرتا ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ: انسان جس سے مانگ رہا ہے اسکی رضا و خوشنودی

حاصل کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے کیونکہ اس کے بغیر دعا کی قبولیت کے آثار بہت کم نظر آتے ہیں۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ: اس کام کیلئے انسان اپنی پوری توانائیاں صرف کیجیے پھر ہاتھوں کو دعا کیلئے اٹھائے، اور اپنی قلبی توجہ اپنے خالق کی طرف مبذول کرلے۔"

(مزید تفصیلات کیلئے دیکھئے:

تفسیر نمونہ جلد ۱۵ ص ۱۵۲)

اور چونکہ انبیائے کرام اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کی دعاؤں میں مذکورہ بالا شرائط بدرجہ اتم موجود ہوتی تھیں اس لئے وہ فوراً مستجاب ہوتی تھیں، جیسا کہ تاریخ سیرت کی کتابیں ایسے سیکڑوں واقعات سے پر ہیں۔ ہم یہاں بطور نمونہ ایک واقعہ نقل کرتے ہیں۔

جیسے ہمارے نہایت بلند مرتبہ عالم دین، فقیہ عصر اور مرجع تقلید حضرت آقائے شیخ مفید علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ:

خاندانِ بنی عباس کے شہزادوں میں سے، داؤد بن علی... نے آپؑ کے ایک وفادار صحابی کو شہید کردیا... اور آپؑ کو اس قدر اذیت پہونچائی کہ آپؑ نے اس سے فرمایا:

اَمَا وَاللهِ لَاَدْعُوَنَّ عَلَيْكَ (۔میں تیرے خلاف بددعا کروں گا)

اس نے تمسخر کرتے ہوئے کہا "آپ مجھے اپنی بددعا سے ڈراتے ہیں۔۔

اس کے بعد امام علیہ السلام اپنے بیت الشرف میں تشریف لائے، عبادت و مناجات میں مصروف ہوگئے۔

جب وقتِ سحر آیا، تو آپ کے لبوں پر مندرجہ ذیل دعا تھی:

يَاذَا الْقُوَّةِ الْقَوِيَّةِ ، وَيَاذَا الْمِحَالِ الشَّدِيدِ ، وَيَاذَا الْعِزَّةِ الَّتِي كُلُّ خَلْقِكَ لَهَا ذَلِيلٌ ، اِكْفِنِي هٰذِهِ الطَّاغِيَةَ وَانْتَقِمْ لِي مِنْهُ.

(اے انتہائی عظیم قوت والے۔

اے سخت گرفت والے۔

اے وہ صاحب عزت۔جس کے سامنے تیری سب مخلوق عاجز ہے۔

اِس سرکش (شخص) سے مجھے بچا، اور اُس سے انتقام لے)

راوی کا بیان ہے کہ :

امام علی السلام نے یہ دعا فرمائی ہی تھی، کہ ایک گھنٹہ کے اندر داؤد بن علی چل بسا اور اس کے گھر سے نالہ و شیون کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔

ملاحظہ فرمایئے: ارشاد شیخ مفید ؒ ص۳۰۶

شیطانی راستہ ترک کرنے والے کو جنّت کی ضمانت

اسلامی تعلیمات پر نظر رکھنے والے اشخاص جانتے ہیں کہ جنّت تو پرہیزگار انسانوں کی جگہ ہے۔

جیساکہ ارشادِ قدرت ہے

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ

(اور جنّت پرہیزگاروں کے نزدیک لائی جائے گی۔)

(سورۂ شعراء آیت ۹۰)

اور فائز المرام، اور جنّت کے حقدار بننے والے پرہیزگار صاحبانِ ایمان کی صفات بھی، خالقِ کائنات نے اپنی مقدس قرآن مجید میں، نہایت تفصیل سے بیان فرمادی ہیں۔ ہم صرف تیمناً اٹھارہویں پارہ کے ابتدائی حصّے سے ایک اقتباس پیش کرنے سعادت حاصل کررہے ہیں۔

ارشاد قدرت ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤمِنُوْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلٰوتِھِمْ خَاشِعُوْنَ۔ وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فَاعِلُوْنَ۔ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ حَافِظُوْنَ۔

یقیناً فلاح یافتہ ہیں وہ صاحبانِ ایمان جو اپنی نماز میں (خوفِ خدا سے) ڈرتے ہیں اور ـــ جو بیہودہ باتوں سے منہ موڑ لیتے ہیں، اور جو زکواۃ (ادا) ادا کرتے ہیں ـــ اور جو اپنی شرمگاہوں کو (حرام باتوں سے) بچاتے ہیں)۔

(سورہ المومنون آیت ۱ تا ۵)

اس سورہ میں چند آیات کے بعد کچھ اور صفات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ۔ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُونَ أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ۔ الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ۔

اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد (و پیمان) کا پاس و لحاظ رکھتے ہیں، اور جو اپنی نمازیں پابندی (سے ادا کرتے) ہیں؛ یہی وہ لوگ ہیں جو جنّت الفردوس کے وارث بنیں گے ـ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے)

(" آیت ۸ تا ۱۱)

اس آیت نے اس حقیقت کو اَلَم نشرح کر دیا ہے کہ جنّت الفردوس کے حقدار وہی لوگ ہوں گے جو اُن اعلیٰ صفات کے حامل ہوں، جن کا تذکرہ مذکورہ بالا آیات میں کیا گیا ہے۔

انبیائے کرام اور ائمۂ طاہرین علیہم السلام کو پروردگارِ عالم نے اسی لئے بھیجا کہ وہ بنی نوعِ انسان کو جہنّم کے شعلوں سے بچانے اور جنّت الفردوس کی نعمتوں کا حقدار بنانے کا راستہ بتائیں۔

اب جن لوگوں نے ان ہادیانِ برحق کی تعلیمات کو حرزِ جاں بنایا، اور اُن ہدایات کی

روشنی میں اپنی زندگی کو سنوارنے کی کوشش کی، وہ یقیناً نجات پائیں گے۔

ان میں کچھ تو ایسے خوش نصیب جو شروع سے ہی ان خاصانِ خدا کی تعلیمات پر عمل کر کے دنیا میں سعادت، اور آخرت میں پروردگارِ عالم کی عظیم نعمات کے حقدار بنے اور جنت الفردوس کے فرشتوں نے ان کا استقبال کیا۔

اور بعض ایسے افراد جو سر سے پیر تک گناہ میں ڈوبے ہوئے تھے، حضرات ائمہ طاہرینؑ نے انھیں بھی اپنی حکیمانہ تعلیم اور مدبرانہ ہدایت سے صراطِ مستقیم دکھائی، اور وہ سیدھے راستے کے مسافر بن کر اس دنیا میں گناہوں کی آلودگی سے پاک، اور اگلی زندگی میں جنت الفردوس کے حقدار بنے۔

حضرت امام جعفر صادق کی بزم میں بیٹھنے والوں میں سے ایک نہایت بلند مرتبہ اور جلیل القدر عالم و دانشور، معروف صحابی جناب ابوبصیر کی روایت ہے کہ:

"میرا ایک پڑوسی تھا، جس کا تعلق ظالم حکمرانوں سے تھا، ان ہی ظالموں کی داد و دہش سے وہ عیش و نشاط کی محفلیں گرم کرتا تھا، گانے والیوں کو بلاتا تھا اور لہو و لعب کے شوقین افراد کو جمع کرتا تھا، محفلِ عیش و طرب سجائی جاتی تھی، شراب کا جام بھی چلتا تھا اور رقص و سرود کا دور بھی۔

گھر سے گانے، موسیقی، اور لہو و لعب کی آوازیں بلند ہوتی رہتی تھیں، جس کی وجہ میں انتہائی اذیت کی زندگی گذار رہا تھا ــ میں نے اپنے پڑوسی کو کبھی یارانِ شیطانی کاموں سے باز آنے کی تاکید کی، اور اپنی پریشانی کا شکوہ کیا، مگر اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

آخر کار میں نے ایک روز اسے بہت زیادہ تنبیہ و سرزنش کی، اسے بتایا کہ تم انتہائی غلط راستے پر چل رہے ہو، اور تمہاری وجہ ہم لوگ جو تمہارے پڑوسی ہیں، مستقل طور پر تکلیف و پریشانی میں مبتلا ہیں)

جب میں نے اسے ان شیطانی کاموں سے روکنے کی بہت زیادہ کوشش کی

تو کہنے لگا۔

دیکھئے! ۔ صاحب بات یہ ہے کہ میں شیطان کے شکنجے میں بُری طرح پھنسا ہوں جبکہ آپ اس کے شکنجے سے آزاد ہیں ۔۔ اگر آپ اپنے آقا حضرت امام جعفر صادق کی خدمت میں جائیں اور اُن سے میرے حالات کا ذکر کریں تو امید ہے کہ اُن کے فضل و کرم اور ان کی دُعا سے، میں ہوا و ہوس کی غلامی اور شیطان کے شکنجے سے آزاد ہو جاؤں گا!

ابو بصیر کہتے ہیں کہ اس شخص کی بات کا میرے دل پر ایک خاص اثر ہوا۔ پھر میں نے کچھ دن انتظار کیا، یہاں تک کہ کوفہ سے مدینہ منورہ جانے کا پروگرام مرتب کیا۔

جب مدینہ منورہ پہونچا تو امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل کیا، اور اپنے اُس پڑوسی کی بات امام علیہ السلام تک پہنچائی (کہ وہ کہتا ہے کہ اگر آپ چاہیں، تو میں اِس آلودگی کی زندگی سے نجات حاصل کر سکتا ہوں)۔

اس کی بات سُن کر امام علیہ السلام نے فرمایا:

• جب تم کوفہ جاؤ گے تو وہ شخص تم سے ملنے آئے گا، اُس سے کہہ دینا کہ:

• جن غلط کاموں، اور، پیشِ پروردگار ناپسندیدہ اعمال کو انجام دے رہے ہو انھیں ترک کرو تو میں خداوندِ عالم کی بارگاہ میں تمہارے لئے جنّت کا ضامن بنتا ہوں۔

۰

ابو بصیر جب مدینہ منورہ سے کوفہ واپس آئے تو شہر بھر کے نمایاں افراد اُن سے ملاقات کیلئے آئے ۔۔ اُن میں وہ شخص بھی تھا ۔۔ جب ملاقات کے بعد لوگ رخصت ہونے لگے تو اس نے بھی جانا چاہا، لیکن میں نے اسے روک لیا۔

جب میرا گھر تمام ملاقاتیوں سے خالی ہو گیا، اور صرف وہ شخص باقی رہا تو میں نے اُسے بتایا کہ:

• میں نے تمہاری رُوداد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بیان کی، اور

تمہاری فرمائش بھی اُن کی خدمت میں پیش کی، تو امام علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا کہ:
"جب کوفہ جانا تو اُس شخص کو میرا سلام کہنا اور بتادینا کہ " تم اِن کاموں کو ترک کردو۔ میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔"
وہ شخص یہ جملہ سُن کر رونے لگا، اور گریہ وزاری کے عالم میں مجھ سے دریافت کیا۔
"میں تمہیں خدا کا واسطہ دے کر دریافت کرتا ہوں کہ کیا امام جعفر صادق علیہ السلام نے میرے لئے واقعاً ایسا ہی فرمایا ہے۔؟
میں نے قسم کھاکر اُسے یقین دلایا کہ: واقعاً امام علیہ السلام نے ایسا ہی فرمایا ہے یہ سن کر وہ شخص کہنے لگا:۔ "بس! میرے لئے یہی کافی ہے۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔
اُس نے اپنے معمولات مکمل طور پر تبدیل کرلئے، اور ظالم حکمرانوں سے اُسے جو کچھ ملا تھا اس نے ہر چیز اپنے گھر سے نکال دی۔ یہاں تک کہ اُس زمانہ کی کوئی چیز بھی اسکے پاس باقی نہ رہی، اور اب وہ محنت ومشقت کے قابل بھی نہیں رہ گیا تھا کہ اپنے لئے کسب حلال سے کچھ چیزیں جمع کرتا،
ایک روز اُس نے مجھے اپنے گھر بلالیا اور بتایا کہ:
"میرے گھر میں جو کچھ موجود تھا، چونکہ صحیح ذرائع سے میں نے حاصل نہیں کیا تھا، اس لئے ساری چیزیں میں نے اپنے گھر سے ہٹادیں، اور اب میری حالت یہ ہے کہ میرے جسم کیلئے لباس بھی میسّر نہیں ہے۔
میں نے مختلف ذرائع سے اُس کے لئے لباس وغیرہ فراہم کیا، اور اب وہ شخص نہایت سادہ وپاکیزہ زندگی گذارنے لگا۔ یہاں تک کہ اسکی موت کا زمانہ نزدیک آیا تو اُس نے مجھے دوبارہ اپنے پاس بلایا اور کہا کہ: "میں بیمار ہوں آپ میرے پاس آتے رہیں۔

چنانچہ میں اُس کے پاس برابر جانے لگا، اور اُس کے علاج معالجے کی سبیل کرتا رہا۔
یہاں تک کہ اُس پر موت کے آثار نمایاں ہوئے تو میں اس کے سرہانے ہی بیٹھا تھا۔
اچانک اُس پر غشی طاری ہوئی، پھر تھوڑی دیر بعد غشی سے افاقہ ہوا تو مجھ سے کہنے لگا:

"اے ابو بصیر تمہارے آقا نے مجھ سے جس بات کا وعدہ کیا تھا، اُسے پورا کر دیا۔
یہ جملہ اس نے کہا اور دنیا سے رخصت ہو گیا۔

(۵)

جب اس واقعے کے بعد حج کا زمانہ آیا، اور میں حج کے ارادہ سے روانہ ہوا۔
اور مدینہ منورہ پہونچا تو امام جعفر صادق علیہ السلام کی زیارت کیلئے اُن کے در دولت پر پہونچا،
اندر جانے کی اجازت حاصل کرنے کے بعد ابھی میں نے دالان کے اندر پہلا قدم ہی رکھا تھا کہ امام علیہ السلام نے اپنے کمرے سے مجھے آواز دی:
"اے ابو بصیر! میں نے تمہارے پڑوسی سے جو وعدہ کیا تھا، اُسے پورا کر دیا۔"
(ملاحظہ فرمائیے، مناقب ابن شہر آشوب جلد ۴ صفحہ ۲۶۱)

اس واقعہ کو غور سے پڑھنے والا، بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ:
سچی توبہ کس قدر دور رس ہوتی ہے اور اَلتَّائِبُ مِنْ ذَنْبِہٖ کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَہٗ
(جو شخص اپنے گناہ سے توبہ کرے وہ ایسا ہے جیسے اُس کے ذمہ کوئی گناہ ہے ہی نہیں)
ناقص فہم رکھنے والے خیال کرتے ہیں کہ توبہ صرف تلفظ لسانی سے ہو جاتی ہے کہ

۱۔ ایک مختصر فرق کے ساتھ، ایسا ہی واقعہ "علی ابن حمزہ" کے سلسلۂ سند سے بھی نقل ہوا ہے۔

اعمال شبِ قدر میں جب دو رکعت نمازِ شبِ قدر پڑھنے کے بعد ہم نے ستر مرتبہ کہا۔
اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ (ہم اللہ سے مغفرت طلب کرتے ہیں اور اسکی بارگاہ میں توبہ کرتے ہیں۔
تو ہم سمجھے کہ سال بھر میں ہم نے جو ستر (۷۰) گناہ کئے تھے وہ سب معاف ہو گئے۔
حالانکہ کتنے لوگ ہوں گے جن کے گناہوں کی تعداد سال میں صرف ستر (۷۰) ہو۔

ذرا احساب کر کے دیکھیں:
ہم روزانہ کتنے گناہ اپنی آنکھوں سے کرتے ہیں؟
کتنے گناہ ہماری زبان کرتی ہے۔
ہمارے کان روزانہ کتنے گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں؟
ہمارے ہاتھ پیر کتنے گناہوں میں شریک رہتے ہیں۔
اور ہمارے دیگر اعضاء و جوارح سے کس قدر گناہ سرزد ہوتے ہیں!

غور کیجیے کہ اس شخص نے جب سچی توبہ کرنا چاہی تو اس نے اپنے گناہ کے زمانے کے تمام آثار مٹا دیئے، جو رقوم اُسے غلط ذرائع سے حاصل ہوئی تھیں انھیں یا تو اُن کے مالکوں تک پہنچایا، اور جن لوگوں تک رسائی کا امکان نہ تھا، انکی طرف سے ان کی رقم راہِ خدا میں صدقہ کردی، گھر کا وہ تمام اثاثہ، جس کے بارے میں اُسے اطمینان نہیں تھا کہ حلال ذریعے سے حاصل ہوا ہے اسے ہٹا دیا۔ یہاں تک کہ جسم کے کپڑے بھی ختم کردیئے تاکہ گناہ آلود زندگی کا کوئی اثر باقی نہ رہے اور خداوندِ عالم سے یہ درخواست کر کے کہ پالنے والے میں نے تمام غلط، مشکوک اور ناجائز چیزوں کو اپنے سے دور کر دیا، اب مجھے سیدھے راستے پر گامزن رہنے اور حق کی راہ پر گامزن رہنے، اور حق کی راہ پر ثباتِ قدم کے ساتھ چلتے رہنے کی توفیق عطا فرما!

امامؑ کی ضمانت کی تاثیر

"ضمانت" فقہ اسلامی کا ایک اہم باب ہے جس کی تفصیلات کو ہمارے علمائے اعلام اور فقہاء و مجتہدین نے شرح و بسط کے ساتھ اپنی تالیفات میں بیان کیا ہے۔

قرآن مجید میں بھی متعدد مقامات پر اس کا تذکرہ موجود ہے جیسے جناب یوسفؑ کے واقعات میں درج ہے کہ جب آپ عزیزِ مصر بنے اور کچھ لوگ غلّہ لینے آئے اور شاہی پیمانہ کے بارے میں تلاش و جستجو شروع ہوئی تو جناب یوسفؑ کے عمال نے اعلان کیا کہ جو شخص اس پیمانے کو تلاش کرے گا اس کو انعام دیا جائے گا، اور میں اس کا ضامن ہوں۔

قرآن مجید میں اس واقعے کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ:

...وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ۔ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ۔

(اور وہ) ان لوگوں کی طرف بڑھے (پوچھا) تم لوگ کیا چیز تلاش کر رہے ہو۔؟

ان لوگوں نے کہا کہ ہم لوگ شاہی پیمانہ تلاش کر رہے ہیں، جو شخص لائے گا اُسے (انعام کے طور پر) ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر غلّہ ملے گا، اور میں اس وعدے کا ضامن ہوں۔

(ملاحظہ فرمایئے، سورۂ یوسف آیت ۷۱،۷۲)

حضرات اہلبیت طاہرین علیہم السلام کو پروردگار عالم نے وہ عظمت و جلالت عطا فرمائی ہے کہ اگر یہ کسی کی ضمانت لے لیں تو یقینی طور پر اس کی دُنیا و آخرت،

دونوں سنور جائے۔

اوران حضرات کواگرچہ دنیاوالوں نے ان کے منصبِ حکومت واقتدار سے محروم رکھا، لیکن عام بنی نوعِ انسان کے دلوں میں ان خاصانِ خدا کا خصوصی احترام تھا۔اسی لئے مؤرخینِ کرام نے اس بات کی گواہی دی ہے کہ :

اگرچہ گردنوں پر حکومت، سلاطینِ زمانہ کی تھی۔ مگر دلوں پر حکومت آلِ محمدؑ کی تھی۔

چنانچہ اگر کسی ظالم وسفاک انسان کے پاس بھی، آپ حضرات نے یہ پیغام بھیج دیا کہ ہم نے فلاں شخص کی ضمانت لے لی ہے، تو وہ شخص نہ صرف امامؑ کی ضمانت کو قبول کرتا تھا، بلکہ جس کی امام نے ضمانت لی ہو، اس کا ادب واحترام کرنے لگتا تھا، چنانچہ :

برقی کی روایت ہے :

یزید بن عمر ابن ہبیرہ کے غلام رفید کا بیان ہے کہ :

"میرا مالک ابن ہبیرہ مجھ پر اس قدر غضبناک ہوا کہ اس نے مجھے قتل کرنے کی قسم کھالی۔ چنانچہ میں نے اُس کے پاس سے بھاگ کر امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں پناہ لی، اور آپؑ کو ابنِ ہبیرہ کے بارے میں بتایا کہ وہ مجھے قتل کرنے کا پوری طرح تہیّہ کرچکا ہے۔

امامؑ نے فرمایا: اُس کے پاس جاؤ اور اُسے میری طرف سے سلام کہو اور یہ بتادو کہ میں نے تمہارے غلام رفید کو پناہ دی ہے، تو وہ تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہونچائے گا۔

میں نے کہا:۔ فرزندِ رسولؐ، وہ شامی ہے، اور انتہائی بدعقیدہ شخص ہے۔

امامؑ نے فرمایا، تم اُس کے پاس جاؤ اور اسی طرح عمل کرو، جیسے میں

کہہ رہا ہوں۔
چنانچہ میں وہاں سے اپنے مالک کی طرف روانہ ہو گیا۔
جب میں ایک وادی سے گذر رہا تھا تو مجھے ایک قیافہ شناس دیہاتی ملا۔ اور مجھ سے پوچھا:
"تم کہاں جا رہے ہو۔ میں تمہارے چہرے کو دیکھ رہا ہوں کہ۔ یہ ایک مقتول کا چہرہ ہے۔
پھر کہا کہ: "مجھے اپنا پیر دکھاؤ۔ میں نے پیر دکھایا تو کہنے لگا کہ، یہ بھی مقتول کے پیر ہیں۔
پھر کہا کہ مجھے اپنا بدن دکھاؤ۔ میں نے بدن دکھاؤ تو بولا کہ:۔ یہ بھی ایک ایسے شخص کا بدن ہے، جو قتل کیا جانے والا ہے۔
اس کے بعد کہا کہ: مجھے اپنی زبان دکھاؤ۔ میں نے زبان دکھائی تو کہنے لگا "تم اپنا سفر جاری رکھو، تمہیں کوئی گزند نہیں پہونچے گی۔ کیونکہ تمہاری زبان پر ایک ایسا عظیم الشان پیغام ہے، جسے اگر بلند و بالا پہاڑوں کو بھی سنایا جائے تو وہ اطاعت کریں گے۔
اس کے بعد رفید نے اپنا سفر جاری رکھا اور اپنے مالک کے پاس پہونچ گیا۔
ابن ہبیرہ نے اسے دیکھتے ہی کچھ کر رسیوں سے جکڑ دیا، ایک چمڑا منگا کر زمین پر بچھا دیا جس پر مجھے قتل کرنا چاہتا تھا، اور تلوار بھی ہاتھ میں لے لی:
جب وہ ساری تیاری کر چکا تو میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد گرامی اسے سنا دیا، جسے سنتے ہی اس نے مجھے آزاد کر دیا۔
اور صرف آزاد کرنے پر اکتفا نہیں کی، بلکہ مجھے یہ اعزاز بھی دیا کہ اپنی مہر میرے سپرد کر دی اور کہنے لگا کہ:۔ "اب میرے تمام معاملات، تمہارے اختیار

میں رہیں گے۔ جیسے چاہو کرو۔

(حوالہ کیلئے ملاحظہ فرمائیے:
اثبات الہداۃ جلد ۵ صفحہ ۳۳۷)

اس واقعہ پر غور کرنے سے چند باتیں واضح نظر آتی ہیں:۔

"ابن ہبیرہ" حضراتِ اہلبیتِ طاہرین علیہم السلام کے عقیدت مندوں میں سے نہیں تھا، بلکہ شام کے حکمرانوں کا عقیدت مند تھا۔

اُس نے اپنے غلام رفید' کی کسی بات پر غضبناک ہو کر اُسے قتل کرنے کی قسم کھالی تھی، جس کے بعد وہ اس کے پاس سے بھاگ کر مدینہ پہنچا' اور پھر امام کے فرمان کے مطابق اپنے مالک کے پاس واپس گیا۔

ابن ہبیرہ نے چونکہ اس کو قتل کرنے کی قسم کھا رکھی تھی، اس لئے جیسے ہی رفید پر اسکی نظر پڑی' اُس نے اسے اپنی گرفت میں لے کر رسیوں سے جکڑ کر زمین پر لٹا دیا' اور تلوار سے اس کا گلا کاٹنا ہی چاہتا تھا کہ، رفید نے اسے بتایا۔

"حضرت امام جعفر صادقؑ نے تم کو سلام کہا ہے۔ اور مجھے پناہ دی ہے۔"

یہ سنتے ہی ابنِ ہبیرہ نے اسے چھوڑ دیا۔ اور چونکہ امام علیہ السلام نے اسے پناہ دی تھی' اس لئے ابنِ ہبیرہ نے اس ضمانت کا اس قدر احترام کیا کہ:

اپنے تمام معاملات کا اختیار اپنے اس غلام رفید کے ہاتھ میں دے دیا۔

حضراتِ اہلبیتِ طاہرین علیہم السلام سے عشق و محبت کا دعویٰ کرنے والے حضرات' خاص طور سے اس بات پر غور کریں کہ:

ہم میں کتنے لوگ ایسے ہیں' جن کو امام علیہ السلام کا واسطہ دیا جائے تو وہ اپنے بدترین

مجرم کی سخت سے سخت غلطی و کوتاہی معاف کر دیں۔؟

کتنے لوگ ایسے ہیں جن کے سامنے حضراتِ ائمہ طاہرین علیہم السلام کا کوئی فرمان سُنایا جائے تو اُس فرمان کو سُن کر بے چون و چرا اس پر عمل کے لئے آمادہ ہو جائیں۔

کتنے لوگ ایسے ہیں، جو اپنا غصہ صرف اس لئے ترک کر دیں اور قصور وار کو اس کے قصور کی سزا نہ دیں کہ امامِ وقت نے غصہ کرنے سے منع کیا ہے؟

یاد رکھیے!

اہلبیت طاہرینؑ کا وفادار وہی ہے جو اُن کے فرمان کو حرزِ جان بنائے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی پوری کوشش کرے۔

امامؑ کے دستِ مبارک سے

قبالۂ جنّت

قرآن مجید میں خالقِ دو جہاں نے کچھ لوگوں کو جنت کا "وارث" قرار دیا ہے۔
جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے:

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ

(یہی لوگ تو (سچے) وارث ہیں، جو (جنت) الفردوس کے ورثہ دار ہونگے۔
اور وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں) (سورۂ المومنون آیت ۱۰-۱۱)

اور کسی کے مال کا "وارث" — وہی ہوتا ہے جس کا استحقاق دوسرے تمام لوگوں سے زیادہ ہو۔

چنانچہ شیخ فتح اللہ اپنی تفسیر میں اس آیت کے ضمن میں تحریر فرمایا ہے کہ:

وراثت مستعار است برای استحقاق ایشان فردوس را بجہت اعمال حسنہ، ہمچو استحقاق وارث میراث را بہ نسب۔

(جس طرح کوئی شخص نسبی قرابت کی بنا پر (دنیاوی مال و اسباب کا) وارث بنتا ہے، اسی طرح اللہ کے نیک بندے اپنے نیک اعمال کی وجہ سے جنت الفردوس کا استحقاق رکھتے ہیں۔

اس طرح آیت میں لفظ وراثت، استعارہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے

(ملاحظہ فرمائیں تفسیر کبیر منہج الصادقین جلد ۶ صفحہ ۲۱۱)

اب پوری کائنات کے صاحبانِ ایمان کے درمیان جن حضرات کی نیکیاں سب سے زیادہ

ہونگی، وہی جنت کے وارث بننے کا سب سے زیادہ استحقاق رکھتے ہوں گے۔
عالمِ عرب کے مشہور و معروف شاعر، جناب فرزدق نے ان ہی خاصانِ خدا کی مدح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

إِلَيْهِ يَنْتَهِي الشِّيَمُ (ساری نیکیوں کی انتہا ان ہی طرف ہے)

اب جو حضرات جنّت الفردوس کے حقیقی وارث ہیں اُن ہی کو یہ حق ہے کہ ان لوگوں اپنے جود و کرم سے نوازیں، اور اُس دارِ نعیم کی راحتوں سے فیضیاب ہونے کا موقع فراہم کریں ــــــ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل واقعہ قابلِ ذکر ہے:
قطب راوندی اور ابنِ شہر آشوب کی روایت ہے: ہشام بن حکم کا بیان ہے کہ:
جبَل کے سلاطین میں سے ایک شخص، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بہت محبت کرتا تھا، ہر سال امام علیہ السلام کی زیارت کا شرف حاصل کرنے کیلئے اپنے وطن سے سفرِ حج اختیار کرتا تھا (تاکہ مقدس و بابرکت ایامِ حج میں امام سے فیض حاصل کرسکے) جب مدینہ منوّرہ آتا تھا تو امام علیہ السلام اسے مہمان رکھتے تھے، اور اُس شخص کو چونکہ امام علیہ السلام سے بہت زیادہ محبت تھی، اس لئے وہ کافی دنوں تک امام علیہ السلام کے یہاں مہمان رہا کرتا تھا....
ایک دفعہ.... امامؑ نے اُس کے لئے ایک مکان کا قبالہ عطا فرمایا، جس میں لکھا تھا:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یہ ایک مکان کا قبالہ ہے جسے جعفر بن محمدؑ نے فلاں بن فلاں جبلی کیلئے خریدا ہے۔
یہ مکان جنت الفردوس میں واقع ہے ــ اور اس کے چاروں طرف

کی حدیں مندرجہ ذیل ہیں۔

پہلی سرحد :۔ حضرت رسولِ خداؐ کے مکان سے، دوسری سرحد حضرت امیرالمومنین علیؑ بن ابی طالبؑ علیہ السلام، تیسری سرحد امام حسن مجتبیٰؑ اور چوتھی حد، حضرت امام حسینؑ (کے مکان سے ملتی ہے)...

وہ شخص اس قبالہ کو لے کر خوشی خوشی اپنے گھر گیا، ہمیشہ اس تحریر کو اپنے پاس رکھا پھر جب اُس کی مدتِ حیات پوری ہونے لگی اور آثارِ موت نمودار ہوئے تو اس نے اپنے تمام گھر والوں کو جمع کیا، اور اُن کو قسم دینے کے بعد وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو یہ تحریر میرے ساتھ قبر کے اندر رکھ دینا۔

اُس کے ورثاء نے ایسا ہی کیا ـــ اور جب اس کے دفن کے اگلے روز وہ لوگ قبر پر گئے تو دیکھا کہ وہ قبالہ اس شخص کی قبر کے اوپر رکھا ہوا ہے اور اس میں یہ جملہ بھی لکھا ہوا ہے کہ "خدا کی قسم! امام جعفر صادقؑ نے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کیا، اور مجھے جنت میں ویسا ہی گھر ملا جیسا امامؑ نے لکھا تھا۔

جنابِ زیدؒ شہید کیلئے دُعائے خیر

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے عمِ محترم اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے چھوٹے بھائی جناب زید شہیدؒ جو بنی امیہ کے مظالم کا شکار ہو کر عراق کی سرزمین پر بے دردی سے شہید کئے گئے، اور شہادت کے بعد ملاعنہ نے آپ کے جسدِ اقدس کے ساتھ بھی بے حرمتی کی۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے آپ کو یاد کر کے آپ پر گریہ بھی فرمایا ہے اور آپ کے دشمنوں پر نفرین بھی فرمائی ہے۔

آپ ایک بلند مرتبہ عالم دین، عابد شب زندہ دار، اور تلاوت قرآن سے ہمیشہ وابستہ رہنے والے شخص تھے۔

جب جناب زید شہید علیہ الرحمہ نے بنی امیّہ کے بڑھتے ہوئے مظالم دیکھے، تو احتجاج کیلئے میدان میں قدم رکھا۔ اور جو لوگ خاندانِ رسالت سے وابستگی، اور اہلبیتِ طاہرین علیہم السلام سے محبت رکھتے تھے ان سب کو یہ پیغام بھیجا کہ میں:

"رضائے آلِ محمدؐ"

کے حصول کے لئے اٹھ رہا ہوں تاکہ بنی امیّہ، جنھوں خاندانِ اہلبیتؑ پر مظالم کی انتہا کردی ہے، اُن سے نجات حاصل کی جائے، اور ایک ایسی عادلانہ حکومت قائم کی جائے جو آلِ محمدؐ کی رضا، اور خوشنودی کے کام انجام دے۔

چنانچہ ہزاروں افراد آپ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

یہ اور بات ہے کہ ان میں بڑی تعداد ایسے لوگوں کی تھی جو کوفہ جیسے شہر سے تعلق رکھتے تھے، اور یہ شہر اپنی بے وفائی کی بہت طویل داستان رکھتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب حاکم وقت نے ان کے مقابلے پر ایک بہت بڑا لشکر بھیجا تو آپ کے اکثر ساتھیوں کے قدم اکھڑ گئے .... اور آخر کار جناب زیدؒ انتہائی مظلومیت کے ساتھ شہید کر دیئے گئے۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میرے والد (امام جعفر صادقؑ) فرمایا کرتے تھے کہ:

'خدا میرے چچا زیدؒ پر رحم کرے' انہوں نے 'رضائے آلِ محمدؐ' کی طرف ہی دعوت دی تھی' اور اگر وہ کامیاب ہو جاتے تو اپنا وعدہ پورا کرتے (اور رضائے آلِ محمدؐ پر مبنی نظام قائم کرتے)

انہوں نے خروج کرنے سے پہلے مجھ سے دریافت کیا تھا: تو میں نے ان کو بتایا تھا:

'عم محترم! - اگر آپ یہی چاہتے ہیں کہ کناسہ میں آپ کو پھانسی دی جائے آپ قتل کر دیئے جائیں' تو جیسی آپ کی مرضی!

یہ سن کر وہ چلے گئے۔

ان کے جانے کے بعد امام علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ: افسوس ہے اُن لوگوں پر جنھوں نے اُن کی فریاد سنی، اور اس پر لبیک نہ کہی۔

(اثبات الهداة جلد ۵ صفحہ ۶۱)

برصغیر کے ایک ممتاز عالم دین اور بیسویں صدی کے عظیم المرتبت مورخ و محقق نے جناب زید شہیدؒ کے بارے میں بجا طور سے لکھا ہے کہ:

جناب زیدؒ۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے جلیل القدر فرزند تھے، آپ کے مناقب بے حد و شمار ہیں۔

آپ کو "حلیف القرآن" (قرآن کے ساتھی) کہا جاتا تھا کیونکہ جب بھی کوئی آپکی خدمت میں آیا، اس نے آپ کو قرآن مجید کی تلاوت، اور اُس کی آیات کے اندر غور و فکر میں مصروف پایا۔

(۲)

عراق کا اُس زمانہ کا گورنر، یوسف بن عمرؒ ثقفی خاندان بنی ہاشم پر بڑے بڑے ظلم کرتا تھا۔ اس وجہ سے جناب زیدؒ اُس زمانہ کے خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے پاس دادخواہی (اور گورنر کے مظالم کے خلاف انصاف طلب کرنے) کے لئے گئے۔ مگر وہ بہت (بے ادبی اور) بدعنوانی سے پیش آیا۔

آپؒ نے اسے سلام کیا تو اُس نے جواب دیا کہ:

خدا تمہیں سلامت نہ رکھے۔

یہ سن کر جناب زیدؒ نے اس سے کہا کہ: اتق اللہ (خدا سے ڈرو)

ہشام نے فرعونیت سے کہا:- کیا تمہارے ایسا آدمی بھی، میرے ایسے بادشاہ کو خدا سے ڈرنے کیلئے کہتا ہے!۔

جناب زیدؒ نے کہا جو شخص بھی، کسی کو خدا سے ڈرنے کے لئے کہتا ہے، اُس سے بڑا کون شخص ہو سکتا ہے۔ اور اس شخص سے بُرا کون ہوگا جس کو لوگ خدا سے ڈرنے کیلئے کہیں!

اب تو ہشام جھلاگیا، اور کہنے لگا،

"تم ہی وہ ہو جو خلافت کی خواہش رکھتے ہو، جب کہ تمہاری ماں تو ایک کنیز تھیں۔

جنابِ زیدؒ نے کہا کہ : ماں کے کنیز ہونے سے اولاد کی عزت و جلالت میں کوئی کمی نہیں آتی، اگر ایسا ہوتا تو حضرت اسمٰعیل پیغمبر.. (کی ماں بھی تو کنیز تھیں) پھر خداوندِ عالم اُن کو پیغمبر نہ بناتا۔ اور اوّلین و آخرین کے سیّد و سردار حضرت محمد مصطفےٰؐ کو اُن کی نسل سے پیدا نہ کرتا۔

(اب تم خود ہی سوچو کہ) جب حضرت اسماعیلؑ، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند، خداوندِ عالم کے پیارے پیغمبر یعنی حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جدِّ اعلیٰ تھے، کنیز زادہ ہونے کی وجہ سے ان کا درجہ کم نہیں ہوا تو میں حضرت رسولخداؐ (کے نواسے کا پوتا) جناب سیدہ کے فرزند کی اولاد اور حضرت امام زین العابدینؑ کا فرزند ہوں، کنیز زادہ ہونے کی وجہ سے، کیوں کمتر درجہ کا قرار دیا جاؤں گا۔!؟

ہشام (بن عبدالملک) یہ زبردست استدلال سن کر کیا جواب دے سکتا تھا، پہلو بدل کر بولا :

"تمہاری یہ مجال کہ میری باتوں کا جواب دیتے اور مجھ سے بحث کرتے ہو؟

اس کے بعد حکم دیا کہ ان کو دربار سے نکال دیا جائے۔

چنانچہ جناب زیدؒ وہاں سے واپس تشریف لائے... کوفہ پہونچے اور اپنے رشتہ داروں کے صلاح و مشورے کے برخلاف، سنہ ۱۲۱ھ میں عراقیوں کی ایک جماعت کے ساتھ (ہشام کی حکومت سے بیزاری کا اعلان کر دیا۔)

چالیس ہزار کوفی آپ کے ساتھ ہو گئے، مگر کوفہ والوں کی بے وفائی تو مشہور ہے، عین جنگ کے موقع پر ان کوفیوں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا" تو آپؒ نے ان لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا :

"یا قوم رفضتمونی (اے قوم (کے لوگو) تم نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا۔

یکم صفر ۱۲۲ھ کی رات میں جناب زیدؑ نکلے اور خلیفہ کی فوجوں کو شکست دینی شروع کی۔ لیکن چونکہ ان لوگوں کی تعداد بہت زیادہ تھی، اور آپ کے ساتھ بہت کم لوگ باقی رہ گئے تھے۔ چنانچہ آپ کی فوج قتل ہونے لگی۔

مگر جناب زیدؑ، نہایت شجاعت (دلیری) سے مقابلہ کرتے رہے۔

اسی اثناء میں ایک تیر آیا، جو آپ کی پیشانی پر لگ گیا، اور آپ گھوڑے سے زمین گر گئے تو آپ کا ایک خادم، فوراً آپ کو اپنے کاندھے پر اٹھا کر میدان سے لے گیا، اور ایک شخص کے گھر پر رکھ کر جراح کو بلا کر، علاج کرانے لگا۔

مگر زخم کاری تھا، اور اسی کی شدت سے آپ انتقال فرما گئے۔

پھر آپ کے خدمت گاروں نے مخفی طور پر ایک قبر کھود کر اس میں آپ کو دفن کر دیا۔ اور اس پر پانی جاری کر دیا۔ تاکہ کسی کو پتہ نہ چلے۔

مگر ہشام کی فوج کے سردار یوسف بن عمر نے تلاش بسیار کے بعد آپ کی قبر کا پتہ چلالیا، اور آپ کی نعش مبارک کو قبر سے نکال کر اس کا سر جدا کر کے ہشام کے پاس بھیج دیا اور جسم کو سولی پر لٹکا دیا۔۔۔

جب جناب زیدؑ کو شہید کر کے سولی پر چڑھایا گیا تو ایک شخص نے رات کو خواب میں یہ منظر دیکھا کہ:

حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی درخت سے (جس پر جناب زیدؑ کو سولی دی گئی تھی) تکیہ کئے ہوئے فرما رہے ہیں

"انا للہ وانا الیہ راجعون ۔۔۔ افسوس یہ لوگ، میرے بیٹے کے ساتھ یہ ظلم کر رہے ہیں۔ (عمدۃ الطالب صفحہ ۲۴۵ بحوالہ تاریخ ائمہ صفحہ ۔۔ ۳۰۱)

آپ کی شہادت پر مضحکہ کرتے ہوئے ایک شخص نے دو شعر کہے جس سے آپ کی مذمت مقصود تھی۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ان شعروں کو سنا تو دعا فرمائی:
"خداوندا۔ اگر یہ شعر کہنے والا جھوٹا ہے تو اس پر تو اپنے (کسی) درندے کو مسلط فرما۔"
اس کے کچھ دنوں بعد وہ شخص کوفہ جانے لگا تو راستے میں ایک شیر آیا اور اس نے اس شخص کو پھاڑ کھایا۔ حضرت امام جعفر صادقؑ سے یہ واقعہ بیان کیا گیا تو آپ نے فرمایا
"الحمد للہ الذی انجز لنا ما وعدنا (خدا کا شکر جس بات کا اس نے وعدہ کیا تھا اسے پورا کر دیا)۔
(ملاحظہ فرمائیے: صواعق محرقہ ص۱۲۱)

زمین و آسمان اور جنّت و جہنّم

"قرآن مجید" کے بارے میں خالقِ دوجہاں کا اعلان ہے کہ :

ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین (اور نہ کوئی تر چیز ہے اور نہ کوئی خشک (چیز) مگر یہ کہ وہ کتاب مُبین کے اندر موجود ہے۔

جس کے ذیل میں اربابِ تفسیر نے لکھا ہے کہ؛ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے کہتے تھے کہ :

رطب، یعنی تری (سے مراد) پانی ہے، اور یابس، یعنی خشک (سے مراد) زمین ہے۔

گویا بحر و بر میں جو کچھ موجود ہے، سب کا تذکرہ "کتابِ مبین" کے اندر موجود ہے۔

جبکہ دوسرے مفسرین کا بیان ہے کہ:

"ہر وہ شے جو زندہ ہے وہ رطب (تر) ہے، اور ہر وہ چیز جو مردہ ہو چکی ہے وہ یابس (خشک) ہے۔

البتہ مفسرین کے ایک گروہ کا موقف یہ ہے کہ :

"اس فقرے سے، عالم کی ہر چیز مراد ہے: چھوٹی، بڑی، کھلی، چھپی، موجود اور جو فنا ہو چکی ہے، یا جو آئندہ موجود ہوگی۔

خداوندِ علیم و خبیر کے وسعتِ علم کی کیفیت یہ ہے کہ :

"جو کچھ خشکی و تری، یعنی بحر و بر میں ہے، بڑی سے بڑی، چھوٹی سے چھوٹی چیز، اللہ اُسے جانتا ہے، پہاڑ سے ذرہ تک، اور ہاتھی سے چیونٹی تک کی خبر رکھتا ہے، درخت کا جو پتّہ گرتا ہے۔ وہ اللہ کے علم میں ہے۔

پھر اُس نے اپنے علوم پر اپنے خاص بندوں کو مطلع فرمایا ـــ یہ انتظام فرمایا کہ زمین کے اندھیروں میں، جو باریک دانہ دفن ہو، اور کوئی خشک و تر چیز ہو، وہ تمام لوح محفوظ، یا قرآن مجید میں موجود ہے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ، اعلیٰ سے اعلیٰ ...... ایسی کوئی چیز نہیں جو اس میں موجود نہ ہو، پھر وہ لوح محفوظ (خدا کے) محبوب بندوں پر ظاہر ہے اسی لئے اسے کتاب مبین کہتے ہیں۔

(تفسیر نعیمی، جلد ۷، ص ۵۱۹، ص ۵۲۰)

علا ابن سیابہ کا بیان ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

روز و شب کے دوران (جو کچھ ہوتا ہے، سب) ہمیں معلوم ہے۔

ایک اور روایت کے مطابق آپ نے فرمایا:

"آسمانوں اور زمین میں، جنت و جہنم میں (جو کچھ موجود ہے اس دنیا میں) جو کچھ ہو چکا ہے، اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے، سب ہمیں معلوم ہے"۔

اس کے بعد کچھ دیر خاموش رہے، پھر اپنے دست مبارک کی ہتھیلی، اپنے چہرے کے سامنے کر کے فرمایا:

"میں اس طرح (ان تمام باتوں کو) خدا کی کتاب (قرآن مجید) میں دیکھ لیتا ہوں۔ خالق دو جہاں نے قرآن کے بارے میں خود ہی فرمایا ہے کہ:

فیہ تبیان کل شئ ـ (اس میں ہر چیز کی وضاحت موجود ہے)

(مناقب ابن شہر آشوب ۳: ۲۷۴)

عشقِ خدا سے دلوں کو معمور کرنے والے

اگر حضرات اہلبیت طاہرین علیہم السلام کی حیاتِ طیبہ کا شعوری مطالعہ کیا جائے تو یہ بات کسی صاحبِ نظر سے مخفی نہیں رہ سکتی کہ ان ہادیانِ برحق اور پیشوایانِ مذہب کی تعلیمات کا اساسی ہدف اور بنیادی مقصد یہ ہوتا تھا کہ دلوں میں عشقِ خدا کے چراغ روشن کر دیئے جائیں۔

جیسا کہ زیارتِ جامعہ میں ان خاصانِ خدا کی توصیف ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

.. مَحَالِّ مَعْرِفَةِ اللّٰهِ ـــــ (خداوندِ عالم کی معرفت کے مقامات)

.. مَسَاكِنِ بَرَكَةِ اللّٰهِ ـــــ (خداوندِ عالم کی برکت کی منزلیں)

.. مَعَادِنِ حِكْمَةِ اللّٰهِ ـــــ (خداوندِ عالم کی حکمت کے معدن اور سرچشمے)

.. حَفَظَةِ سِرِّ اللّٰهِ ـــــ خداوندِ عالم کے اسرار کے محافظ

اسی لئے ان خاصانِ خدا کو اللہ کی طرف داعی رہنما بھی قرار دیا گیا ہے اور یہ اقرار کیا جاتا ہے کہ یہ وہ مقدس ہستیاں ہیں، جو خدا کی محبت میں کامل اور اس کی توحید میں درجۂ اخلاص پر فائز ہیں۔

چنانچہ ارشاد ہوا:

اَلدُّعَاةُ اِلَى اللّٰهِ (خداوندِ عالم کی طرف دعوت دینے والے)

اَلْاَدِلَّاءُ عَلٰى مَرْضَاتِ اللّٰهِ (خدا کی خوشنودیوں کی طرف رہنمائی کرنے والے)

اَلْمُسْتَقِرِّيْنَ فِيْ اَمْرِ اللّٰهِ (خداوندِ عالم کے حکم پر ثابت قدم رہنے والے)

اَلتَّامِّيْنَ فِيْ مَحَبَّةِ اللّٰهِ (اللہ کی محبت میں درجۂ کمال پر فائز)

مولائے کائنات امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کا مشہور فرمان ہے کہ:

اَوَّلُ الدِّیْنِ مَعْرِفَۃُ الْجَبَّارِ، وَآخِرُہٗ تَفْوِیْضُ الْاَمْرِ اِلَیْہِ۔

(دین کی ابتداء یہ ہے کہ خداوند عالم کی معرفت حاصل کی جائے، اور اسکی انتہا یہ ہے کہ تمام معاملات اُسی کے سپرد کر دیئے جائیں)

چنانچہ ہمارے ہادیانِ برحق اپنے ماننے والوں کے دلوں کو محبتِ الٰہی کے جذبے سے سرشار فرماتے رہتے تھے، اور آپ حضرات کو یہ بات بہت پسند تھی کہ لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت کے چراغ اسطرح روشن ہوں کہ وہ ہر لمحہ اسکے ذکر سے سرشار نظر آئیں ۔۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل واقعہ اہلِ معرفت کے مطالعہ کیلئے پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جارہی ہے۔

عالم اسلام کے سب سے بلند مرتبہ محدث ثقۃ الاسلام ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینیؒ جن کی شہرہ آفاق تالیف "کافی" حضرت امام زمانہ علیہ السلام کی غیبتِ صغریٰ کے زمانہ میں مرتب ہوئی۔

انہوں نے متعدد اسناد کے ساتھ عثمان بن عیسیٰ سے روایت کی ہے:

مسمع بن عبدالملک کا بیان ہے کہ۔

ہم لوگ "منیٰ" میں ۔۔ (حج کے زمانہ میں) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھے، اور ہمارے سامنے انگور رکھے ہوئے تھے، جس میں سے ہم لوگ کھا رہے تھے کہ اسی دوران ایک سائل آگیا، اس نے سوال کیا، تو

آپ نے حکم دیا کہ اُسے ـــــ انگور سے بھری ہوئی ایک ٹہنی اٹھا کر دی جائے۔ مگر اُس سائل نے کہا کہ:

(مجھے اس کی ضرورت نہیں، اگر درہم ہوں تو دیجئے)

آپ نے فرمایا کر :ـ خداوند عالم تمہیں وسعتِ رزق عطا فرمائے (یہ دعا دے کر آپ نے اُسے روانہ کر دیا)

وہ کچھ دور گیا، پھر واپس آ کر وہی انگور مانگنے لگا تو اس سے معذرت کر لی گئی۔

❁

کچھ دیر بعد ایک اور سائل آیا۔ تو امام جعفر صادق علیہ السلام نے انگور کے چند دانے اٹھا کر دیئے۔

اس سائل نے امام علیہ السلام کے دستِ مبارک سے وہ انگور لئے اور خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے یہ جملے کہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ الَّذِیْ رَزَقَنِیْ۔

(تمام تعریفیں خداوندِ عالم کیلئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، جس نے مجھے یہ رزق عطا فرمایا)

"ذرا ٹھہرنا۔"

پھر اپنے دونوں ہاتھوں میں انگور بھر کر، اُس سائل کو دیئے۔

اُس نے امام علیہ السلام کے ہاتھوں سے انگور لئے، اور خداوند عالم کا شکر ادا کرتے ہوئے پھر وہی جملہ کہا کہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ الَّذِیْ رَزَقَنِیْ

(تمام تعریفیں خداوند عالم کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگا

ہے، جس نے مجھے یہ رزق عطا فرمایا۔
یہ سن کر امام علیہ السلام نے اس سائل کو مزید ٹھہرنے کو کہا، اور
اور اپنے غلام سے فرمایا:
"تمہارے پاس کتنے درہم موجود ہیں..."
(راوی کہتا ہے کہ):
ہمارا اندازہ ہے کہ اس غلام کے پاس بیس درہم، یا اس کے قریب رقم تھی،
جو امام علیہ السلام نے غلام سے لے کر اُس سائل کو دے دی۔
سائل نے ایک بار پھر خداوند عالم کا شکر ادا کیا۔ اور کہا:
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھٰذَا مِنْكَ وَحْدَكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ۔
(تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔ (پالنے والے) یہ تیری ہی طرف سے ہے، تو تنہا ہے، تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔
امام علیہ السلام نے اس سائل کا یہ اندازِ شکر دیکھا تو اسے مزید ٹھہرنے کو کہا — اور جو قمیض آپ کے پاس تھی وہ اُس سائل کو دی اور فرمایا:
"اسے پہن لو۔
اس نے قمیض پہنی، اور خداوند عالم کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا:
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کَسَانِیْ وَسَتَرَنِیْ یَا اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ — اَوْ قَالَ:
جَزَاكَ اللّٰہُ خَیْرًا۔
(تمام تعریفیں خداوند عالم کیلئے ہیں جس نے مجھے لباس عطا کیا، میری ستر پوشی فرمائی، اے ابو عبداللہ خداوند عالم آپ کو جزائے خیر دے)
یہ کہہ کر وہاں سے روانہ ہوگیا۔
راوی کہتا ہے کہ: اس سے قبل امام علیہ السلام نے اسے جو کچھ بھی عطا

فرمایا، اس پر اس نے خدا ہی کا شکر ادا کیا تھا، صرف آخری مرتبہ خداوند عالم کا شکر ادا کرنے کے ساتھ اس نے امام علیہ السلام کو دعا بھی دی۔

جس کے بعد امام علیہ السلام نے اسے مزید شہرنے کو نہیں کہا اور وہ چلا گیا تو ہم لوگوں کو احساس ہوا کہ:

اگر اس نے امام علیہ السلام کو دعائے خیر نہ دی ہوتی تو آپ اسے مزید عطا فرماتے جاتے کیونکہ ہم نے کئی بار یہ دیکھا کہ:

جب بھی امام علیہ السلام اُسے کچھ عطا فرماتے، وہ شخص خداوند عالم کا شکر ادا کرتا۔ اور اس کا یہ انداز امامؑ کو اتنا پسند آتا کہ آپ اُسے مزید عطا فرماتے تھے۔

صرف آخری مرتبہ جب اس نے شکر پروردگار کے ساتھ امامؑ کو دعا دی تو امام علیہ السلام خاموش ہو گئے اور اسے مزید ٹھہرنے کو نہ کہا۔

(کافی جلد ۴ صفحہ ۴۹؛ ب ح ۴۴۴)

سورۂ مبارکہ دہر میں جو خاص طور سے اہلبیت کرامؑ کی شان میں نازل ہوا، مالک دوجہاں نے ان مقدس ہستیوں کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا — إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا۔

(وہ لوگ اُس (خدا) کی محبت میں محتاج، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں (اور زبانِ حال سے کہتے ہیں کہ) ہم لوگ تو بس صرف خوشنودی خدا کے لئے تمہیں کھلا رہے ہیں، نہ تم سے اس کا عوض چاہتے ہیں اور نہ شکریہ کے طلبگار ہیں)

(ملاحظہ فرمائیں سورہ مبارکہ ہل اتیٰ (دہر) آیت ۸،۹)

ثقۃ الاسلام ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی علیہ الرحمہ نے جس واقعہ کا تذکرہ فرمایا ہے اس میں یہ بات خاص طور سے قابلِ توجہ ہے کہ:

پہلے جو سائل آیا' اس نے انگور کو بے قیمت سمجھ کر لینے سے انکار کیا ــ تو پھر اُسے کوئی اور چیز نہیں دی گئی۔

یہاں تک کہ کچھ دُور جانے کے بعد وہی سائل واپس آیا' اور اس نے مطالبہ کیا کہ وہ انگور ہی اسے دے دیا جائے۔ (جسے قبول کرنے سے اس نے انکار کر دیا تھا۔ تو اُس سے معذرت کرلی گئی۔

کیونکہ اس نے نعمت خداوندی سے انکار کیا تھا۔

جس طرح ہم روزمرہ کے معمولات میں دیکھتے ہیں کہ پیشہ ور بھکاری لوگوں سے کہتے ہیں کہ بھوکا ہوں خدا کے نام پر کچھ دے دو' لیکن اگر انھیں کھانا دیا جائے تو انکار کرتے ہیں اور نقد رقم کے مطالبے پر اصرار کرتے ہیں۔

اسی طرح اس سائل نے انگور' جو بہترین غذا ہے' اسے لینے سے انکار کیا۔ اور نقد رقم کا مطالبہ کیا۔

جبکہ دوسرے سائل کو جب انگور کے چند دانے ملے تو اس نے خداوند عالم کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا کہ "تمام تعریفیں اُس رب العالمین کیلئے ہیں جس نے مجھے رزق عطا فرمایا۔

امام علیہ السلام کو اس کا اندازِ شکر اس قدر پسند آیا کہ آپؑ نے دونوں ہاتھوں میں انگور بھر کر اُسے مرحمت فرمائے اور اُس سائل نے پھر اُسی انداز سے شکرِ معبود ادا کیا' جیسے پہلے کیا تھا۔

امام کو اس کی یہ ادا اور زیادہ پسند آئی تو آپ کے پاس جو نقد رقم موجود تھی سب

آپ نے اس سائل کو عطا فرمادی، جسے لینے کے بعد اُس نے امامؑ سے کچھ کہنے کے بجائے خداوند عالم کو مخاطب کرکے عرض کیا کہ:

پالنے والے یہ سب کچھ تیری ہی طرف سے ہے، تو یکتا ہے، بے نیاز ہے، تیرا کوئی شریک نہیں!

امام علیہ السلام نے اُس کے اندازِ تشکر کو دیکھ کر اپنا خصوصی پیراہن اسے دے دیا۔ سو اس نے پہن لیا۔

داد و دہش امام فرما رہے تھے، اور وہ سائل شکر، خداوند کردگار کا کر رہا تھا، اور جیسے جیسے وہ شکرِ کردگار ادا کرتا رہا، امام علیہ السلام کے داد و دہش میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

امام ایک ایک چیز کا اضافہ کرتے گئے، اور وہ خداوند کا شکر ادا رہا، اور یہ سلسلہ اس وقت موقوف ہوا، جب اس نے شکرِ معبود ادا کرنے کے ساتھ امامؑ کو دعائے خیر بھی دی۔

اور چونکہ ان خاصانِ خدا کی توصیف خداوندِ عالم نے یہ فرمائی ہے کہ:

یہ حضرات نہ عوض چاہتے ہیں نہ شکریہ۔

اس لئے جب اس نے شکرِ معبود کے ساتھ امام کو دعائے خیر دی، تو لطف کرم کا جو فیضان جاری تھا وہ اختتام پذیر ہوگیا، کیونکہ یہ حضرات، بندوں کو جو کچھ بھی دیتے ہیں، رضائے معبود کیلئے دیتے ہیں (کوئی آمیزش پسند نہیں کرتے)

جواہر سے زیادہ قیمتی

مالکِ دوجہاں نے علم و دانش کو یہ عظمت عطا کی ہے کہ اُسے انسانیت کے سر کا تاج قرار دیا ہے، اور استفہام انکاری کے طور پر بنی نوع انسان سے سوال کیا ہے کہ کیا صاحبان علم ۔ اور علم سے محروم افراد مساوی ہو سکتے ہیں؟ ۔ جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے:

...ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون

(کیا وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں، اور وہ جو علم نہیں رکھتے، دونوں برابر ہو سکتے ہیں)؟

(سورۂ مبارکہ 'الزمر' آیت ۹)

جس کے ذیل میں مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ:

یہ جملہ جو استفہامِ انکاری سے شروع ہوا ہے اور اسلام کے اساسی اور بنیادی شعار میں سے ہے، جاہلوں کے مقابلے میں علم اور علماء کی عظمت کو واضح کرتا ہے۔

اور چونکہ دونوں کا برابر نہ ہونا بطورِ مطلق بیان کیا گیا ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں گروہ نہ تو بارگاہ خداوندی میں یکساں ہیں اور نہ ہی آگاہ اور باخبر مخلوق کی نظر میں۔

یہ لوگ نہ دنیا میں ایک صف میں کھڑے ہو سکتے ہیں، نہ آخرت میں، نہ ظاہر میں یکساں ہیں اور نہ ہی باطن میں۔ (تفسیر نمونہ جلد ۱۹، صفحہ ۳۱۸)

ہمارے ائمہ طاہرین علیہم السلام میں سے بیشتر حضرات، اگرچہ منصب حکومت و اقتدار پر فائز نہیں تھے، لیکن ہر دور میں مرکز علم و دانش رہے، اور دنیا بھر کے تشنگانِ علم، ان ہی بابرکت ہستیوں کی بارگاہ میں حاضری دے کر، اپنے دامن کو علم و معرفت کی دولت سے مالا مال کرتے تھے۔

ان خاصانِ خدا نے، دنیا والوں کو علم دولت سے مالا مال بھی فرمایا، اور اسی کے ساتھ اُن پر یہ بھی واضح فرمایا کہ یہ دولت، اس قدر بیش قیمت اور پُرارزش ہے کہ، دنیا کی کسی اور دولت، اور اس عالم کی کسی اور پُرارزش شے سے اس کا موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔

چنانچہ :-

جناب شیخ ابوجعفر طوسی علیہ الرحمہ کی روایت ہے کہ :

ابراہیم بن ادھم اور مالک بن دینار (امام علیہ السلام) کے پاس تھے... کہ سفیان ثوری داخل ہوئے۔

انہوں نے امام علیہ السلام کی زبانِ مبارک سے کوئی نادر بات سُنی، جو انھیں بہت پسند آئی، تو بے ساختہ بولے۔

اے فرزندِ رسولؐ۔ یہ تو جواہر ہیں!

فرمایا:- جواہر سے زیادہ قیمتی ہے، کیونکہ جوہر تو بس ایک پتھر ہے (اس کا حکمت و دانائی کی باتوں سے کیا مقابلہ کیا جا سکتا ہے)

(مناقب ابنِ شہر آشوب جلد ۳ صفحہ ۳۰۲)

مسندِ علم و حکمت

اور

امام جعفرِ صادق علیہ السلام

○

بات تو تقریباً، سب ہی کی جانی پہچانی ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ کے دور میں، اہلبیت طاہرین علیہم السلام کی تعلیمات کی نشر و اشاعت کا کام اتنا زیادہ ہوا کہ اس مذہب کا نام ہی امامؑ سے منسوب ہو گیا۔ اس کے فقہی قوانین کو "فقہ جعفری"۔ اور اس مذہب کے پیروکاروں کو ملت جعفریہ کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔

○

اور اگر تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ:
حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے عہد میں، ہر قسم کے علوم کو فروغ حاصل ہوا — چنانچہ مغربی دنیا کے "25" نامور محققین نے، جب امام علیہ السلام کے دور کا جائزہ لیا، اور جو تشنگان علم و معرفت در اہلبیتؑ پر اپنی علمی پیاس بجھانے کے لئے آتے تھے، ان کا تجزیہ کیا، تو اس نتیجے تک پہنچے کہ متعدد علوم و فنون کو، حضرت امام جعفر صادقؑ کے دور میں خصوصی ترقی نصیب ہوئی۔
ان میں مندرجہ ذیل علوم خاص طور سے قابل ذکر ہیں:

فقہ۔
حدیث۔
علم کلام۔
ادبیات۔
علم نقد تاریخ۔
جسم انسانی کے بارے میں تحقیقات۔

انسانی حقوق۔

نور کا نظریہ یا THEORY OF LIGHT

فرہنگ و ثقافت

بعض امراض اور اُن کے اسباب۔

عناصر اربعہ کے بارے میں پُرانے نظریہ کی تحلیل اور نئے نظریئے کی نمود۔

اسلام میں عرفانیات کی حیثیت۔

زمین کے بارے میں اسلامی نظریہ۔

مسئلہ خلقت کائنات، یا مسئلہ آفرینش۔

کیمسٹری۔۔یا۔۔علم کیمیا۔

نظام حیات و موت کا فلسفہ۔

ستاروں کی روشنی کے بارے میں تحقیقات۔

کیا انسان اپنی زندگی کو خود ہی کم کر رہا ہے۔؟

تمام موجودات کے اندر، ایک خصوص اثر پذیر حرکت کا انکشاف۔

روز و شب کی ساعات کے انسانی زندگی پر اثرات۔

بچے کی شیر خواری کے زمانہ میں، ماؤں کیلئے ہدایات۔۔وغیرہ۔

مغربی دنیا کے جن 25 مفکرین نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے دور میں علوم کی نشریات پر بحث و تحقیق کی ہے، انہوں نے اعتراف کیا ہے کہ:

امام علیہ السلام نے اپنے شاگردوں کو ایسے علوم کی بھی تدریس فرمائی جن کیطرف کوئی اشارہ بھی، عربی زبان میں، دوسرے لوگوں کے پاس نہیں پایا جاتا تھا، چنانچہ اُن حضرات نے تصریح کی ہے کہ:

محقق است هنگامی که جعفر صادقؑ شروع بتدریس کرد
فلسفه و فیزیک غرب یونانی، هنوز بزبان عربی ترجمه نشده بود

یہ بات تحقیق شدہ ہے کہ جس زمانہ میں حضرت جعفر صادقؑ نے مغربی فلسفہ اور فزکس وغیرہ کی تدریس شروع فرمائی اس وقت تک ان علوم کا عربی زبان میں ترجمہ بھی نہیں ہوا تھا۔ لہ

(مغز متفکر جہان شیعہ مفوظہ)

اور جیسا کہ اُن محققین نے اہلِ حق کے موقف کے بارے میں اعتراف کیا ہے کہ:

"انسان کے شعورِ ظاہری کے برعکس اُس کا باطنی شعور تمام عالمگیر معلومات کا خزینہ ہوتا ہے، اور جیسا کہ موجودہ سائنس اس نظریہ کی تائید کرتی نظر آرہی ہے اور زیست شناسی کے مطالعہ سے رفتہ رفتہ (صاحبانِ فکر و دانش) اس نتیجہ تک پہنچ رہے ہیں کہ جسم انسانی کے اندر اربِ کھرب کی تعداد میں جو سیل کام کر رہے ہیں اُن کے مجموعوں کے اندر انسانی علوم سے متعلق ایک وسیع دنیا پوشیدہ ہے۔

اور جو مقدس ہستیاں منصبِ نبوت و امامت پر فائز ہوتی ہیں اُن کے شعورِ ظاہر اور شعورِ باطن کے ادراکات کے درمیان کوئی حجاب حائل نہیں ہوتا، اور پیغمبر اور امام (جنہیں پروردگارِ عالم ہدایتِ بشر کا ذمہ دار قرار دے کر بھیجتا ہے) انسانی و غیر انسانی تمام عالمگیر معلومات سے لوگوں کو فیضیاب کرتے ہیں۔"

(حوالۂ سابق)

لہ۔ ان مغربی محققین کو کیا معلوم کہ حضرات اہلبیت طاہرین علیہم السلام کو پروردگارِ عالم نے اپنی خاص عنایت سے تمام علوم و فنون پر دسترس عطا کی ہے دنیا کے دوسرے صاحبانِ دانش کو تو اس بات کی احتیاج تھی کہ وہ مختلف دروازوں پر جا کر علم و دانش حاصل کرنے کی سعی کریں لیکن علوم اہلبیت درحقیقت عطیہ پروردگار ہے جو اس نے اپنے منتخب اور معصوم بندوں کو مرحمت فرمایا ہے

البتہ وہ مورخین یا مستشرقین، جو اسلام سے دور ہیں، اور جن کے قلوب، ایمان کی دولت سے مالا مال نہیں ہیں، وہ ان باتوں کے سلسلہ میں تاریخی یا بالفاظ دیگر مادی مدرک کی تلاش و جستجو میں حیران و سرگرداں رہ سکتے ہیں، تاکہ وہ اس بات کو صحیح طور سے سمجھ سکیں:

جب اُس زمانہ میں یونان کے علوم ترجمہ وغیرہ کے ذریعہ سے عرب دنیا اور عربی زبان کے اندر دستیاب ہی نہیں تھے۔ وہ فزکس کی باتیں ہوں یا مغربی فلسفہ کی باریکیاں جب اُن کا کوئی تذکرہ عربی زبان میں موجود ہی نہیں تھا، تو یہ بات کس طرح ممکن ہوئی کہ:

مسندِ علم و حکمت پر بیٹھنے والے شخص نے اپنے شاگردوں کو، ان جدید علوم سے اس طرح مالا مال کرنا شروع کر دیا کہ ہر زبان پر اُن باتوں کا چرچہ ہونے لگا، اور اطرافُ اکناف کے صاحبانِ علم و دانش یہ اعلان کرنے لگے کہ: عَلَّمَنَا الْإِمَامُ جَعْفَرُ الصَّادِقُ

(ہمیں یہ تعلیم امام جعفر صادق نے دی ہے)

البتہ قرآن مجید میں، خالق دو جہاں نے اس عظیم حقیقت کو کس قدر سادہ، سلیس اور دلنشین انداز سے بیان فرمایا ہے!

ارشادِ قدرت ہے:

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ، وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا، وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُوا الْأَلْبَابِ.

وہ جسے چاہے، حکمت و دانائی عطا کرتا ہے، اور جس شخص کو حکمت دی جائے، اسے درحقیقت خیر کثیر دے دیا گیا، اور نصیحت تو صرف صاحبان دانش ہی حاصل کرتے ہیں۔

(سورۃ البقرہ آیت ۲۶۹)

جس کے ذیل میں عصرِ حاضر کے ایک مترجم نے تحریر فرمایا ہے کہ:

حکمت سے بعض کے نزدیک عقل و فہم و علم۔

بعض کے نزدیک اصابت رائے۔
بعض کے نزدیک: قرآن کے ناسخ و منسوخ کا علم و فہم۔
بعض کے نزدیک: قوتِ فیصلہ۔
اور کچھ کے نزدیک: سنّت یا کتاب و سنّت کا علم و فہم ہے
یہ سارے ہی مفہوم اس لفظ "حکمت" کے مصداق میں شامل ہو سکتے ہیں۔
صحیحین وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ:
دو شخصوں پر رشک کرنا جائز ہے۔
(۱): وہ جسے خداوند عالم نے مال و دولت عطا کیا اور وہ اسے راہ حق میں خرچ کرتا ہے۔
(۲): وہ جسے پروردگار نے حکمت دی، جس سے وہ فیصلے کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہے۔
(دیکھئے: حواشی صلاح الدین یوسف، صفحہ ۱۱۸)

عہدِ حاضر کی ایک اور مقبول تفسیر میں حکمت کے ذیل میں تحریر کیا گیا ہے کہ:
"لفظ حکمت کے بہت سے معانی بیان کئے گئے ہیں:
- جہانِ ہستی کی معرفت اور شناخت۔
- حقائق قرآن کا علم۔
- گفتار و کردار کے لحاظ سے حق تک پہنچنا۔
- خدا کی معرفت و آشنائی۔
(اور غور کیا جائے تو) یہ سب معانی ایک وسیع مفہوم میں یکجا ہو جاتے ہیں۔"
(ملاحظہ فرمایئے تفسیر نمونہ جلد ۲، صفحہ ۱۹۷)

آیئے دیکھیں، اہلِ لغت نے اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے جو معانی بیان کئے گئے ہیں، وہ مذکورہ بالا تشریحات سے کس حد تک ہم آہنگ ہیں:

عربی/اُردو لغت کی مقبول ترین کتاب 'المنجد' کی عبارت یہ ہے:

الحکمۃ:۔ انصاف، حلم، بُردباری، فلسفہ، حق کے موافق کلام، کام کی درستی۔

(ملاحظہ فرمایئے: المنجد صفحہ ۲۲۹)

ہندوستان سے شائع شدہ ایک اردو لغت کی کتاب (مصباح اللغات) میں بھی تقریباً یہی تشریح کی گئی ہے، فرق صرف یہ ہے کہ 'المنجد' میں انصاف اور حِلم لکھا ہے، جبکہ 'مصباح اللغات' کے مؤلف نے انصاف کے بعد حِلم کے بجائے عِلم کا لفظ استعمال کیا ہے۔

(ملاحظہ فرمایئے: مصباح اللغات صفحہ ۱۶۹)

اور بظاہر، یہ اول الذکر سے بہتر تشریح ہے۔

البتہ لکھنؤ سے شائع ہونے والی ایک اردو لغت کی کتاب کے اندر، نسبتاً تفصیل کے ساتھ اس لفظ کی تشریح کی گئی ہے۔ اور اس کے مختلف استعمال کی نشاندہی بھی کی گئی ہے

اس کتاب کے مؤلف نے لفظ حکمت کے بارے میں لکھا ہے کہ:

یہ عربی لفظ ہے، مؤنث ہے، فصیح ہے، اور رائج ہے

اس کے معانی:

(۱) :۔ عقل، دانش، دانائی، درست گفتاری، درست کرداری،

(۲) :۔ حکمت: احوال موجودات کے علم سے عبارت ہے جیسا کہ وہ نفس الامر میں ہے، بشری طاقت کے موافق۔

اور اس کی تین قسمیں

طبعی — ریاضی — الٰہی۔

(۱) "طبعی":۔ وہ ہے جس میں اُن امور کی بحث کی جائے جو تعقل اور وجود خارجی میں مادّے کی محتاج ہوں۔

جیسے پانی، ہوا وغیرہ اجسام مرکبہ و مفردہ کا علم

(۲) "ریاضی":۔ جس میں صرف اُن امور کی بحث کی جائے جو وجودِ خارجی میں مادّے کی محتاج ہوں، لیکن تصورِ عقلی میں مادّے کی محتاج نہ ہوں جیسے مقدار اور عدد خاص کا علم جو مادّیات میں موجود ہے، نہ کہ مطلق عدد کا۔ کیونکہ بعض ان میں سے، مادّے کے بغیر بھی خارج میں پائے جاتے ہیں جیسے عقولِ عشرہ میں۔

(۳) "الٰہی":۔ جس میں ان اُمور سے بحث کی جائے جو نہ تو وجودِ خارجی ہی میں مادہ کی محتاج ہوں اور نہ تصورِ عقلی میں۔ جیسے خداوند تعالیٰ اور عقول عشرہ وغیرہ کا علم۔

آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:

بعض لوگوں نے حکمت کی دو قسمیں قرار دی ہیں:

(۱) "علمی":۔ جس کو حکمتِ نظری بھی کہتے ہیں اور جس میں حقائق موجودات کا تصور ہوتا ہے۔

(۲) "عملی":۔ جس میں تہذیبِ اخلاق، تدبیرِ منزل اور سیاستِ مدن شامل ہے۔

"تہذیب اخلاق":۔ جس میں ان افعال کی تعلیم دی جاتی ہے جو انسان کو اخلاقی حیثیت سے انجام دینے چاہییں۔

"تدبیرِ منزل":۔ جس میں اہلِ منزل کا انتظام اور اہتمام بقدرِ کافی موجود ہو۔

"سیاستِ مدن":۔ جس میں شہروں، ولایتوں (اور حکومتوں) کے

انتقام کا حال بیان کیا جائے۔

(مہذب اللغات جلد ۳ صفحہ ۳۳۳)

آخر میں ایک ایسی کتاب سے کچھ حوالے پیش کر رہے ہیں جسے قرآنی الفاظ کی تشریح کے سلسلہ میں علماء و محققین کے درمیان شہرتِ عام حاصل ہے، یعنی:

امام راغب اصفہانی کی "مفردات القرآن"

آئیے، اس کی عبارت پر ایک نظر ڈالیں:

"الحکمت — کے معنی: علم و عقل کے ذریعہ حق بات دریافت کر لینے کے ہیں، لہٰذا "حکمت الٰہی" کے معنی: اشیاء کی معرفت، اور پھر نہایت استحکام کے ساتھ اُن کو موجود کرنا ہے۔

اور "انسانی حکمت": موجودات کی معرفت اور اچھے کاموں کو سرانجام دینے کا نام ہے۔ چنانچہ آیتِ کریمہ

"وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ (اور یقیناً ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی)

(سورہ ۳۱ آیت ۱۲)

میں حکمت کے یہی معنی مراد ہیں۔

لہٰذا اللہ کے لئے جب "حکیم" کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے وہ معنیٰ مراد نہیں ہوتے جو کسی انسان کے حکیم ہونے کے ہوتے ہیں...

اور قرآن مجید کو "حکیم" یا تو اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ حکمت کی باتوں پر مشتمل ہے۔

جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے:

تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ - یہ بڑی دانی والی کتاب کی آیتیں

ہیں)۔ (یونس:۱)

ایک اور جگہ ارشاد ہوا:

وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْاَنْبَاءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ

(اور ان لوگوں کو (سابقین کی) ایسی خبریں پہونچ چکی ہیں جن میں عبرت (کا سامان موجود) ہے، اور کامل دانائی (کی کتاب بھی)۔

(سورۃ القمر:۴)

البتہ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ:

قرآن مجید کے بارے میں جب لفظ "حکیم" بولا جائے تو اس کے معنی محکم ہوتے ہیں، جیسا کہ قرآن مجید میں نشاندہی کی گئی ہے کہ:

كِتَابٌ اُحْكِمَتْ آيَاتُهٗ۔ (یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتیں مستحکم ہیں)

اور مذکورہ بالا دونوں ہی قول صحیح ہیں، کیونکہ قرآن مجید کی آیات مستحکم بھی ہیں اور حکمت و دانائی سے مالا مال بھی۔

حوالہ کیلئے ملاحظہ فرمایئے:

مفردات القرآن، راغب اصفہانی جلد اول صفحہ ۲۱۷

لفظ حکمت کی مذکورہ بالا تشریحات کو سامنے رکھتے ہوئے، قرآن مجید کے اس اعلان پر غور فرمایئے کہ:

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا

(اور جسے حکمت دی گئی اسے (درحقیقت) خیر کثیر (بہت سی بھلائی) عطا کر دی گئی۔

یہاں، حوزہ علمیہ قم المقدسہ کے محترم علمائے کرام اور دانشورانِ عظام کا

یہ جملہ بھی قابلِ قدر ہے، جنھوں نے اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے کہ:

(قرآن حکیم کے اس فقرے) میں فرمایا گیا ہے کہ:

"جسے دانش و حکمت دی گئی، اُسے بہت سی خیر و برکت مل گئی۔"

مطلق خیر ـــــ نہیں کہا گیا (بلکہ خیرِ کثیر کہا گیا ہے)

کیونکہ خیر و سعادت، محض دانش و حکمت میں نہیں ہے، بلکہ حکمت اس کا ایک اہم عامل ہے۔

(ملاحظہ فرمائیے: تفسیر نمونہ جلد ۲ ص ۱۹۵)

یہ بات بھی ملحوظِ نظر رہنی چاہیئے کہ:

قرآن مجید کی متعدد آیات میں، مختلف مناسبتوں سے کم از کم بیس مقامات پر لفظ "حکمت" وارد ہوا ہے، جن میں سے تیمناً و تبرکاً، ہم چند مقامات کا مختصر ذکر کرتے ہیں:

● - حضرت ابراہیمؑ نے جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت کی دُعا فرمائی تو اس میں یہ بھی فرمایا کہ یہاں وہ پیغمبر مبعوث فرمانا جو کتاب و حکمت کی تعلیم دیں۔

چنانچہ ارشادِ قدرت ہے: (کہ جناب ابراہیمؑ نے گذارش کی):

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔

(اے ہمارے پروردگار! ان لوگوں کے درمیان، ان ہی میں سے ایک رسول بھیجنا جو اُن کے سامنے تیری آیتوں کی تلاوت کریں، اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیں)

(سورہ مبارکہ البقرہ ۲ آیت ۱۲۹)

• ۔ جب خداوندِ عالم نے جنابِ مریمؑ کو حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کی خبر سنائی تو اُن کی توصیف کرتے ہوئے فرمایا کہ،

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ.

(اے مریمؑ، خداوندِ عالم) اُن کو کتاب و حکمت اور توریت و انجیل کی تعلیم دے گا۔

(سورۂ ۳ آلِ عمران آیت ۴۸)

۲

جب بندوں کو خداوندِ عالم کی عطا کردہ نعمتوں کو یاد کرنے کی تاکید کی گئی تو یہ وضاحت بھی کر دی گئی کہ پروردگارِ عالم نے دوسری نعمتوں کے ساتھ ساتھ تمہیں کتاب و حکمت جیسی نعمت عطا فرمائی ہے۔

ارشادِ قدرت ہے:

... وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ.

اور خدا نے جو تمہیں نعمتیں دی ہیں انھیں یاد کرو اور اُس نے تم پر جو کتاب و حکمت نازل فرمائی، جس سے تمہیں نصیحت کرتا ہے۔ اور اللہ سے ڈرو اور سمجھ لو کہ خداوندِ عالم ہر چیز سے خوب باخبر ہے)

(سورۂ البقرہ ۲ آیت ۲۳۱)

۳

• ۔ خداوندِ عالم نے اپنے پیغمبروں سے جو عہد و پیمان لیا تھا اس میں بھی کتاب و حکمت کا تذکرہ ہے۔

ارشادِ قدرت ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ

اور جب خدا نے پیغمبروں سے عہد و پیمان لیا کہ ہم تم کو جو کچھ کتاب و حکمت عطا کریں، اُس کے بعد تمہارے پاس رسول آئیں جو اُس (کتاب) کی تصدیق کریں جو تمہارے پاس ہے، تو تم لوگ ضرور اُن پر ایمان لانا اور ضرور اُن کی مدد کرنا)

(سورۂ آلِ عمران آیت ۸۱)

(۶)

• ۔ آلِ ابراہیم کو خداوندِ عالم نے جو انعامات دیئے، اُن میں کتاب و حکمت کا خاص تذکرہ ہے۔

ارشادِ قدرت ہے:

فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا

(اور یقیناً ہم نے اولادِ ابراہیم کو کتاب و حکمت عطا کی۔ اور انھیں عظیم سلطنت سے نوازا۔

(سورہ النساء آیت ۵۴)

(۷)

• ۔ جنابِ لقمانؑ کو پروردگارِ عالم نے حکمت کی دولت سے مالا مال فرمایا۔ تو اِس کا پہلا نتیجہ یہ قرار دیا کہ وہ شکرِ خدا بجالائیں۔

چنانچہ ارشادِ قدرت ہے:

وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ : أَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ، وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ...

اور یقیناً ہم نے ہی لقمان کو حکمت عطا کی (اور یہ دانشمندی دی) کہ خدا کا شکرادا کرو۔ اور جو شخص بھی شکرادا کرتا ہے، وہ درحقیقت اپنے فائدہ ہی کیلئے شکرادا کرتا ہے)۔

(سورۂ لقمان آیت ۱۲)

●۔ جناب داؤد کو سلطنت عطا کی، تو ان کیلئے حکمت کا تحفہ بھیجا۔ ارشادِ قدرت ہے:

وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ۔

(اور ہم نے ان کی سلطنت کو مضبوط کیا، اور انھیں حکمت (ودانائی) اور فیصلہ کن خطاب (کی صلاحیت) عطا کی)

(سورہ صٓ آیت ۲۰)

ازواج پیغمبرؐ، جو مالی مشکلات، اور دیگر پریشانیوں کے سبب دلگرفتہ اور نالاں رہتی تھیں آن کو تنبیہ کرتے ہوئے پروردگار عالم نے فرمایا کہ تمہارے گھروں میں جو آیاتِ الٰہی اور حکمت ودانائی کی باتوں کی تلاوت ہوتی ہے (اس عظمت کو یاد رکھو)

چنانچہ ارشادِ قدرت ہے:

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا۔

اور تمہارے گھروں میں جو آیاتِ الٰہی اور حکمت (کی باتوں) کی تلاوت کی جاتی ہے اسے یاد رکھو، بیشک خداوند عالم باریک بیں اور خوب باخبر ہے)

(سورہ احزاب، آیت ۳۴)

۱۰

• ۔ اور ہر وہ شخص جو لوگوں کو خداوندِ عالم کی طرف دعوت دے، دین کی طرف بندوں کو بلائے، اور حق کی بات سُنانا چاہے اُس کا بنیادی فریضہ یہ قرار دیا کہ وہ حکمت و دانائی کے ساتھ ہی لوگوں کو پیغام حق سنائے۔

ارشادِ قدرت ہے:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَ جَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ...

(خداوندِ عالم کے راستہ کی طرف (لوگوں کو) دعوت دو حکمت (و دانائی) اور اچھی نصیحت کے ساتھ، اور ان سے بحث (کرنی) ہو تو نہایت احسن طریقے سے)...

(سورۃ النحل آیت ۱۲۵)

مخالفین سے آپ کے مناظرے

قرآن مجید میں خالق دوجہاں نے، دعوت الی اللہ کی ہدایت کے ساتھ یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ جب مخالفین سے بحث و مباحثہ کا موقع ہو تو نہایت شائستہ اور احسن انداز اختیار کرنا چاہیئے:

ارشاد قدرت ہے:

ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن...

(اپنے پروردگار کے راستے کی طرف (لوگوں کو) حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ دعوت دیجئے، اور ان سے احسن طریقے سے بحث کیجئے)

(سورہ مبارکہ النحل آیت ۱۲۵)

جس کے ذیل میں ارباب تفسیر نے لکھا ہے کہ:

"اس (آیت) میں تبلیغ و دعوت کے اصول بیان کئے ہیں جو حکمت موعظہ حسنہ اور رفق و ملائمت پر مبنی ہیں۔

"جدال بالاحسن۔ درشتی اور تلخی سے بچتے ہوئے نرم و مشفقانہ لہجہ اختیار کرنا ہے

اس آیت میں واضح اعلان ہے کہ:

"دعوت (الی اللہ) میں دو چیزیں ملحوظ رہنی چاہئیں، ایک: حکمت' دوسرے عمدہ نصیحت۔

حکمت کا مطلب یہ ہے کہ... اندھا دھند تبلیغ نہ کی جائے' بلکہ دانائی کے ساتھ مخاطب کی ذہنیت' استعداد' اور حالات کو سمجھ کر' نیز موقع و محل دیکھ کر بات کی جائے جس شخص یا گروہ سے سابقہ پیش آئے' پہلے اس کے مرض کی تشخیص کی جائے' پھر ایسے دلائل سے اس کا علاج کیا جائے جو اس کے دل و دماغ کی گہرائیوں سے اسکے مرض کی جڑ نکال سکتے ہوں۔

عمدہ نصیحت کے دو مطلب ہیں:

ایک یہ کہ مخاطب کو صرف دلائل ہی سے مطمئن کرنے پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ اس کے احساسات کو بھی اپیل کی جائے' برائیوں اور گمراہیوں کا محض عقلی حیثیت ہی سے ابطال نہ کیا جائے بلکہ انسان کی فطرت میں اُن کیلئے جو پیدائشی نفرت ہے اسے بھی ابھارا جائے۔

اسی طرح قرآن کا یہ اعلان کہ) "مباحثہ کرو ایسے طریقے پر جو بہترین ہو" یعنی اس کی نوعیت محض مناظرہ بازی... نہ ہو (اور)... اس کا مقصود حریف مقابل کو چُپ کر دینا... نہ ہو— بلکہ اس میں شیریں کلامی ہو' اعلیٰ درجے کا شریفانہ اخلاق ہو' معقول اور دل کو چھونے والے دلائل ہوں۔

(تفہیم القرآن— جلد ۲ صفحہ ۵۸۱، ۵۸۲)

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کے جن مناظروں کو مورخین نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے' وہ اسی قرآنی اسلوب کا نمونہ تھے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانہ میں چونکہ دنیا بھر سے

تشنگان علم و معرفت، مدینہ میں جمع ہو رہے تھے، اور مختلف موضوعات پر بحث و مباحثہ کا دروازہ کھلا ہوا تھا، اس لئے آپ کے عہد میں سیکڑوں مناظرے ہوئے، جن کا ذکر فریقین کی کتابوں میں موجود ہے۔

دانشمند ارجمند آقائے مہدی پیشوائی نے اپنی کتاب "سیرہ پیشوایان" میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے اس مناظرہ کا ذکر کیا ہے جو برادران اہلسنت کے امام اعظم جناب ابوحنیفہ سے ہوا تھا[1]

وہ کہتے ہیں کہ:

ایک روز جناب ابوحنیفہ نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے در اقدس پر حاضر ہو کر امام علیہ السلام سے ملاقات کیلئے اجازت طلب کی، لیکن چونکہ امام اس وقت مصروف تھے اس لئے انھیں اندر جانے کی اجازت نہیں ملی۔

وہ کہتے ہیں کہ میں تھوڑی دیر در دولت ہی پر ٹھہرا رہا، یہاں تک کہ کچھ لوگ امامؑ سے ملاقات کے لئے آئے تو میں بھی ان ہی لوگوں کے ساتھ امامؑ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔

(جب سب لوگ بیٹھ گئے اور گفتگو شروع ہوئی تو) میں نے امام علیہ السلام سے عرض کیا کہ:

کوفہ میں دس ہزار سے زیادہ ایسے لوگ ہیں، جو صحابہ رسولؐ کو ناسزا کلمات سے یاد کرتے ہیں، کتنا اچھا ہو، اگر آپ اپنا کوئی نمائندہ بھیجیں جو ان لوگوں کو اس بات سے روکے۔

امامؑ نے فرمایا (کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، کیونکہ) وہ لوگ میری بات

---

[1] ظاہر یہ اس وقت کی بات ہے جب ابھی امام ابوحنیفہ نے حضرت امام جعفر صادقؑ کی شاگردی نہیں اختیار کی تھی

نہیں مانیں گے۔

(ابو حنیفہ نے عرض کیا کہ): آپ فرزند پیغمبرؐ ہیں، کیسے ممکن ہے کہ لوگ آپ کی بات نہ مانیں اور آپ کی ہدایات پر عمل نہ کریں۔؟

امامؑ نے فرمایا کہ: خود آپ بھی ان ہی لوگوں میں شامل ہیں جو میری بات پر عمل نہیں کرتے!۔ کیا آپ میری اجازت کے بغیر یہاں نہیں آئے"؟۔

کیا ایسا نہیں ہوا کہ میرے کہنے سے پہلے ہی آپ (میرے سامنے) آکر بیٹھ گئے؟۔

اور کیا اجازت لئے بغیر آپ نے گفتگو شروع نہیں کر دی؟

پھر آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ:

"آپ فرزندِ پیغمبرؐ ہیں، ناممکن ہے کہ لوگ آپ کی ہدایت پر عمل نہ کریں)!

(سیرہ پیشوایان جلد ۱ صفحہ ۳۶۱، ۳۶۲)

اس کے بعد امام علیہ السلام نے جناب ابوحنیفہ سے قیاس کے مسئلے پر وہ معروف گفتگو فرمائی، جو اسی کتاب میں گذر چکی ہے اور اس کے بعد فرمایا کہ:

قرآن مجید کی آیت: لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ (اس دن (روز قیامت) تم لوگوں سے نعمت کے بارے میں ضرور سوال کیا جائے گا" (سورہ التکاثر آیت ۸)

کی تفسیر آپ یہ کرتے ہیں کہ:

"لوگ جو غذائیں کھاتے ہیں، اور گرمیوں میں ٹھنڈا پانی پیتے ہیں، قیامت میں خداوند عالم لوگوں سے اس کے بارے میں بھی بازپرس کرے گا۔؟

ابوحنیفہ نے کہا:۔ جی ہاں۔ میں نے مذکورہ بالا آیت کی یہ تفسیر بیان کی ہے!

یہ سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا:

"یہ بتاؤ اگر کوئی شخص تمہیں کھانے پر بلائے، پھر تمہارے سامنے لذیذ

غذائیں اور ٹھنڈا پانی پیش کرے (جسے تم کھاؤ پیو) — اور بعد میں وہ شخص اس دعوت کے سلسلہ میں تم پر احسان جتائے (یا بازپرس کرے کہ کیا میں نے تم کو یہ چیزیں نہیں کھلائی تھیں) تو تم ایسے شخص کے بارے میں کیا کہو گے؟

ابو حنیفہ نے کہا: میں اُسے انتہائی کنجوس انسان قرار دوں گا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا کہ: کیا خداوند عالم (نعوذ باللہ) بخیل ہے کہ دنیا میں اس نے ہمیں جو لذیذ غذائیں عطا کی ہیں (یا ٹھنڈا پانی فراہم کیا ہے) اس کے بارے میں (قیامت میں) ہم سے بازپرس کرے؟

ابو حنیفہ نے پوچھا کہ:

پھر اس آیت کا مطلب کیا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا کہ: خاندانِ رسالت کی مودت ہے (جسے قرآن نے اجرِ رسالت قرار دیا ہے)

(بحار الانوار علامہ مجلسی جلد ۱۰ صفحہ ۲۲
سیرہ پیشوایان)

اسی طرح تفسیر برہان میں آپ کے اس مناظرے کا تذکرہ ہے جو قدریہ فرقہ کے سربراہ سے ہوا تھا۔

"قدریہ" وہ فرقہ ہے جس کے بارے میں اہلحدیث کے بلند مرتبہ عالمِ دین علامہ وحید الزماں صاحب نے لکھا ہے کہ:

(یہ لوگ اس بات کے قائل تھے کہ) "اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم نہ تھا کہ ایسا ہوگا۔ بلکہ ہر بات کا علم اس کے وقوع کے بعد ہوا۔

اس قسم کے قدریہ گذر گئے، اب نہیں رہے، لیکن بعد کے قدریہ... بندے

کو اپنے افعال میں پورا قادر اور اپنے افعال کا خالق سمجھتے ہیں' ان کو مجوس سے تشبیہ دی گئی ہے۔"

آگے چل کر ایک اور عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ:

"بین الجبر والقدر، منزلة بین المنزلین ۔۔۔ (جبر و قدر کے درمیان ایک ایسی منزلت ہے جو دو منزلتوں کے درمیان میں ہے)

نہ بندہ بالکل مجبور ہے نہ بالکل مختار، بیچ بیچ میں ایک درجہ ہے جو... اہل حق کا مذہب ہے۔

قدریہ کہتے ہیں کہ: بندہ اپنے افعال میں بالکل مختار ہے۔

اور جبریہ کہتے ہیں کہ: بندہ جمادات کی طرح مجبور ہے۔

دونوں فرقے گمراہ ہیں۔ (الامر بین الامرین ہی راہ صواب اور طریق نجات ہے)

صاحب تفسیر البرہان کا بیان ہے کہ:

عبدالملک بن مروان کے دور حکومت میں قدریہ فرقہ کا ایک بلند مرتبہ شخص آیا اور اس نے شام کے لوگوں سے متعدد مناظرے کئے اور لوگوں کو شکست دیتا گیا۔

یہاں تک کہ وہاں کے سب لوگ اس سے مقابلہ کرنے سے عاجز ہو گئے تو وقت کے حکمران عبدالملک بن مروان کو خیال آیا کہ:

اس شخص کو حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور شکست نہیں دے سکتا، چنانچہ اس نے مدینہ منورہ اپنے نمائندے کو بھیج کر امام علیہ السلام کو شام آنے کی دعوت دی، جس کے جواب میں امام باقر علیہ السلام نے فرمایا

میرا سن زیادہ ہو چکا ہے' اور سفر کرنا میرے لئے دشوار ہے اسلئے

اپنے فرزند کو بھیج رہا ہوں) چنانچہ آپ نے امام جعفر صادقؑ کو اُس قدریہ سے مناظرہ کرنے کے لئے روانہ کر دیا۔

جب آپ شام پہونچے، تو آپ کی کمسنی کو دیکھ کر اس نے خیال کیا کہ جب وہ شخص یہاں کے تمام بڑے بڑے لوگوں کو شکست دے چکا ہے، تو یہ کمسن نونہال اس سے کیسے مناظرہ کر سکیں گے!؟

اور چونکہ اس کا دل عداوتِ اہلبیتؑ سے بھرا ہوا تھا، اس لئے اسے یہ اندیشہ بھی تھا کہ اگر یہ نوجوان اُس قدریہ فرقے کے لیڈر پر غالب آ گیا تو خاندانِ اہلبیتؑ کی عظمت و جلالت اور بھی نمایاں ہو جائے گی (کہ ایک کمسن نونہال نے اتنے بڑے لیڈر کو شکست دے دی)۔

چنانچہ عبدالملک نے مناظرہ کرانے میں پس و پیش سے کام لیا۔ لیکن تمام دربار والوں نے اصرار کیا کہ جب وہ مدینہ سے اسی مقصد کیلئے تشریف لائے ہیں تو مناظرہ نہ کرانے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

جس کے بعد بزم آراستہ کی گئی، قدریہ فرقے کا لیڈر بھی آیا، اور امام علیہ السلام بھی تشریف فرما ہوئے۔

گفتگو کا آغاز ہوا تو قدریہ فرقہ کے لیڈر نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہا کہ:

"اگر آپ کچھ کہنا چاہتے ہوں تو فرمایئے!

امامؑ نے اُس سے کہا: ذرا سورہ الحمد کی تلاوت کرو۔

اس شخص نے تلاوت شروع کی۔ جب "اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ" تک پہنچا تو امام علیہ السلام نے فرمایا:

"ذرا ٹھہر جاؤ۔ یہ بتاؤ، جب تمہارے اعتقاد کے مطابق ہر چیز تمہارے

اختیار میں ہے (اور خداوندِ عالم کو جو کچھ کرنا تھا، کر چکا) — تو پھر اس سے مدد مانگنے کی کیا ضرورت ہے (مدد تو اس چیز کے لئے مانگی جاتی ہے، جو انسان کے اختیار میں نہ ہو — اور جب تمہارا عقیدہ ہے کہ ہر چیز تمہارے اختیار میں ہے تو اب مدد کیوں مانگ رہے ہو)

یہ سُن کر وہ شخص بالکل مبہوت ہو گیا — کوئی جواب نہ دے سکا۔

(تفسیر البرہان جلد ۱ صفحہ ۴۳)

قدریہ فرقہ کے عقیدہ کے مطابق جب ہر کام کا اختیار بندوں ہی کو ہے اور خدا کو بندوں کے معاملات میں کوئی دخل ہی نہیں ہے، بلکہ اُس نے سارے کام اُن ہی کے سُپرد کر دیئے ہیں، تو پھر اس سے مدد مانگنا، اپنے معاملات میں اس سے نصرت کی درخواست کرنا، سب کچھ بے کار اور بے فائدہ قرار پاتا ہے۔

اسی لئے جب امام جعفرِ صادق علیہ السلام نے اس سے سوال کیا کہ:

"تم جب سورۃ الحمد پڑھتے ہو اور خداوندِ عالم کو مخاطب کر کے یہ کہتے ہو کہ:

"پالنے والے! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں، اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔"

تو اس مدد مانگنے، یا مدد چاہنے کا کیا مطلب ہے؟

اور قدریہ فرقے کا وہ شخص جواب تک مسلسل مناظرے جیت کر غرور میں مبتلا تھا، یک لخت اس کا غرورِ علم خاک میں مل گیا — اور امام علیہ السلام کی عظمت و جلالت سب پر نمایاں ہو گئی۔

ثقۃ الاسلام جناب شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی نے اپنی شہرہ آفاق تالیف

"کافی" میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے متعدد مناظروں کا تذکرہ کیا ہے جن میں سے ہم یہاں صرف ایک مناظرہ کی روداد مختصر الفاظ میں درج کرتے ہیں، جس سے اندازہ ہوگا کہ امام علیہ السلام نے منکرین خدا سے کس قدر سادہ اور آسان دلائل کے ذریعے سے وجودِ خدا کا اقرار کرایا۔

ابوشاکر دیصانی، اُس زمانہ کا نہایت وجیہ اور بااثر زندیق تھا، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا:

"مجھے معبودِ برحق کی طرف راستہ دکھلایئے!"

امام علیہ السلام نے فرمایا: تھوڑا سا انتظار کرو۔

اتنے میں ایک لڑکا ہاتھ میں ایک انڈہ لئے ہوئے وہاں سے گذرا۔ امام نے اس لڑکے کو قریب بلایا، اور اُس کے ہاتھ میں جو انڈہ تھا اس کی طرف اشارہ کر کے ابوشاکر دیصانی سے فرمایا:

"دیکھو۔ یہ ایک مستحکم اور سڈول قلعہ (نما چیز) ہے، اس میں کوئی سوراخ نہیں ہے، کسی طرف سے کوئی راستہ بنا ہوا نہیں ہے۔

اس کے اوپر کے حصّے میں ایک سخت جلد، اور اس کے اندر ایک نرم جھلّی ہے اور اُس جھلی کے نیچے سفید سیال اور اس کے اندر دائرہ نما زرد سیال موجود ہے۔

دونوں چیزیں اگرچہ سیال ہیں لیکن الگ الگ رہتی ہیں نہ زردی، سفیدی میں مخلوط ہوتی ہے اور نہ سفیدی، زردی میں گھل مل جاتی ہے۔

یہ دونوں چیزیں اپنی اپنی جگہ رہتی ہیں، نہ کوئی درست کرنے والا کاریگر اس کے اندر گیا ہے، نہ کوئی اس کی ہیئت بگاڑنے والا، اس سے باہر آتا ہے۔

(یہ انڈہ کچھ دنوں تک مرغی کے پروں کے نیچے رکھا رہتا ہے) کسی کو معلوم نہیں ہوتا کہ اس سے نر پیدا ہوگا یا مادہ۔

البتہ کچھ دنوں کے بعد یہ اچانک شق ہوتا ہے اور ایک ننھا منا خوش رنگ پرندہ باہر آجاتا ہے۔

بتاؤ کیا تمھاری عقل اس کو مانتی ہے کہ یہ سب صنعت گری، کسی صانع علیم و قدیر، لطیف و خبیر کے بغیر خود بخود وجود میں آسکتی ہے؟

ابوشاکر دیصانی نے امام علیہ السلام کی گفتگو سن کر سر جھکا لیا، کافی دیر غور و فکر کرتا رہا۔ پھر بے ساختہ بول اٹھا:

"میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک اللہ موجود ہے کیونکہ یہ خوشنما صنعت گری کسی انسان کے اختیار کی چیز نہیں ہے، انڈے کے اندر سے خوشنما پرندوں کو نکالنے والا) خدائے برحق ہے، وہ وحدہٗ لاشریک ہے، حضرت محمد مصطفےٰ اس کے رسول ہیں اور آپ حجتِ خدا اور نائب رسول ہیں۔

(کافی۔ کتاب الحجت: تاریخ ائمہ ۳۲۹)

دین سائنسی ترقی کا مخالف نہیں ہے

"اسلام اس وقت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ سے ایک دستورِ حیات کی صورت میں ہمیں عطا کیا گیا ... جب ساری انسانیت جاہلیت کے اندھیروں میں بھٹک رہی تھی، روئے زمین شر اور فساد سے بھری ہوئی تھی اور بدی نے پورے عالم کا چہرہ ڈھانپ لیا تھا۔

ایسے وقت میں جب اسلام آیا، تو اس نے انسان کو ایک نئی زندگی عطا کی، اس نے انسانیت کو اللہ کی آخری کتاب: قرآن عطا کیا، جس نے انسان کو زندگی اور کائنات کے بارے میں نئی اقدار بخشیں اور اس نئے نظامِ زندگی کو عملاً ایک سخت معاشرے میں برپا کر کے دکھایا۔

اور جب یہ نظام حقیقی زندگی میں جلوہ گر ہوا تو اس میں ایسی صفائی و پاکیزگی، اس قدر سادگی و آسانی، اس قدر واقعیت، ایجابیت، اور اس قدر ہم آہنگی اور ارتباط تھا کہ عقلِ انسان (کسی ہادی برحق، اور کسی الٰہی نمائندے کے بغیر) ایسے کسی نظامِ زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی، چہ جائیکہ عملی طور پر اسے کسی معاشرے میں نافذ کر کے بتا دے۔"

(استفادہ، فی ظلال القرآن)

"دین" چونکہ ایک نظامِ زندگی کا نام ہے، اور سائنس اس کائنات کی چیزوں پر غور و فکر کا نام ہے۔ تو اب یہ صورتِ حال سامنے آتی ہے کہ:

کائنات' وہ ہے جسے خداوندِ عالم نے ایجاد کیا ہے'
اور دین' وہ ہے جسے خداوندِ عالم نے بھیجا ہے'
بالفاظِ دیگر، وہ اللہ کا انجام دیا ہوا عمل ہے۔
: یہ اللہ کا ارسال کردہ پیغام ہے۔

اور یہ بات ناممکن ہے کہ خداوندِ عالم کے انجام دیتے ہوئے عمل اور اُس کے بھیجے ہوئے پیغام میں تضاد ہو۔ اسلیئے حقیقی سائنس اور دین کے بنیادی پیغام میں کبھی تضاد یا تعارض ہو ہی نہیں سکتا۔ بلکہ اپنی اساس کے اعتبار سے دونوں ایک دوسرے کی تائید کریں گے۔

اسی لئے ہمارے ہادیانِ برحق نے جو ہدایات دی ہیں' ان میں اہلِ سائنس کے لئے بھی بہت عظیم اور دُور رس نتائج کے حامل نکات موجود ہیں۔

اور حضرت امام جعفرِ صادق علیہ السلام کے شاگردوں نے ' ہر دور میں' اس بات کو لوگوں تک پہنچانے کی سعی مسلسل کی ہے کہ:
" دین سائنسی ترقیوں کا مخالف ہرگز نہیں ہے۔
امام علیہ السلام کے حلقۂ درس میں تمام علوم کا درس دیا جاتا تھا' کیونکہ آپ اپنے شاگردوں کے ذہن میں یہ بات راسخ فرمانا چاہتے تھے کہ:
علم جس قدر آگے بڑھے گا ——— اسی قدر دین کی تقویت کا سبب بنے گا۔

یہی وجہ ہے کہ — بہت سے علوم' جن کی طرف سے' اُس زمانہ میں بے اعتنائی برتی جاتی تھی' لیکن امامؑ کے حلقۂ درس میں اس کی بھی تعلیم

دی جاتی تھی۔

جیسے فلسفہ۔ کہ اس وقت کے بہت سے لوگ اُس سے پرہیز کرتے تھے، اور اُن کا خیال تھا کہ فلسفہ پڑھنے سے لوگوں کے اندر دین کا جذبہ سست ہو جائیگا۔ یا وہ انتشارِ ذہنی کا شکار ہو جائیں گے۔

لیکن امام علیہ السلام فلسفہ کے اعلیٰ مطالب کا درس بھی دیتے تھے، اور آپ کی یونیورسٹی میں دیگر علوم جیسے فزکس، کیمسٹری، طب، جغرافیہ، علم ہیئت، حساب، ہندسہ اور ریاضیات وغیرہ کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔

قرآنی آیات میں تضاد ممکن نہیں ہے

"قرآنِ مجید"— خالقِ دو جہاں کی طرف سے نازل ہونے والی وہ آخری کتاب ہے جو قیامت تک باقی رہنے والی ہے، جس کا جواب لانے سے جن و انس عاجز ہیں اور جس میں اختلاف و تضاد کی ہرگز کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اسی لئے مالکِ کائنات نے یہ اعلان فرما دیا کہ اگر یہ غیرِ خدا کی طرف سے ہوتی تو اس میں اختلاف کی گنجائش ہوتی، جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے:

..ولو کان من عند غیر اللّٰہ، لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً.

(اور اگر یہ (قرآن) خداوندِ عالم کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا، تو یہ لوگ اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے)

(سورۃ النساء آیت ۸۲)

کیونکہ— کوئی انسان اس بات پر قادر نہیں ہے کہ:

سالہا سال تک، وہ مختلف حالات میں، مختلف مواقع پر، مختلف مضامین پر تقریریں کرتا رہے، اور اول سے آخر تک، اس کی ساری تقریریں، ایسی ہموار یک رنگ متناسب مجموعہ بن جائیں، جس کا کوئی جز دوسرے جز سے متصادم نہ ہو۔ جس میں تبدیلئ رائے کا کہیں نشان تک نہ ملے۔ جس میں متکلم کے نفس کی، مختلف کیفیات، اپنے مختلف رنگ نہ دکھائیں اور جس پر کبھی نظرِ ثانی تک کی ضرورت پیش نہ آئے۔"

(تفہیم القرآن جلد ۱، ۳۷۷)

پھر یہ کہ اس میں پچھلی قوموں کے واقعات بھی بیان کئے گئے ہیں جنھیں خداوند علام الغیوب کے علاوہ کوئی اور بیان نہیں کر سکتا۔

اسی کے ساتھ یہ بات بھی خاص طور سے قابل توجہ ہے کہ: (گذشتہ اقوام کی) حکایات و قصص (جو قرآن نے بیان کئے) ان میں نہ باہمی تعارض ہے نہ تضاد اور نہ اُن کا چھوٹے سے چھوٹا کوئی جز قرآن کی کسی اصل سے ٹکراتا ہے۔

حالانکہ ایک انسان اگر اپنی طرف سے گذشتہ واقعات بیان کرے تو تسلسل کی کڑیاں ٹوٹ سکتی ہیں اور تفصیلات میں تعارض ہو سکتا ہے۔

(حواشی، صلاح الدین یوسف)

قرآن کریم ان تمام نقائص سے پاک ہے۔ اور اگر کسی شخص نے کج فہمی اور عناد کی بناء پر اسکی آیات میں تعارض تلاش کرنے کی کوشش کی تو ہمارے ہادیانِ برحق نے قرآن کی حقانیت کو اسطرح آشکار فرمایا کہ کسی اعتراض کی گنجائش ہی باقی نہ رہے چنانچہ تفسیر علی بن ابراہیم کی روایت ہے کہ:

ایک زندیق (ملحد) نے ابو جعفر الاحول سے دریافت کیا کہ:

خداوند عالم نے قرآن مجید میں ایک جگہ تو یہ فرمایا ہے کہ:

فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَنۡ لَّا تَعۡدِلُوۡا فَوَاحِدَةً "(اگر تمہیں خوف ہو کہ (کئی بیویوں میں) عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی پر اکتفا کرو)

اور دوسرے مقام پر ارشاد ہوا کہ:

وَلَنۡ تَسۡتَطِيۡعُوۡۤا اَنۡ تَعۡدِلُوۡا۔ (تم لوگ یہ کر ہی نہیں سکتے کہ عدل کرو)

(تو اگر انسان عدل کر ہی نہیں سکتا تو پہلی آیت میں اس کا امکان کیوں ظاہر کیا گیا) یہ تو بظاہر متضاد بات ہے؛ (پھر یہ کہ اگر یہ طے شدہ ہے کہ انسان عدل کر ہی نہیں سکتا تو خداوند عالم نے ایک سے زیادہ کی اجازت کیسے دیدی؟ یہ بات کیا اس کے

اپنے فرمان (کہ عدل نہ کر سکو تو ایک ہی پر اکتفا کرو) ۔ کے خلاف نہیں ہے ؟

یہ سن کر ابوجعفر الاحول کوئی جواب نہ دے سکے، انہوں نے اُس زندیق سے مہلت طلب کرلی (کہ میں اس کا جواب بعد میں دوں گا)

پھر کچھ عرصہ کے بعد وہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُس زندیق نے، قرآن مجید کی دو آیتوں کے حوالہ سے جو سوال کیا تھا، وہ امام علیہ السلام سے دریافت کیا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا کہ : جس آیت میں یہ بات کہی گئی ہے کہ :

فَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً " (اگر تم کو خوف ہو کہ عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی پر اکتفا کرو) ۔ اُس میں نان ونفقہ میں عدل وانصاف کا تذکرہ ہے۔

اور جس آیت میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ

وَلَنْ تَسْتَطِیْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا ۔ (تم سے ہو ہی نہیں سکتا کہ عدل کر سکو) ۔

اس میں قلبی محبت کا تذکرہ ہے۔ (کہ تم لوگوں سے یہ نہیں ہو سکتا کہ دونوں سے ایک جیسی محبت کرو)

(تو جب ایک آیت میں نان نفقہ کا تذکرہ ہے اور دوسری میں قلبی محبت کا، تو تضاد کہاں سے آگیا)

ابوجعفر الاحول کہتے ہیں کہ :

جب میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس سے واپس آیا، اور زندیق کو اُس مسئلے کا جواب بتایا، تو اُس نے بیساختہ کہا کہ :

"یہ جواب تم سرزمین حجاز سے (امام جعفر صادقؑ کے پاس سے) لائے ہو"

(مناقب ابن شہر آشوب جلد۴ صفحہ ۲۴۳)

امام جعفر صادقؑ کے عہد میں ثقافتی ترقی

قرآن مجید میں خالق دو جہاں کا ارشاد ہے:

صبغۃ اللہ، ومن احسن من اللہ صبغۃ، ونحن لہ عابدون۔

(اللہ کا رنگ — اور اللہ سے اچھا کس کا رنگ ہوگا، اور ہم اسی کے عبادت گذار ہیں) (سورہ البقرہ آیت ۱۳۸)

"اللہ کا رنگ"۔

جس کیلئے اللہ یہ چاہتا ہے کہ ساری انسانیت اسی میں رنگ جائے پھر نہ کہیں حسد و کینہ ہو اور نہ کہیں تعصب اور نہ رنگ و نسل کی تفریق و امتیاز۔

گویا ضمناً یہ پیغام بھی دیا جا رہا ہے کہ اپنی زندگی کے حرکات و سکنات، رفتار و گفتار قول و عمل، اور سیرت و کردار کی دنیا سے ہر قسم کے غیر خدائی رنگ کو دھو ڈالو۔

ہر قسم کے "خرافات، بے ہودگی، اور تفرقہ اندازی کے ظاہری رنگوں کے بجائے حقیقت کا رنگ اختیار کرلو، تاکہ تمہاری روح اور نفس ہر قسم کی آلودگی سے پاک ہو۔

غور کریں — یہ کیسی خوبصورت اور لطیف تعبیر ہے، اگر لوگ خدائی رنگ قبول کرلیں ... وحدت، عظمت، پاکیزگی اور پرہیزگاری کا رنگ، عدالت، مساوات، برادری اور برابری کا رنگ اور توحید و اخلاص کا رنگ اختیار کرلیں، تو اس سے تمام جھگڑے، کشمکش (جو کئی رنگوں میں اسیر ہونے کا سبب ہیں) ختم کر سکتے ہیں۔

اور شرک و نفاق اور تفرقہ بازیوں کو دور کر سکتے ہیں۔

(تفسیر فی ظلال القرآن و تفسیر نمونہ وغیرہ)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول، متعدد احادیث ہیں، ان ہی طرح طرح کے رنگوں کو دور کرنے کے بارے میں فرمایا گیا ہے... آپ نے فرمایا:

صبغۃ اللہ (اللہ کے رنگ) سے اسلام کا پاکیزہ آئین مراد ہے۔

(تفسیر نور الثقلین جلد ۱ صفحہ ۱۳۲)

اور جب تک انسان پوری طرح اللہ کے پسندیدہ رنگ ڈھنگ کو اپنی زندگی کا عنوان نہ بنا لے ___ اس وقت تک وہ الہٰی تہذیب سے روشناس ہو سکتا ہے نہ اسلامی ثقافت سے، جبکہ محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السلام کی تمام ہدایات کا ماحصل یہی تھا کہ ہماری زندگی اسلامی تہذیب و ثقافت کا مظہر بن جائے۔

مغربی دنیا کے وہ "25" بلند مرتبہ محققین و دانشور حضرات، جنھوں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے دور کی علمی ترقیوں پر سیر حاصل گفتگو کی ہے جسے "مغز متفکر جہانِ تشیع" کے نام سے ایران کے معروف دانشور جناب ذبیح اللہ منصوری نے فرانسیسی زبان سے فارسی کے قالب میں ڈھال کر "سازمان انتشارات جاویداں" سے شائع کیا ہے۔

اس کے مؤلفین نے لکھا ہے کہ:

یہ بدیہی اور واضح بات ہے کہ ہر معاشرے کی بقاء و پیشرفت میں اسکی ثقافت بہت مؤثر کردار ادا کرتی ہے، جس کی واضح مثال "یونان" کی علمی حیثیت ہے کہ

صدیاں گذر جانے کے باوجود، وہ ثقافت زندہ، تابندہ، درخشندہ اور اپنے امتیازات کے ساتھ قائم و دائم رہے۔

اس سے انسان اس بات کو بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ صرف مسندِ علم ہی کے پاسبان نہ تھے، بلکہ آپ تہذیب نفس، تدبیر منزل، اور سیاست مُدن کے رموز سے بھی اپنے ارادتمندوں کو اچھی طرح سیراب فرمارہے تھے۔

آپ کے طرز عمل نے اس حقیقت کو بھی واضح کیا کہ ثقافت مستحکم کرنا، فوجی استحکام سے زیادہ باعثِ تقویت ہے، کیونکہ فوج چاہے جتنی بڑی، اور جتنی مضبوط کیوں نہ ہو، اُس سے بڑی اور اس سے زیادہ مضبوط فوج اسے شکست سے دو چار کر کے اس پر غالب آجائے گی۔

لیکن جس قوم کی ثقافت مستحکم ہو اُسے شکست و ریخیت سے دوچار نہیں کیا جاسکتا۔

آپ کے بعد، دنیا بھر میں، مختلف ادوار میں جو تبدیلیاں آئیں اُن سے بھی یہ بات اچھی طرح واضح ہوئی کہ "ثقافت" کسی قوم کی بقاء کیلئے ایک نہایت ہی اہم عنصر ہے۔

امام علیہ السلام نے "دینی ثقافت" کی ایسی مضبوط بنیاد رکھ دی، کہ آپ کی شہادت کو ساڑھے بارہ سو برس گذر چکے ہیں، مگر اس مذہب کی ثقافت اپنے اقدار کے ساتھ باقی ہے۔

آپ نے اپنے شاگردوں کے دل میں اس بات کو اچھی طرح راسخ کر دیا کہ "ثقافت" درحقیقت طرزِ فکر کی بقاء کی ضمانت ہے، لہٰذا تمام شیعہ دانشوروں پر فرض ہے کہ

وہ اپنی دینی ثقافت کو زندہ رکھنے کی بھرپور کوشش کریں۔

یہی وجہ ہے کہ شیعوں کی "دینی ثقافت" ہر دور میں پیش رفت کرتی رہی، اور اگر کبھی مختصر عرصے کا توقف بھی پیدا ہو، تو مشکلات برطرف ہونے کے بعد وہ ثقافت اپنی رفتار کے ساتھ ترقی کرتی رہی۔

(مغز متفکر جہان)

اُس زمانہ کی جو صورت حال تھی اُس میں سیاسی برتری حاصل کرنا، یا اقتدار و اختیار پر متمکن ہونا تو شیعیانِ حیدر کرار کیلئے ممکن نہ تھا، نہ حالات اس کیلئے سازگار تھے۔

مگر "ثقافتی" میدان میں وہ اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا سکتے تھے۔ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے عقیدت مندوں کے اندر ایسی روح پھونکی کہ وہ آئیڈیالوجی کے اعتبار سے ایک مضبوط قوم بن کر اُبھرے۔

اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ امام علیہ السلام نے ایک ایسی اکیڈمی قائم کر دی کہ جس میں تمام علمی مسائل پر آزادانہ بحث و مباحثہ ہوتا ہے آئیڈیالوجی کے بارے میں ہر شخص اپنے نقطۂ نظر کو آزادی سے پیش کرتا ہے، اور اس طرح دینی ثقافت روز بروز رُشد و استحکام پیدا کرتی ہے۔

(" : صفحہ ۱۱۲، ۱۱۴)

"علم" نگاہِ قدرت میں اس قدر شرف و منزلت کا حامل ہے کہ مالکِ دو جہاں نے اپنے محبوب پیغمبر خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر وحی کے ذریعہ جو کلام نازل کیا۔ اس کی پہلی آیت:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ (اپنے پروردگار کے نام سے پڑھو، جس نے پیدا کیا) ۔۔ ہے۔

اور اس آیت کا پہلا فقرہ "اِقرا" ہے۔ جو پڑھنے کی تاکید اور علم کی ترغیب دے رہا ہے۔

❁

اور سورہ مبارکہ "رحمان"، جو نعماتِ الٰہیہ کے ذکر سے لبریز سورہ ہے، اور جسے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے "عروس القرآن" قرار دیا ہے۔ اس سورہ میں خالقِ کائنات نے اپنا تعارف بھی علم ہی کے حوالے سے فرمایا۔

ارشادِ قدرت ہے:

اَلرَّحْمٰنُ ۔ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۔۔ (رحمٰن وہ ہے جس نے) قرآن کی تعلیم دی)۔

اور سرکارِ ختمی المرتبت احمدِ مجتبیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خود اپنے بارے میں بھی لوگوں کے سامنے یہی اعلان فرمایا کہ:

اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُهَا ۔ (میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں)

اور امیر المومنین حضرت علی بن ابیطالب کا یہ مشہور فرمان تو برصغیر کی درسی کتابوں میں بھی، صدیوں سے پڑھایا جا رہا ہے، کہ :

رَضِینَا قِسْمَةَ الْجَبَّارِ فِینَا   لَنَا عِلْمٌ وَلِلْأَعْدَاءِ مَالُ

فَاِنَّ الْمَالَ یَفْنیٰ عَنْ قَرِیْبٍ   وَاِنَّ الْعِلْمَ بَاقٍ لَا یَزَالُ

(ہم پروردگار عالم کی اس تقسیم پر خوش ہیں کہ اس نے ہمارے لئے علم اور دشمنوں کے لئے مال رکھا) — کیونکہ مال تو بہت جلد فنا ہو جانے والی چیز ہے، جبکہ علم (وہ دولت) ہے جو باقی رہنے والی ہے، اس کیلئے زوال نہیں ہے)

حضرات اہلبیت طاہرین علیہم السلام نے اپنے چاہنے والوں کو علم کے حصول کی طرف جو رغبت دلائی ہے، اور جس طرح مسندِ علم پر بیٹھ کر تشنگان معرفت کو سیراب کرتے رہے ہیں، اس کا تذکرہ انہوں نے بھی کیا ہے، غیروں نے بھی، مسلمان مؤرخین نے بھی اور غیر مسلم انصاف پسند دانشوروں نے بھی۔

چنانچہ فرانس سے شائع ہونے والی وہ مشہور کتاب جسے ۲۵ نامور محققین نے مرتب کیا ہے، اس کے مؤلفین کرام نے تصریح کی ہے کہ :

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو اس وقت کے سیاسی حالات کی وجہ سے علم کی نشر و اشاعت کا بہترین موقع ملا۔

اور معاشرے کی جو علمی ضرورت تھی، اور لوگوں کے اندر علم کی جو تشنگی نظر آرہی تھی، اس کی بناء پر آپ نے اپنے پدر بزرگوار حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے حلقۂ درس کو آگے بڑھایا، اور پھر اسے اس قدر وسعت عطا کی کہ درحقیقت (مدینہ منورہ میں آپ کی درس گاہ نے) ایک عظیم الشان یونیورسٹی کی حیثیت اختیار کر لی، جہاں مختلف علوم و فنون اور عقلی و نقلی مباحث کے سلسلہ میں تشنگان علم و معرفت

آپ سے کسبِ فیض کر رہے تھے۔

اور اسی علمی احتساب کے نتیجے میں:

ہشام بن حکم — محمد بن مسلم — ابان بن تغلب — ہشام بن سالم — مومن طاق — مفضل بن عمر — جابر بن حیان جیسی عالمی شہرت رکھنے والی علمی شخصیتیں اُبھر کر سامنے آئیں؛ اور ان مشاہیر کے علاوہ جن علماء، فقہا، مفسرین، محققین، مورخین، محدثین وغیرہ کی آپ نے تربیت فرمائی، اُن کی تعداد چار ہزار سے زیادہ ہے۔

(ملاحظہ فرمایئے: ارشاد شیخ مفید اور الامام الصادق و المذاہب اربعہ وغیرہ)

جن چار ہزار علماء و محققین نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی تعلیم و تربیت سے فیض پایا، وہ سب کے سب اپنے دور کے بلند مرتبہ صاحبانِ علم و دانش تسلیم کئے گئے، جو درحقیقت عالمِ اسلام کے درخشاں چہروں کی حیثیت رکھتے ہیں اور جن میں سے ہر ایک نے علمی خدمات میں وافر حصّہ لیا۔ اور ان میں بہت سے ایسے ہیں جن کے علمی آثار اور لائق شاگردوں سے صفحۂ ہستی جگمگا اٹھا)...

جیسے جناب "ہشام بن حکم"۔ جنھوں نے ۳۱ کتابیں لکھیں — اور: جناب "جابر بن حیان"۔ "جنھوں نے مختلف علوم و فنون، خاص طور سے عقلی و طبعی علوم اور کیمیا وغیرہ میں مجموعی طور پر دو سو سے زیادہ رسالے تصنیف کئے" اور اسی لئے ان کو "علمِ کیمیا" کا موجد اور "بادا آدم" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ان کی کتابیں یورپ کی مختلف زبانوں میں شائع ہو چکی ہیں، اور سائنس کی دنیا کے ماہرین اور ممتاز افراد نے ان کی عظمت کو تسلیم کیا ہے۔

عالمِ اسلام کے بہت معروف صاحبِ تصانیف، ابنِ ندیم نے اپنی

کتاب "الفہرست" میں جناب جابر بن حیان کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے دو سو بیس سے زیادہ کتابیں تحریر کیں۔

(ملاحظہ فرمایئے: فہرست ابن ندیم: قاہرہ ۵۱۲-۵۱۷)

سیرہ پیشوایان صفحہ ۳۵۶-۳۵۷)

اور جیسا کہ جناب مہدی پیشوائی نے تصریح کی ہے:

"حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی درس گاہ شیعوں کیلئے مخصوص نہ تھی بلکہ بلاد اسلامی کے تمام مکاتب فکر کے علماء و محققین آپ سے کسب فیض کرتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ برادران اہلسنت کے جو مشہور و معروف امام ہیں وہ یا تو امام جعفر صادق علیہ السلام کے براہ راست شاگرد ہیں، یا آپ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں۔

جیسے امام ابو حنیفہ جو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے براہ راست شاگرد ہیں، انہوں نے دو سال تک امام علیہ السلام سے کسب فیض کیا۔ اور ان دو برسوں کو وہ اپنی پوری زندگی کا ماحصل قرار دیتے تھے۔

چنانچہ ان کا مشہور قول ہے:

لَوْلَا السَّنَتَانِ لَهَلَكَ النُّعْمَانُ

(اگر وہ دو سال نہ ہوتے (جو امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں گذارے) تو نعمان بن ثابت (ابو حنیفہ) ہلاک ہو جاتا)

اسی طرح امام مالک — جن کا پورا نام مالک بن انس ہے — امام جعفر صادقؑ کے شاگردوں میں سے ہیں، جو اس پر فخر کیا کرتے تھے، اور ساری زندگی امامؑ کی اس شفقت و عنایت کو یاد کرتے رہتے تھے جو خاندان رسالت کا

طرۂ امتیاز ہے۔

اور جیسا کہ نجف اشرف کے ممتاز عالمِ دین علامہ اسد حیدر نے تحریر فرمایا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں کوفہ، بصرہ، واسط، حجاز۔ اور دوسرے علاقوں سے مختلف قبائل کے بلند رتبہ افراد کسبِ فیض کے لئے آتے تھے، جن میں:

بنی اسد۔ مخارق۔ طی۔ سلیم۔ غطفان۔ ازد۔ خزاعہ۔ خثعم، مخزوم۔ بنی ضبہ۔ قریش۔ بنی حارث بن عبد المطلب۔ اور بنی الحسن کے افراد شامل ہیں، جو امام علیہ السلام کے چشمۂ فیض سے سیراب ہونے والوں میں سے ہیں۔

ملاحظہ فرمائیں: الامام الصادق والمذاهب الاربعہ

علامہ ابنِ حجر عسقلانی برادرانِ اہلسنت کے نہایت بلند مرتبہ محقق اور مستند عالمِ دین ہیں، اپنی مشہور و معروف تصنیف "تهذيب التهذيب" میں تحریر فرماتے ہیں کہ

شعبہ۔ سفیان ثوری۔ سفیان بن عینیہ۔ مالک۔ ابن جریج۔ ابو حنیفہ موسیٰ۔ وہیب بن خالد۔ قطان۔ ابو عاصم۔ اور دیگر بہت سے اصحابِ علم و دانش، جو اپنے زمانہ کے نہایت بلند مرتبہ، فقہاء و محدثین میں شمار کئے جاتے ہیں، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے کسبِ فیض کر کے حدیث بیان کرتے تھے۔

(سیرۂ پیشوایان ۔ صفحہ ۳۹۰)

اور جیسا کہ سیرہ پیشوائیان کے مؤلف نے تحریر فرمایا ہے:

"حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے شاگردوں کی نفسیات اور اُن کے علمی ذوق کے اعتبار سے اُن کی اسطرح سے تربیت فرماتے تھے کہ جسے جس موضوع سے زیادہ دلچسپی ہو، یا جو شخص جس شعبۂ علم میں زیادہ بہتر مہارت حاصل کرنے کا رجحان رکھتا ہو اُس کو اُسی انداز سے مہمیز فرماتے تھے تاکہ حدیث، تفسیر علم کلام، مناظرہ، علم ہیئت، ریاضی۔۔ یا جس شعبہ سے اسے زیادہ دلچسپی ہو اس میں ماہر فن بن جائے۔

یہی وجہ ہے کہ دُور دراز سے مختلف فرقوں، اور مسلکوں کے لوگ، جو بحث و مباحثہ اور جدل و مناظرہ کی نیت سے امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، وہ جس موضوع پر گفتگو کرنا چاہتے، اُسی موضوع سے وابستہ، امامؑ کا کوئی شاگرد آگے بڑھتا، اور لوگوں کے اعتراضات کا قلع قمع کر دیتا تھا؛ اس سلسلہ میں یہ روایت قابلِ ذکر ہے:

ہشام بن سالم کہتے ہیں کہ:

"میں ایک دن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں اُن کے کچھ اصحاب کے ساتھ بیٹھا تھا کہ شام کے ایک شخص نے امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی۔

جب امامؑ نے اجازت دی تو اندر آیا۔ اور آپؑ سے اجازت لے کر بیٹھ گیا۔

امامؑ نے پوچھا: کس ارادہ سے آئے ہو۔؟

وہ شامی کہنے لگا کہ:۔ میں نے سنا ہے کہ آپ ہر قسم کے سوالات، اور لوگوں کے مشکل مسائل کا جواب دیتے ہیں، اس لئے میں آپ سے بحث و مناظرہ کرنے

آیا ہوں۔

امام نے پوچھا، کس چیز کے بارے میں بحث کرنا چاہتے ہو۔؟

اُس نے کہا، قراءت قرآن کی کیفیت کے بارے میں۔

یہ سن کر امام علیہ السلام نے اپنے شاگرد "حمران" سے فرمایا کہ:

"اے حمران۔ تم اس شخص کو (اس کے سوالات کے) جواب دو۔

شامی نے امام علیہ السلام سے کہا کہ: میں تو آپ سے بحث کرنے آیا ہوں نہ کہ حمران سے!

امام نے فرمایا:۔ اگر تم نے (میرے شاگرد) حمران کو شکست دیدی تو (سمجھنا گویا) مجھے شکست دی ہے!

چنانچہ اس شامی نے حمران سے گفتگو شروع کی۔ جو بات بھی وہ پوچھتا "حمران" اُسے بہت ہی مدلل اور دندان شکن جواب دیتے تھے... وہ ایک کے بعد ایک سوال کرتا، اور ایسا جواب پاتا جس کے بعد گفتگو کی کوئی گنجائش ہی باقی نہ رہتی۔

آخر لاجواب ہو کر خاموش ہو گیا تو امام علیہ السلام نے اس سے پوچھا:

حمران کو تم نے کیسا پایا۔؟

کہنے لگا: "آپ کا شاگرد تو زبردست ہے، جو کچھ پوچھتا ہوں" انتہائی واضح دلیلوں کے ساتھ جواب دیتا ہے۔

پھر کہا۔

"میں لغت اور ادبیات عرب کے بارے میں کچھ بحث کرنا چاہتا ہوں۔

امام علیہ السلام نے "ابان بن تغلب" کو مخاطب کر کے فرمایا:

(اس شامی سے) بات کرو۔

وہ مرد شامی، علم لغت اور ادبیاتِ عرب سے متعلق گوناگوں سوالات کرتا رہا، اور

جناب ابان بن تغلب انتہائی تشفی بخش جواب دیتے رہے۔

یہاں تک کہ اس کے سوالات کا ذخیرہ تمام ہوگیا، اور اس نے جناب ابان بن تغلب کے مقابلے میں بھی اپنی شکست تسلیم کرلی۔

پھر کہنے لگا۔

"میں فقہ کے ابواب میں آپ لوگوں سے مناظرہ کرنا چاہتا ہوں۔"

امام علیہ السلام نے اپنے صحابی جناب زرارہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

"اس شامی سے مناظرہ کرو۔"

چنانچہ، متعدد فقہی مسائل کے سلسلہ میں جناب زرارہ نے اُس کے سوالات کا ایسا محکم جواب دیا، اور اُس کے پیش کردہ دلائل کی ایسی دھجیاں بکھیریں کہ بہت جلد اُس مردِ شامی نے اپنی شکست تسلیم کرلی۔

کہنے لگا،

"میں چاہتا ہوں: علم کلام میں آپ لوگوں سے مناظرہ کروں۔"

امام علیہ السلام نے اپنے شاگرد "مومن طاق" سے فرمایا کہ "اس موضوع پر تم اس سے گفتگو کرو،" اور جناب مومن طاق نے ایسے شاندار انداز سے اس کے سوالات کے جوابات دیئے، اور اس کے سامنے ایسے عمدہ دلائل پیش کئے کہ وہ جناب مومن طاق سے بھی شکست کھاگیا۔

وہ مردِ شامی چونکہ ضد اور کج بحثی کے لئے آیا تھا، اس لئے جب ایک موضوع پر گفتگو شروع کرتا، اس میں ہار جاتا تو کسی اور موضوع پر بات کرنے لگتا۔

یہاں تک کہ اس نے انسان کے اختیارات، خیر و شر کی بحث، توحید، امامت اور دوسرے موضوعات پر بحث کرنے کی خواہش کی۔ اور امام علیہ السلام اپنے شاگردوں "حمزہ طیار" — "ہشام بن سالم" — "ہشام بن حکم" وغیرہ کو اس سے بحث کے لئے

فرماتے رہے۔

اور وہ مردِ شامی، امام علیہ السلام کے جس شاگرد سے بھی بحث کرتا، امام کا شاگرد اس مردِ شامی کو شکستِ فاش دے دیتا، اور امام علیہ السلام اپنے شاگردوں کی حاضر جوابی، اور علمی استعداد پر مسرور نظر آتے۔

(ج ۲ ص: ۳۶۱، ۳۶۲)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگردانِ عزیز کس قدر سادگی، سلاست، اور دلنشیں انداز سے اپنے مخالفین کو مناظرہ میں شکست دیتے تھے۔ اس کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے کیجیے جسے عالمِ اسلام کے بکثرت جلیل القدر مولفین نے اپنی اپنی تالیفات میں رقم کیا ہے:

"ہشام بن حکم حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگردوں میں بہت کمسن تھے، مگر بکثرت بڑے بوڑھوں سے زیادہ فضل و تحقیق اور استنباط کے مالک اور نہایت اعلیٰ ذہانت کے حامل تھے۔

ایک روز امام علیہ السلام کی خدمت میں، آپ کے متعدد اصحاب جیسے: حمران بن اعین، مومن طاق، طیار، ہشام بن سالم وغیرہ بیٹھے تھے۔

اس وقت ہشام بن ۱۸-۱۹ سال کے نوجوان تھے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ان سے فرمایا:

"اے ہشام— فرقہ معتزلہ کے بڑے پیشوا، اور سردار عمرو بن عبید سے تم سے جو مناظرہ ہوا تھا، آسے مجھے بھی سناؤ۔

ہشام نے عرض کی— فرزندِ رسولؐ— مجھے جھجک محسوس ہوتی ہے کہ آپ کی بزم میں ان باتوں کا ذکر کروں، اور آپ کی جلالتِ قدر کی وجہ سے میرے لئے زبان

کھولنا دشوار ہے! (کچھ بولنے سے ادب مانع ہے)!

امامؑ نے فرمایا:- جب میں خود تم سے کہہ رہا ہوں' تو تمہیں عذر نہ کرنا چاہیئے۔

جب امام علیہ السلام کے فرمان سے ہشام کا دل مطمئن ہو گیا تو انہوں نے واقعہ کو بیان کیا۔ کہنے لگے کہ:

جب مجھے معلوم ہوا کہ عمرو بن عبید معتزلی بصرہ کی مسجد میں مسند علم و تحقیق پر بیٹھے ہوئے مسئلۂ امامت اور علم کلام کے دوسرے اصولی مسائل میں اپنے بزرگوں کے عقائد کی اشاعت و ترویج کرتے رہتے ہیں — تو میں نے بصرہ جانے کا قصد کیا۔

جمعہ کے روز وہاں پہونچا' مسجدِ جامع میں داخل ہوا تو دیکھا کہ:

عمرو بن عبید سیاہ اُون کا شملہ پہنے ہوئے بیٹھے ہیں' اور لوگوں کی ایک بڑی جماعت' اُن کے اردگرد حلقہ کئے ہوئے ہیں — لوگ اُن سے علمی مسائل دریافت کرتے' اور وہ ان سب کا جواب دے رہے ہیں۔

میں صفوں کو چیرتا ہوا آگے بڑھا' اور ان کے بالکل سامنے جاکر دوزانو ہو کر بیٹھ گیا۔

اس کے بعد میرے اور ان کے درمیان اسطرح گفتگو ہونے لگی۔

(ہشام):- اے عالم — میں ایک مسافر آدمی ہوں' کیا آپ مجھے' اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ میں بھی آپ سے کچھ پوچھوں —؟

عمرو بن عبید:- ہاں ہاں — جو پوچھنا چاہتے ہو دریافت کرو۔

ہشام:- میں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کی آنکھیں ہیں۔؟

عمرو بن عبید:- اے فرزند — یہ کیسا جہل سوال تم مجھ سے کر رہے ہو؟

ہشام:- میرا سوال تو یہی ہے (آپ جواب دیں یا نہ دیں)!

عمرو بن عبید:- خیر جو چاہو پوچھو۔ اگرچہ پاگل پنے کی باتیں ہی کیوں

نہ ہوں (لیکن تم سے وعدہ کرچکا ہوں اس لئے تمہارے ہر سوال کا جواب دوں گا)۔

ہشام :۔ تو میرا سوال یہی ہے کہ بتایئے کہ آپ کی آنکھیں ہیں یا نہیں ؟

عمرو بن جبید :۔ ہاں میری آنکھیں ہیں۔

ہشام :۔ ان آنکھوں سے کیا کرتے ہیں۔؟

عمرو بن جبید :۔ ان آنکھوں سے دنیا کی چیزیں دیکھتا ہوں ۔۔ آدمیوں اور رنگوں کو پہچانتا ہوں۔

ہشام :۔ کیا آپ کے کان بھی ہیں۔؟

عمرو بن جبید :۔ ہاں کان بھی ہیں۔

ہشام :۔ ان سے کیا کام لیتے ہیں۔؟

عمرو بن جبید :۔ ان سے آوازیں سنتا ہوں۔

ہشام :۔ کیا آپ کی ناک بھی ہے ؟

عمرو بن جبید :۔ ہاں ۔۔ ناک بھی رکھتا ہوں۔

ہشام :۔ اس سے آپ کیا کام لیتے ہیں؟

عمرو بن جبید :۔ اس سے سونگھتا ہوں، خوشبو بدبو میں تمیز کرتا ہوں۔

ہشام :۔ کیا آپ کے منھ بھی ہے۔؟

عمرو بن جبید :۔ ہاں ۔خدا نے مجھے منھ بھی دیا ہے۔

ہشام :۔ ان سے کیا کام لیتے ہیں ؟

عمرو بن جبید :۔ اس سے غذائیں چکھتا اور کھانا تناول کرتا ہوں۔

ہشام :۔ کیا آپ کے دل بھی ہے[1]

---

[1]۔ یہ بات ملحوظ خاطر رہنی چاہیئے کہ قرآن و حدیث میں متعدد مقامات پر لفظ "قلب" دل و دماغ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ البتہ ہم نے عام استعمال کے مطابق قلب کا ترجمہ دل کیا ہے۔

عمرو بن جبید :- ہاں بھائی — دل بھی رکھتا ہوں۔

ہشام :- اس سے کون سی ضرورت پوری ہوتی ؟

عمرو بن جبید :- مذکورہ بالا اعضا — (آنکھ، کان، منھ، ناک) پر جو چیزیں وارد ہوتی ہیں، ان کے درمیان اسی دل سے تمیز کرتا ہوں (ان کے سمجھنے میں، کہ ابھی کون شخص دکھائی دیا — یا یہ بو کس چیز کی ہے — یا یہ آواز کس کی تھی — یا اس چیز کا مزہ کیسا ہے) ؟

جب اختلاف ہوتا ہے تو اسی دل کی طرف توجہ کر کے اس کی مدد سے فیصلہ کرتا ہوں کہ کیا ہے :-

ہشام :- تو کیا دوسرے اعضاء دل سے بے نیاز نہیں (بلکہ اس کے محتاج) ہیں - ؟

عمرو بن جبید :- ہاں — وہ دل سے بے نیاز نہیں ہیں۔

ہشام :- کیوں بے نیاز نہیں ہے ؟ جبکہ ہر عضو میں کام کرنے کی صلاحیت ہے۔ اور سب صحیح سالم بھی ہیں ؟؟

عمرو بن جبید :- اے فرزند — جو چیزیں میں دیکھتا، سنتا، چکھتا یا سونگھتا ہوں، ان کے بارے میں جب مجھے کوئی شک ہوتا ہے (کہ کیا چیز دیکھی، کون سی آواز سُنی، کیا چیز سونگھی) تو دل کی طرف رجوع کرتا ہوں جس سے شک زائل ہو جاتا ہے۔

ہشام :- تو کیا، خداوند عالم نے دل کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ آدمی کے باقی اعضاء میں جو شک پیدا ہو، وہ زائل ہوتا رہے، اور غلط اور صحیح کی تمیز ہوتی رہے ؟

عمرو بن جبید :- ہاں ہاں یہی بات ہے،

ہشام :- گویا دل ان تمام اعضاء کیلئے امام اور رہنما کی حیثیت رکھتا ہے۔

عمرو بن جبید :- ہاں، بالکل ایسا ہی ہے۔

ہشام :- اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر آدمی کے بدن میں ایک دل کا ہونا بھی ضروری ہے تاکہ باقی اعضاء کے شکوک اور اختلافات کو زائل کر کے صحیح و غلط بتاتا رہے اور اس سے یقین حاصل ہو؟

عمرو بن عبید :- ہاں — بالکل یہی بات ہے۔

ہشام :- آپ کے اس بیان سے ثابت ہوا کہ آپ کا اعتقاد ہے کہ خداوند عالم نے کسی آدمی کے اعضاء کو بھی ایک امام و رہنما : دل و دماغ کے بغیر نہیں چھوڑا۔ اور اس راہنما کا کام یہ ہے کہ اعضاء و جوارح کے شک و شبہ کو دور کرے اور صحیح و غلط کے درمیان تمیز کرتا رہے۔

مگر (تعجب ہے کہ) خداوند نے دنیا بھر کے انسانوں کو رہنما (اور امام) کے بغیر چھوڑ دیا (ان کے لئے اپنی طرف سے کوئی امام مقرر نہیں کیا) جس کا نتیجہ یہ ہے کہ سب لوگ حیرت و ضلالت اور شک و اختلاف میں پڑے رہیں اور خداوند عالم نے کسی شخص کو بھی اس مقصد کیلئے معین نہیں کیا کہ شک و حیرت اور اختلاف و ضلالت کے موقع پر لوگ اس کی طرف رجوع کر کے یقین و ہدایت حاصل کریں۔!

(کیونکہ آپ لوگوں کا دعویٰ ہے کہ پروردگار عالم نے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کے لئے نہ کسی ہادی و راہنما کا انتخاب کیا، نہ امام و پیشوا کا۔؟ اور امتِ پیغمبرؐ کو یوں ہی چھوڑ دیا کہ آپس میں اختلاف کر کے گمراہ ہوں اور متعدد فرقوں میں بٹ کر انتشار کا شکار ہوتے رہیں۔؟

جس طرح خداوند عالم نے تمام اعضاء و جوارح کی رہنمائی کیلئے دل و دماغ کو معین کیا، اسی طرح اگر وہ بندوں کے لئے امام مقرر کر دیتا اور سب لوگ اُسکے پرچم تلے جمع ہو جاتے) تو امتِ پیغمبرؐ گمراہی سے بچ جاتی

ہشام بن حکم کہتے ہیں کہ:

میری یہ تقریر سن کر عمرو بن عبید مبہوت ہو گئے، کوئی جواب نہ دے سکے۔

کافی دیر تک غور و فکر کرتے رہے، پھر سر اٹھا کر میری طرف متوجہ ہوئے اور کہا:

؟کیا تم ہی ہشام بن حکم ہو۔؟

میں نے کہا:۔ (آپ سے کس نے کہا کہ) میں ہشام بن حکم ہوں۔؟

عمرو بن عبید نے کہا:۔ تو کیا تم ہشام بن حکم کے پاس اٹھتے بیٹھتے ہو؟

میں نے کہا:۔ نہیں۔ میں ہشام کا ہمنشیں نہیں ہوں۔

عمرو بن عبید نے کہا:۔ اچھا یہ بتاؤ تم کہاں کے رہنے والے ہو۔؟

میں نے کہا کہ:۔ میرا غریب خانہ کوفہ میں ہے۔

عمرو بن عبید نے کہا:۔ پھر یقیناً تم ہی ہشام بن حکم ہو (کیونکہ میں کوفہ کے لوگوں کو پہچانتا ہوں، تمہاری طرح کوئی اور ایسا منطقی استدلال کرنے والا، اور اپنے مخالف کو سادہ عقلی دلیلوں سے زیر کرنے والا، نہیں ہے)

یہ کہہ کر عمرو بن عبید مجھ سے لپٹ گئے، مجھے سینے سے لگایا، اپنی جگہ پر لا کر بٹھایا، اور پھر جب تک میں وہاں رہا انہوں نے کوئی بات نہیں کی۔

کچھ دیر بعد، میں وہاں سے اٹھ کر چلا آیا۔

جب ہشام نے پورا واقعہ بیان کیا تو امام جعفر صادق علیہ السلام نے ہنس کر پوچھا:

ان باتوں کو تم نے کس سے سیکھا تھا۔؟

کہنے لگے — فرزند رسولؐ — خداوند عالم نے خود ہی میری زبان پر یہ باتیں جاری کر دیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا.... یہ مضمون تو حضرت ابراہیم و موسیٰؑ کے صحیفوں کا ہے۔

(حوالہ کیلئے ملاحظہ فرمایئے: مجالس المومنین ص)

آفتاب اور زمین کی گردش

قرآن مجید میں خالقِ دو جہاں کا ارشاد ہے کہ:

وھو الذی خلق الّیل والنھار والشمس والقمر، کُلٌ فی فلک یسبحون۔

(اور وہ اللہ ہی ہے جس نے رات اور دن، اور آفتاب و ماہتاب کو پیدا کیا ہے (ان میں سے) ہر ایک (اپنے اپنے) مدار پر تیرتے پھرتے ہیں)

(سورہ مبارکہ الانبیاء، آیت ۳۳)

گویا جس طرح سے تیراک سطحِ آب پر تیرتا ہے، اس طرح سے چاند سورج، اپنے اپنے مدار پر تیرتے۔ یعنی رواں دواں ہیں

اور جیسا کہ بعض معاصر مفسرین نے لکھا ہے:

(قرآن مجید کا یہ فقرہ کہ)، "سب (اپنے اپنے مدار پر، یا بالفاظ دیگر) ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں" اس سے دو باتیں سمجھ میں آتی ہیں:

(۱):۔ یہ کہ یہ سب تارے ایک ہی فلک میں نہیں ہیں، بلکہ ہر ایک کا فلک الگ ہے۔

(۲):۔ یہ کہ فلک کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس میں یہ تارے کھونٹیوں کی طرح جڑے ہوئے ہوں اور وہ خود انھیں لئے ہوئے گھوم رہا ہو بلکہ وہ کوئی سیال شے ہے، یا فضا اور خلا کی سی نوعیت کی چیز ہے جس میں اُن تاروں کی حرکت، تیرنے کے عمل سے مشابہت رکھتی ہے۔"

(ملاحظہ فرمایئے، تفہیم القرآن جلد ۳، صفحہ ۱۵۴)

اہلِ فکر و دانش کے نزدیک برسہا برس سے یہ تصور قائم تھا کہ زمین اپنی جگہ پر ٹھہری ہوئی ہے، اور اس کے اردگرد آفتاب گھومتا رہتا ہے جس کی وجہ سے روز و شب کا نظام قائم ہے۔ لیکن خاندانِ رسالت کے افراد نے دنیا کو اس حقیقت سے باخبر کیا کہ تمام سیارے محوِ سیر ہیں، جیسا کہ قرآن کا اعلان ہے۔

— اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے حلقۂ درس میں شرکت کرنے والوں کے سامنے گردشِ زمین کو واضح الفاظ میں پیش کیا۔

چنانچہ مغربی سکے گروہ نے لکھا ہے کہ:

"بعد ازاں جب حضرت جعفر صادقؑ نے اعتراض کیا، اور اُن لوگوں کو بتایا کہ یہ نظریہ کہ:

"آفتاب زمین کے اردگرد گردش کر رہا ہے (اور گویا زمین اپنی جگہ پر ٹھہری ہوئی ہے) یہ قابلِ قبول نہیں ہے۔

ان لوگوں کو چاہیئے تھا کہ آپ کے اعتراض پر توجہ دیتے، پُرانے نظریہ کو رد کرتے اور اس بات کی جستجو کرتے کہ روز و شب کی گردش کے بارے میں کسی مثبت نتیجے تک پہونچا جائے۔

لیکن چونکہ اُس دور کے لوگوں کی علمی سطح محدود تھی اس لئے ایک ساعت کیلئے بھی وہ لوگ اس مسئلے پر بحث کیلئے آمادہ نہ تھے۔"

(ملاحظہ فرمایئے:

مغز متفکر جہان تشیع صفحہ ۲۱)

"مغربی دنیا کا مشہور و معروف سائنسداں اور مفکر" کابرنگ "اپنی تلاش و جستجو

کے بعد، گردشِ زمین کے اُسی نتیجے تک سولہویں صدی عیسوی میں پہونچا، جبکی نشاندھی حضرت امام جعفرِ صادق علیہ السلام نے دوسری صدی ہجری میں فرمادی تھی۔

اور چونکہ "کاپرنکس" ایک ایسے علاقے میں زندگی گذار رہا تھا جو قدامت پرست عیسائیوں کی دسترس سے باہر تھا اس لئے وہ صرف یہ اعلان کرسکا کہ زمین، اور تمام سیارے سورج اردگرد گھوم رہے ہیں۔"

(مغز متفکر جہانِ تشیع صفحہ ۴۱)

یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ...

سنہ ۹۱ھ ہجری میں جب حضرت امام محمد باقر علیہ السلام مسندِ درس پر لوگوں کو تعلیم دے رہے تھے، اس وقت مدینہ منورہ کی علمی فضا میں روشن فکری، یورپ کی درسگاہوں سے زیادہ تھی۔

بلکہ یورپ کی یونیورسٹیوں میں، قرونِ وسطیٰ میں بھی ویسی روشن فکری اور ذہنی آزادی نہیں نظر آتی جیسی مدینہ منورہ میں حضرت امام محمد باقرؑ کے دور میں تھی۔

(چنانچہ جب اپنے پدر بزرگوار کے بعد) حضرت امام جعفرِ صادقؑ نے پرانے نظریے کی تردید اور زمین کی گردش کی طرف لوگوں کو توجہ دلائی (تو اس وقت کے اذہان میں اس کو قبول کرنے کی صلاحیت تھی) — جبکہ یورپ میں، اس وقت کوئی شخص یہ کہنے کی ہمت نہیں کرسکتا تھا کہ:

"آفتاب کا زمین کے اردگرد گھومنا صحیح نہیں ہے۔"

اس لئے اس میں کوئی شک نہیں کہ (اس زمانہ میں):

دینِ اسلام (کے ذمہ دار رہنما) اپنے علمی نظریات کو پیش کرنے میں، یورپ کے صاحبانِ فکرو دانش کی بہ نسبت زیادہ آزاد تھے (۔ : ۴۴)

یہی وجہ ہے کہ: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے "آفتاب اور زمین کی گردش" کے بارے میں، جو نظریہ پیش کیا، اور واضح طور سے اس کا اعلان فرمایا۔

اگر اُس زمانہ میں، یورپ میں کوئی شخص ایسی بات زبان سے نکالتا، تو اُسے انتہائی منفی ردِ عمل کا سامنا کرنا پڑتا، اور کم سے کم جو اُسے پریشانی اٹھانی پڑتی، وہ یہ کہ اس کی تکفیر کی جاتی اور اُسے بدعقیدہ قرار دیا جاتا۔

کیونکہ ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ:

سترھویں صدی عیسوی اور اس کے بعد بھی جن لوگوں نے ایسا کوئی نظریہ جو کلیسا کے خیالات سے متصادم ہو، پیش کیا تو نہ صرف اُن لوگوں کو تکفیر کا سامنا کرنا پڑا، بلکہ بعض لوگوں کو ایسے نظریات پیش کرنے کی سزا میں زندہ جلا دیا گیا۔

اور تیرھویں صدی عیسوی تک تو حالت یہ تھی کہ اگر کوئی شخص ایسا نظریہ پیش کر دیتا، تو حکومتی قانون کے تحت اُس کا سر اس کے جسم سے جدا کر دیا جاتا۔

(مغز متفکر جہان تشیع: ۴۵)

❀

اور حقیقت یہ ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانہ میں صرف اسی علمی نظریے کے سلسلہ میں اسلام بہتر علمی پوزیشن میں نہیں تھا بلکہ جتنی بھی علم دہنر کی شاخیں ہیں۔

اور وہ تمام علوم، جنھوں نے حیات بشر کی بقا اور ارتقاء میں مؤثر کردار ادا کیا، اس میں اہلِ ایمان بہت بہتر صورتِ حال میں زندگی گذار رہے تھے۔

جس کا اعتراف یورپ کے اُن 25 فلاسفہ نے بھی کیا ہے، جنھوں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانے میں علمی ارتقاء کے موضوع پر بحث کی ہے۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

قرونِ وسطیٰ میں یورپ کے اندر، علم کی دنیا میں تاریکی اور اسلامی ممالک میں علمی روشنی کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ :

یورپ میں "اس زمانہ میں صاحبانِ فکر و دانش کو اپنے فکر و نظر کے نتائج کا اعلان کرنے کی آزادی نہیں تھی۔

جبکہ اسلامی ممالک کے صاحبانِ علم و دانش اپنے علمی نظریات، اور اپنی جدید فکری تحقیقات کو آزادی سے پیش کر سکتے تھے۔

اُس زمانے میں' مغربی دنیا میں جو بھی علمی روشنی پہونچتی تھی وہ مشرقی دنیا (کے مسلمان ممالک) کی مرہونِ منت تھی۔

لیکن چونکہ یورپ کی علمی فضا انتہائی تاریک تھی' اس لئے ہر موضوع پر اسلامی دنیا میں ہونے والی تحقیقات کو' وہاں پہونچانے کی آزادی بھی نہیں دی جارہی تھی۔

صرف "طِب" ہی (کو علاج معالجے کی سہولیات کی خاطر) مشرقی دنیا سے یورپ میں لانے کی اجازت ملی' تو صورتِ حال یہ ہوگئی کہ یورپ میں میڈیکل سائنس کا کوئی استاد ایسا نہ تھا' جس کے ہاتھ میں "ابنِ سینا" کی مشہور تصنیف "ارجوزہ" کا لاطینی نسخہ نہ ہو' اور وہ اُسے حفظ کرنے کی کوشش نہ کر رہا ہو۔

لیکن اُس دور میں بھی "طِب" کے علاوہ' دوسرے علوم جیسے ادبیات' ہیئت (وعلم ستارگان) وغیرہ کو وہاں منتقل کرنے کی اجازت نہ تھی۔

انتہا یہ ہے کہ :

مسلمان شعراء اسلامی ممالک میں جو اشعار پڑھتے تھے انھیں یورپ میں پڑھنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی تھی' کیونکہ قانون کے نزدیک (ان اشعار کا نقص یہ تھا کہ وہ لوگوں کی آنکھیں کھولنے والے اور انھیں ذہنی طور پر بیدار کرنے والے تھے۔

اسی طرح — چونکہ یورپ کے تفتیشی اداروں کی اجازت نہیں تھی' اس لئے

علم ہیئت سے متعلق اسلامی دنیا کی تحقیقات بھی یورپ تک نہ پہونچ سکیں۔

(۶)

اُس زمانہ میں، اس مقصد کیلئے ایک بہت بڑا تفتیشی ادارہ قائم کیا گیا تھا، اور جس شخص کے بارے میں پتہ چل جاتا کہ وہ نئے نظریات درآمد کر رہا ہے، یا کلیسا کے انکار سے متصادم کوئی علمی بات پیش کر رہا ہے، اسے داخل زندان کر دیا جاتا، پھر اُسکے وجود کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جاتا تھا۔

یہاں تک کہ "1808" میں فرانس کے نپولین (۱) نے اس قانون کو ختم کیا۔
لیکن جب نپولین کا دورِ اقتدار ختم ہوا، تو اسپین میں "1814" میں اس قانون کو دوبارہ نافذ کر دیا گیا، یہاں تک کہ "1834" میں لوگوں کو اس قانون سے نجات ملی۔

(مزید تفصیلات کیلئے دیکھئے:
مغز متفکر جہان تشیع صفحہ ۴۵)

عناصرِ اربعہ کے بارے میں آپؑ کا فرمان

خالقِ کائنات نے بنی نوعِ انسان کو کائنات کے بارے میں تفکر و تدبر کی بار بار دعوت دی ہے اور اس بات کا واضح اعلان بھی فرما دیا ہے کہ صاحبانِ علم و دانش ہی خشیتِ الٰہی کی منزل پر فائز ہوتے ہیں (کیونکہ اُن کے دل معرفت سے لبریز ہوتے ہیں)

ارشادِ قدرت ہے:

الم تر ان اللہ انزل من السماء ماء فاخرجنا بہ ثمرات مختلفا الوانہا ومن الجبال جدد بیض وحمر مختلف الوانہا وغرابیب سود۔ ومن الناس والدواب والانعام مختلف الوانہ کذلک انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء ان اللہ عزیز غفور۔

(کیا تم لوگ) نہیں دیکھتے کہ خداوندِ عالم نے آسمان سے پانی نازل کیا، پھر ہم نے اُس کے ذریعے سے مختلف رنگوں کے پھل نکالے اور پہاڑوں میں بھی سفید اور سرخ ٹکڑے (مختلف راستے ہیں) جن کے رنگ مختلف ہیں، اور گہرے سیاہ (بھی)

اور اسی طرح انسانوں، اور چلنے پھرنے والے جانوروں اور چوپایوں میں سے بھی، جن کے رنگ مختلف ہیں۔

یقیناً اللہ سے، اُس کے بندوں میں سے صرف صاحبانِ علم ہی ڈرتے بیشک خداوندِ عالم صاحبِ عزّت اور بہت بخشنے والا ہے)

(ملاحظہ فرمائیے: سورۂ فاطر آیت ۲۷، ۲۸

مذکورہ بالا آیت میں، صاحبان فکر و دانش کیلئے غور و فکر کی ان گنت جہتیں ہیں جن کے ذریعے سے فکرِ انسانی کو روشنی بھی ملتی ہے اور جلا بھی — اور اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ :

جس طرح مومن و کافر، صالح و فاسد، ہر قسم کے لوگ ہیں، اسی طرح دیگر مخلوقات میں بھی تفاوت اور اختلاف ہے، مثال کے طور پر پھلوں کے رنگ بھی مختلف ہیں۔ اور ذائقے، لذت اور خوشبو میں بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں، یہاں تک ایک ایک پھل کے کئی کئی رنگ اور ذائقے ہیں جیسے کھجور، انگور، سیب اور دیگر پھلوں کی متعدد اقسام ہیں، اور ہر ایک کا ذائقہ و رنگ روپ دوسرے سے مختلف ہے۔

قرآن مجید، جس رسولِ برحق پر نازل ہوا، اور اس رسول کے جو برحق جانشین ہیں، انہوں نے بنی نوع انسان کو کائنات پر غور و فکر کی دعوت بھی دی ہے، اور مختلف علمی نکات کی طرف اُن کی رہنمائی بھی کی ہے جس کا اعتراف اپنوں نے بھی کیا ہے، اور غیروں نے بھی، چنانچہ :

"مغز متفکر جہان تشیع" کے مؤلفین — (مغرب کے صاحبان تحقیق) نے لکھا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی عمر مبارک جب ۱۲ سال سے بھی کم تھی، آپ کے سامنے ارسطو کے اس نظریہ کا ذکر ہوا کہ :

یہ جہان، چار عناصر پر مشتمل ہے :

مٹی، پانی، ہوا، آگ۔

امام علیہ السلام نے فرمایا

"تعجب ہے کہ ارسطو جیسا شخص، اس حقیقت کو نہ سمجھ سکا کہ :

"مٹی" — تنہا ایک عنصر نہیں ہے، بلکہ اس کے اندر کئی عناصر موجود ہیں۔

اور اس کے اندر جس قدر کیمیاوی اجزا ہیں، سب الگ الگ عنصر کی حیثیت رکھتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ارسطو کے وقت سے، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے عہد تک، تقریباً ایک ہزار سال کی مدت گذری ہے، اور اس پوری مدت میں، ارسطو کے اس نظریئے کو ایک بنیادی حقیقت کے طور پر تسلیم کیا جاتا تھا، اور کسی شخص کے ذہن میں اس کے خلاف سوچنے کا خیال بھی نہ آیا، بلکہ سب لوگ، ارسطو کے نظریہ پر ہی کاربند تھے۔

ایک ہزار سال کے بعد، ایک ایسے نونہال جن کی عمر ابھی بارہ[12] سال بھی نہیں تھی، اس نظریئے سے خلاف آواز اٹھائی، اور واضح الفاظ میں فرمادیا کہ:

"خاک۔ ایک عنصر نہیں ہے، بلکہ کئی عناصر کا مجموعہ ہے۔"

اسی طرح ایک اور موقع پر آپ نے نشاندہی فرمائی کہ:

ہوا بھی ایک عنصرِ بسیط نہیں ہے۔ بلکہ کئی عناصر کا مجموعہ ہے۔

اس زمانہ میں اگر کوئی صاحبِ علم و ہنر، تحقیق و جستجو کر کے، اور خوب غور و فکر کرنے کے بعد، یہ بات قبول بھی کر لیتا کہ مٹی ایک عنصرِ بسیط نہیں ہے، بلکہ کئی عناصر کا مجموعہ ہے، تو ہوا کے بارے میں، تو کوئی شخص یہ باور ہی نہیں کر سکتا تھا کہ یہ ایک عنصر بسیط نہیں ہے، بلکہ کئی عناصر کا مجموعہ ہے۔

یورپ اور مغربی دنیا کے بلند مرتبہ سائنسدانوں کے شعور میں یہ تصور بھی نہیں تھا کہ "ہوا" کئی عناصر کا مجموعہ ہو سکتی ہے۔ بلکہ ساری دنیا کے مفکرین و فلاسفہ، ارسطو کی پابندی میں مٹی اور ہوا کو ایک، ایک عنصر بسیط ہی مانتے تھے۔

یہاں تک کہ اٹھارہویں صدی عیسوی میں فرانس کے کچھ سائنسدانوں نے ہوا کے سلسلہ میں تحقیق شروع کی اور ان لوگوں نے ہوا کے اندر سے "آکسیجن" کو علیحدہ کیا تب انہیں اندازہ ہوا کہ ہوا ایک عنصر بسیط نہیں ہے، بلکہ آکسیجن اور دوسرے عناصر کا مجموعہ ہے۔

چنانچہ ایک فرانسیسی سائنسدان نے آکسیجن کو ہوا سے الگ کر کے ان لوگوں کے سامنے ایک نیا تجربہ کر کے دکھایا کہ:

آکسیجن انسان کے نظام تنفس کیلئے کس قدر ضروری ہے — اور دوسری طرف اس کے اندر شعلہ پذیری کی صلاحیت کتنی زیادہ ہے۔

لیکن چونکہ یورپ اس وقت تک انتہائی تاریکی کے دور سے گذر رہا تھا اور کسی قسم کا جدید نظریہ پیش کرنا نہایت سنگین جرم تھا اس لئے وہ دو بلند مرتبہ سائنسداں جنھوں نے ہوا کے بارے میں یہ انکشاف کیا تھا — ان دونوں کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔

یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ:

اٹھارہویں صدی کے اواخر میں، فرانس کے دو بڑے سائنس دانوں نے جب تجربہ کر کے بتایا کہ ہوا کے اندر آکسیجن کے علاوہ کچھ اور بھی عناصر ہیں، تو دوسرے سائنسدانوں نے اس بات کو تو تسلیم کر لیا کہ ہوا ایک عنصر بسیط نہیں ہے بلکہ کئی عناصر کا مجموعہ ہے — لیکن ان تمام سائنس دانوں کا اس بات پر اصرار تھا کہ:

ہوا کے عناصر میں جو عنصر جانداروں کی زندگی کے لئے ضروری ہے وہ صرف آکسیجن ہے، اور اس کے علاوہ جو دوسرے عناصر ہوا کے اندر موجود ہیں، جانداروں کی زندگی سے اُن کا کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ اس پہلو سے دیکھا جائے تو ان کا وجود

بے فائدہ ہے۔

جبکہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام' جن کے ارشادات عالیہ کی روشنی میں' لوگوں کو پہلی بار اس بات کا علم ہوا تھا کہ:

ہوا ایک عنصر بسیط نہیں ہے' بلکہ چند عناصر کا مجموعہ ہے۔

ان کا یہ بھی ارشاد کہ: ہوا کے اندر جتنے بھی عناصر موجود ہیں' جانداروں کے نظام تنفس کیلئے وہ سب عناصر ضروری ہیں۔

—— اور ——

انیسویں صدی کے آخری نصف حصہ میں' مغربی دنیا کے دانشمندوں نے بھی مختلف تجربات' اور متعدد مراحل سے گذرنے کے اس حقیقت کو تسلیم کرلیا کہ:

ہوا کے اندر جتنے عناصر موجود ہیں' وہ سب انسانوں' اور تمام جانداروں کے نظام تنفس کے لئے ضروری ہیں' اور خداوند عالم نے ان کو بیکار اور بے مقصد نہیں پیدا کیا ہے۔

(ملاحظہ فرمایئے' مغز متفکر جہان تشیع صفحہ ۵۹ تا ۶۱)

علم طب۔ اور امامؑ کی ایک منفرد ہدایت

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک مشہور فرمان ہے کہ :

اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ : عِلْمُ الْاَدْیَانِ وَعِلْمُ الْاَبْدَانِ۔

(علم تو دو ہی ہیں، دین کا علم اور جسم سے متعلق علم)

اور علم الابدان (جسم سے متعلق علم) کے لفظ سے عام طور پر طب ہی سمجھی گئی ہے کیونکہ یہی وہ علم ہے جس میں جسم کی صحت کے بارے میں بحث کی جاتی ہے۔

صاحب المنجد نے لکھا ہے کہ : الطب... جسمانی اور روحانی علاج

الطباب :۔ وہ چیز جس سے علاج کیا جائے۔

الطبیب :۔ علم طب کا جاننے والا، فن طب میں ماہر وحاذق۔ اس کی جمع اطبہ واطباء ہے

ملاحظہ فرمائیں : (المنجد صفحہ ۶۰۰)

اردو زبان میں عام طور سے لفظ طبابت :

علاج معالجہ، حکمت وغیرہ کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مذکورہ بالا ارشاد گرامی سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ خدا و رسولؐ نے انسان کے جسم کو بھی اہمیت دی ہے اور اس کی روح کو بھی۔

کیونکہ انسانی زندگی جسم و روح دونوں کے مجموعے کا نام ہے۔ روح نہ ہو تو جسم زندہ نہیں رہتا، اور جسم نہ ہو تو روح کو مسکن نہ ملے!

پھر یہ کہ انسان کا جسم بھی بیماریوں کا نشانہ بنتا ہے، اور اس کی روح بھی مختلف عوارض و امراض کا شکار ہوتی ہے، اس لئے دونوں کو علاج معالجے کی ضرورت ہے

علمِ دین، انسانی روح کو عارض ہونے والے امراض کا علاج کرتا ہے اور علمِ طب جسم کی بیماریوں کا علاج کرتا ہے۔

اسلامی علوم و معارف پر مشتمل کتابوں کے مطالعہ سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ سرکارِ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی اُمّت کو بکثرت طبّی ہدایات دی ہیں۔ اور اُن کے برحق جانشینوں، ائمہ طاہرین علیہم السلام نے بھی طب کی دنیا کو اپنے ارشادات سے مالا مال کیا ہے۔

چنانچہ اُردو زبان میں "طب النبیؐ"۔ "طب الائمہؑ"۔ "طب امام صادقؑ"۔ "طبِ امام رضاؑ"۔ جیسے ناموں سے متعدد کتابیں برِّصغیر کے مختلف شہروں سے شائع ہوتی رہی ہیں — البتہ جس طرح دیگر علومِ اسلامی کو امام جعفر صادقؑ کے زمانہ میں ترقی نصیب ہوئی، اسی طرح علم طب کو بھی۔

چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے دور کی علمی ترقیوں کے بارے میں تحقیق کرنے والے "25" مغربی مفکّرین کے گروہ نے بھی لکھا ہے کہ:

حضرت امام جعفر صادقؑ نے جب علمِ طب کا درس دینا شروع کیا تو نئے نئے ابواب روشن ہوتے چلے گئے) آپ علم طب کی تعلیم بھی دے رہے تھے، اور اس فن میں آپ کے منفرد نظریات نے، گہرا اثر مرتب کیا جس کی وجہ سے

دوسری اور تیسری صدی ہجری کے اطباء اور معالجین نے امام علیہ السلام کے طبی نظریات سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔

آپؑ کے وہ منفرد ارشادات جن کے ذریعے اطباء کیلئے بہت سے ابواب کھلے اور ان گنت مقامات پر راہ عمل کشادہ ہوئی، جن کے ذریعہ سے لوگوں نے صدیوں فیض حاصل کیا۔ اور بہت سے ایسے افراد، جن کو لوگوں نے مردہ تصور کر لیا تھا، امام جعفر صادقؑ کے طبی نظریئے کی وجہ سے اُن میں زندگی کے آثار، دوبارہ نمایاں ہوئے۔ اور لوگوں نے نئے حقائق کا ادراک کیا۔

امام علیہ السلام کے طبی نظریات میں سے، ایک نظریہ یہ بھی تھا کہ:
کچھ ایسے بھی بیمار ہوتے ہیں، جن پر مرض کی شدت کے سبب ایسی علامتیں ظاہر ہوتی ہیں، کہ لوگ سمجھتے ہیں: وہ دنیا سے گذر گئے۔
حالانکہ وہ زندہ ہوتے ہیں ــ اور اگر ان کے جسم پر کوئی ایسی خراش لگائیں جس کے نتیجے میں جسم سے خون نکلنے لگے ــ خاص طور سے ہاتھ کی دو انگلیوں کے درمیان اس طرح زخم لگایا جائے کہ خون برآمد ہو جائے، تو مریض دوبارہ زندگی کی طرف واپس آجائے گا۔

امام علیہ السلام کے تجویز کردہ اس عمل کو ماہرینِ طب نے مختلف مواقع پر استعمال کیا، اور اس سے خوب فائدہ اٹھایا ــ اور اسے دوسری صدی ہجری کے حیرت انگیز طبی نظریات میں سے تسلیم کیا جاتا ہے (جس کا سرچشمہ امام معصوم کا ارشادِ گرامی ہے) اس سلسلہ میں، یہ واقعہ قابلِ ذکر ہے کہ:

عباسی حکمران ہارون الرشید کا چچا زاد بھائی ابراہیم بن صالح بہت دنوں سے

بیمار تھا، اور لوگ اس کی صحت کی طرف سے نا امید ہوتے جا رہے تھے۔

ایک روز دوپہر کے وقت ہارون کھانے پر بیٹھا تھا کہ اسے اطلاع دی گئی:

آپ کا مخصوص طبیب "بختیشوع" آیا ہے۔

چنانچہ اسے اندر بلا لیا گیا۔

... "بختیشوع" نے ہارون سے کہا۔

"میں آپ کو یہ اطلاع دینے آیا ہوں کہ آپ کے چچا زاد بھائی ابراہیم بن صالح کی حالت خراب ہے اور (میرا اندازہ ہے کہ) آج رات کو وہ اس دنیا سے گذر جائے گا۔

اور میں جس وقت وہاں سے روانہ ہوا ہوں، ابن بہلہ نامی ہندی (طبیب) وہاں آیا تھا۔

ہارون نے کہا کہ :- میں نے دو بار آدمی بھیج کر تمہیں بلایا تھا، لیکن جب تم نہ ملے، تو میں نے ابن بہلہ ہندی کو، اپنے چچا زاد بھائی کے پاس بھیجا کہ وہ اس کی حالت دیکھے۔

ہارون رشید نے جب "بختیشوع طبیب" کی زبان سے یہ بات سنی کہ اس کا چچا زاد بھائی اب صرف ایک رات کا مہمان ہے تو بہت رنجیدہ ہوا، اور کھانا اپنے سامنے سے اٹھوا دیا۔

تھوڑی دیر میں ابن بہلہ ہندی طبیب آیا۔ اور اس نے دیکھا کہ ہارون رشید بہت زیادہ افسردہ اور غمگین ہے تو پوچھا کہ:

آپ اس قدر غمزدہ کیوں ہیں؟

ہارون رشید نے کہا کہ:- بختیشوع طبیب نے بتایا ہے کہ میرا

چچازاد بھائی، اب صرف ایک شب کا مہمان ہے — اور یہ خبر سن کر میرا دل بحرِ غم میں ڈوب گیا، اب نہ کھانا اچھا لگ رہا ہے نہ پینا۔

ابن بہلہ ہندی نے کہا کہ میں نے اس کا معائنہ کیا ہے اور مجھے اطمینان ہے کہ وہ ابھی مرنے والا نہیں ہے، بلکہ علاج معالجہ سے اچھا ہو جائے گا۔

ہارون نے کہا کہ:

"اے ابن بہلہ، "بختیشوع" تو ایسا معالج ہے کہ اُس کے آباؤ اجداد بھی طبیب تھے اور وہ خود بھی ایک طبیب حاذق ہے، اور کسی بھی بیمار کے بارے میں اس کی بات مستند ہے۔

"ابن بہلہ" نے کہا کہ:

"میں اگرچہ خاندانی طبیب نہیں، لیکن میں آپ کو اطمینان دلاتا ہوں کہ آپ کا چچازاد بھائی زندہ رہے گا، اور اس کا علاج ہو جائے گا۔

ہارون نے کہا:۔ اے ابن بہلہ۔ بتاؤ اگر تمہاری بات غلط ثابت ہو اور میرا چچازاد بھائی آج کی رات دنیا سے رخصت ہو جائے، تو میں تمہیں کیا سزا دوں۔

ابن بہلہ نے کہا:۔

"اگر آپ کا چچازاد بھائی اس شب وفات پا جائے تو آپ کو یہ حق ہوگا کہ سزا کے طور پر میرے تمام مال و اسباب، اور غلاموں وغیرہ پر قبضہ کر لیں، اور میں آپ سے یہ بھی وعدہ کرتا ہوں کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے دوں گا۔

ہارون نے جب ابن بہلہ کی طرف سے اس قدر مستحکم انداز دیکھا تو مطمئن ہو گیا، اور حکم دیا کہ اُس کے لئے کھانا وغیرہ لگایا جائے۔

کھانے سے فارغ ہوئے، تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ کسی نے قصرِ خلافت

میں آکر خبر دی کہ:

ہارون کا چچا زاد بھائی: ابراہیم بن صالح دنیا سے گذر گیا۔

یہ خبر سُن کر ہارون نے رونا چیخنا شروع کیا، اور گریبان پھاڑ لیا۔

اہلِ دربار نے اُسے تسلّی وغیرہ دے کر سلا دیا۔

اگلی صبح بیدار ہوا، تو سوگواروں کا لباس پہنا، اور ابراہیم بن صالح کے گھر گیا وہاں دیکھا کہ جنازہ کو، اس زمانے کے عام معمول کے مطابق گھر کے اندر ہی غسل دیا گیا ہے، اور کافور لگا کر کفن پہنایا جا چکا ہے۔

جس وقت جنازہ کو غسل دیا جا رہا تھا، ابنِ بہلہ ہندی طبیب بھی وہاں موجود تھا، اور غور سے "مرنے والے" کا جسم دیکھ رہا تھا۔

ہارون نے جب اسے دیکھا تو فوراً بولا۔

"تم کل کیا کہہ رہے تھے۔

ابنِ بہلہ نے کہا:۔

آپ کو فیصلہ کرنے کا اختیار ہے۔ مگر میرے مال واسباب پر قبضہ کرنے میں جلدی نہ کریں۔

ہارون رشید بولا:۔ تم نے مجھ سے غلط بیانی کی ہے، میں تمہیں معاف نہیں کروں گا۔

ابنِ بہلہ نے کہا:۔ میں آپ سے معافی نہیں مانگ رہا ہوں، صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ میرے مال واسباب پر قبضہ کرنے میں جلدی نہ کریں، کیونکہ آپ کا یہ چچازاد بھائی تو ابھی تھوڑی دیر میں زندہ ہو جائے گا۔

ہارون نے کہا:۔ کیا مُردے بھی زندہ ہوتے ہیں؟

ابنِ بہلہ نے جواب دیا کہ:۔ جو شخص پوری طرح نہ مرا ہو، وہ زندہ ہو سکتا ہے۔

اور چونکہ آپ کا چچا زاد بھائی پوری طرح نہیں مرا ہے' اس لئے زندہ ہو سکتا ہے۔

البتہ اگر زندہ ہونے کے بعد خود کو برہنہ اور کفن میں لپٹا ہوا دیکھے اور کافور کی بُو محسوس کرے تو وحشت سے دُوبارہ مرسکتا ہے۔ اس لئے آپ ان لوگوں کو حکم دیجئے کہ اسکے جسم سے کفن ہٹادیں اور اُس کے بدن کو خوب اچھی طرح سے دھوئیں تاکہ کافور کی بُو مکمل طور پر ختم ہوجائے۔ پھر اسے عام زندہ انسانوں والا لباس پہنا کر اُس کے بستر پر لٹادیں' تاکہ میں اسے "زندہ کرکے دکھادوں۔

ہارون رشید نے حکم دیا کہ جو کچھ ابنِ بہلہ نے کہا ہے' اسی کے مطابق عمل کیا جائے چنانچہ لوگوں نے کفن ہٹادیا' اُس کے جسم کو اچھی طرح دھویا کہ کافور کی بُو ختم ہوجائے پھر روزمرّہ کا لباس پہنا کر اُس کے بستر پر لٹادیا گیا۔

ابنِ بہلہ نے ایک تیز چاقو اپنے ہاتھ میں لیا اور ابراہیم بن صالح کے بائیں ہاتھ کی دو انگلیوں کے درمیان چاقو سے کٹ لگایا تو خون بہنے لگا۔

ہارون رشید اس وقت ابراہیم بن صالح کے بستر کے قریب ہی تھا اس نے دیکھا کہ خون بہنے کے بعد ابراہیم بن صالح کے جسم میں جنبش ہوئی اور تھوڑی دیر کے بعد اُس نے آنکھیں۔ ہارون رشید پر نگاہ پڑی تو نحیف آواز میں بولا۔ "اے میرے چچا کے بیٹے' تم میری عیادت کو آئے۔ خدا تمہیں اس کی جزا دے۔

راوِاسطرح وہ شخص جسے مُردہ سمجھ کر غسل وکفن دیا جاچکا تھا' کافور مَلا جاچکا تھا۔ اور صرف دفن کرنا باقی رہ گیا تھا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے "طبی نسخے" کی وجہ سے "دوبارہ" زندہ ہوگیا۔

احوالہ کیلئے ملاحظہ فرمایئے،
سفرز متفکر جہان تشیع، صفحہ ۵۱، ۵۴

ایک ملحد کی شرارت کا جواب

قرآن مجید کی متعدد آیات میں اس بات کی تصریح کی گئی ہے کہ خداوند عالم ہی تمام چیزوں کا خالق ہے، اُس کے علاوہ کوئی خالق نہیں ہے۔

سورہ مبارکہ فاطر میں ارشاد ہوا۔

یھل من خالق غیر اللہ یرزقکم من السماء والارض، لا الہ الا ھو فانی تو فکون۔

"کیا اللہ کے سوا بھی کوئی خالق ہے جو تمہیں آسمان و زمین سے رزق عطا کرتا ہے، بیشک اُسکے سوا کوئی معبود نہیں، پھر تم کہاں بھٹک رہے ہو۔۔۔؟"

اور سورۂ زمر میں زیادہ وضاحت کے ساتھ اعلان کر دیا گیا کہ:

"خدا ہی ہر چیز کا خالق ہے۔۔۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔:

"اللہ خالق کلِّ شی، وھو علیٰ کلِّ شیٔ وکیل۔

"اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے، اور وہی ہر چیز پر نگہبان ہے)

پھر سورۂ مومن (غافر) میں مزید تاکید کی گئی ہے۔۔۔ جیسا کہ ارشاد قدرت ہے:

ذٰلکم اللہ ربکم خالق کلِّ شی۔۔۔ (یہ اللہ ہی تمہارا پروردگار ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے)۔۔۔

اور سورہ مبارکہ رعد میں اس بات کو ایک جداگانہ منطقی انداز سے یوں بیان کیا گیا ہے کہ:

۔۔۔ام جعلوا اللہ شرکاء، خلقوا کخلقہ، فتشابہ الخلق علیھم،

قُلِ اللہ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ وَّھُوَ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ۔

دکھیا۔ جن چیزوں کو یہ خدا کا شریک قرار دیتے ہیں انہوں نے بھی اللہ کی طرح مخلوق پیدا کی ہے جس کی وجہ سے ان لوگوں کی نظر میں، پیدائش مشتبہ ہو گئی ہو۔۔؟ کہہ دیجئے کہ: صرف اللہ ہی تمام چیزوں کا خالق ہے، وہ اکیلا، زبردست (اور غالب) ہے۔

آیت میں جو استفہامیہ انداز اختیار کرتے ہوئے استفسار کیا گیا ہے:

• اس سوال کا مطلب یہ ہے کہ اگر دنیا میں کچھ چیزیں اللہ نے پیدا کی ہوتیں اور کچھ دوسروں نے، اور یہ معلوم کرنا مشکل ہوتا کہ خدا کا تخلیق کام کون سا ہے اور دوسروں کا کون سا۔ تب تو شرک کرنے والوں کیلئے کوئی بنیاد ہو سکتی تھی۔ لیکن جب یہ لوگ خود مانتے ہیں کہ کائنات کی کوئی بھی چیز کسی باطل معبود نے نہیں پیدا کی، بلکہ سب کچھ خدا نے ہی پیدا کیا ہے، تو پھر یہ۔ باطل معبود، خالق کے اختیارات اور اُس کے حقوق میں کس بناء پر شریک بنا دیئے گئے (تفہیم القرآن جلد ۲: ۴۵۲)

حضرات ائمہ طاہرینؑ کے زمانہ میں بھی بعض شعبدہ باز اوچھی حرکتوں کے ذریعہ سے وحدتِ خالق کے تصور کو مشکوک بنانا چاہتے تھے، لیکن ہمارے ہادیانِ برحق نے نہایت مستحکم دلیلوں کے ساتھ ان لوگوں کی ملمع سازیوں کا پردہ چاک کر کے رکھ دیا۔

چنانچہ:۔

عز المرتضیٰ کی روایت ہے کہ:

جعد بن درہم (نامی ملحد) نے (ایک شیشے کے اندر مٹی اور پانی وغیرہ بھر کر، اسے زمین کے اندر دفن کر دیا تو اس میں کچھ کیڑے پڑ گئے۔

کہنے لگا کہ: دیکھو ان کا خالق میں ہوں، کیونکہ میرے ہی اُس عمل کے نتیجے میں

یہ پیدا ہوتے ہیں۔
(لوگوں نے جب اس کی بات سنی تو کوئی بھی شخص اس کا جواب نہ دے سکا ہر شخص اسی فکر میں رہا کہ اس ملحد کی اس بات کا کیا جواب دیا جائے۔
یہاں تک کہ حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں یہ سوال پیش کیا گیا تو آپؑ نے ارشاد فرمایا کہ:
"اس شخص سے پوچھو کہ:
ان کیڑوں کی تعداد کتنی ہے؟
ان میں کتنے نر ہیں کتنے مادہ۔؟
ان میں سے ہر ایک کا وزن کتنا ہے؟
اور اگر اسی نے انکی یہ شکل بنائی ہے تو ان کو کسی اور شکل میں تبدیل کر دے۔
کیونکہ جو خالق حقیقی ہے وہ جانتا ہے کہ اس نے جن کو پیدا کیا ہے، انکی تعداد کیا ہے، ان میں کتنے نر ہیں کتنے مادہ؟
ان کا وزن کیا ہے، اور جس نے ایک شکل بنائی ہے وہی دوسری شکل بھی بنا سکتا ہے)
جب اس ملحد سے یہ سوالات کئے گئے تو وہ کوئی جواب نہ دے سکا، وہاں سے فرار اختیار کیا۔

(مناقب ابن شہر آشوب جلد ۳ صفحہ ۲۷۵)

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ پروردگارِ عالم کی طرف سے جو نشانیاں دکھائی جاتی ہیں اور جو آیتیں نازل کی جاتی ہیں انکی بنیادی غرض یہ ہے کہ بنی نوعِ انسان عقل وفکر سے کام لیں۔

چنانچہ سورۂ مبارکہ "البقرۃ" میں ارشاد ہوا۔

... ویریکم آیاتہ لعلکم تعقلون۔ (وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو)۔

اسی سورہ کی ایک اور آیت میں فرمایا:

کذالک یبین اللہ لکم آیاتہ لعلکم تعقلون (اللہ اسی طرح تم پر اپنی آیتیں واضح کرتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو)۔

اور سورہ مبارکہ "انعام" میں ارشاد ہوا:

ذٰلکم وصّاکم بہ لعلکم تعقلون۔ (خداوند عالم نے) تمہیں اس بات کی نصیحت کی ہے کہ تم عقل سے کام لو)

اور سورہ مبارکہ "یوسف" میں فرمایا۔ (انا انزلناہ قرآنا عربیا لعلکم تعقلون۔ (ہم نے یہ عربی قرآن نازل کیا ہے تاکہ تم لوگ عقل سے کام لو)

اور سورۂ مبارکہ "نور" میں ارشادِ قدرت ہے: (کذالک یبین اللہ لکم الآیات لعلکم تعقلون۔ (اسی طرح خداوند عالم تمہارے لئے آیتوں کو واضح کرتا ہے، تاکہ تم عقل سے کام لو)

اور سورۂ مبارکہ 'الزخرف' میں ارشاد ہوا: (انا جعلناہ قرآنا عربیا لعلکم تعقلون۔ (ہم نے اسے عربی (زبان کا) قرآن بنایا ہے تاکہ تم لوگ سمجھ سکو)

اور سورۂ مبارکہ 'الحدید' میں فرمایا: (قد بینا لکم الآیات لعلکم تعقلون (یقیناً ہم نے تمہارے لئے آیتوں کو واضح کیا، تاکہ تم عقل سے کام لو)۔

اور ہواؤں کی آمد و رفت، اور بادلوں کے چلنے وغیرہ کو اپنی نشانی قرار دیا تاکہ لوگ اپنی عقل استعمال کریں، چنانچہ ارشادِ قدرت ہے:

ان فی خلق السماوات والارض، واختلاف اللیل والنہار والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس، وما انزل اللہ من السماء من ماء فاحیا بہ الارض بعد موتھا وبث فیھا من کل دابۃ وتصریف الریاح والسحاب المسخر بین السماء والارض لآیات لقوم یعقلون۔

(بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش، روز و شب کی آمد و رفت اور وہ کشتیاں جو لوگوں کو نفع پہونچانے والی چیزیں لے کر سمندروں میں چلتی ہیں — اور اللہ نے آسمان سے جو پانی اتارا جس سے مردہ زمین کو زندہ کر دیا، اور اس میں ہر قسم کے جاندار پھیلا دیئے، اور ہواؤں کو چلائے اور وہ بادل جو آسمان و زمین کے درمیان مسخر ہیں، ان میں عقل سے کام لینے والوں کیلئے بڑی نشانیاں ہیں)

(البقرۃ: آیت ۱۶۴)

اور اپنی عقل و فکر کو کائنات کے رموز کو سمجھنے کے لئے استعمال کرنیکا نام

فلسفہ ہے، جس کی طرف ہمارے ہادیانِ برحق نے اپنے ماننے والوں کی بلیغ رہنمائی فرمائی۔

چنانچہ مغربی مفکّرین نے تصریح کی ہے کہ:

عالمِ اسلام کے اندر فلسفہ کا درس، سب سے پہلے حضرت امام جعفر صادقؑ کے زمانہ میں شروع ہوا۔ کیونکہ امام علیہ السلام اپنے لائق شاگردوں، اور صاحبانِ علم و تحقیق کو الٰہی فلسفہ سے روشناس کرانے کی سعی فرماتے تھے۔

بلکہ اگر ہم غائرانہ نگاہ سے جائزہ لیں تو نظر آئے گا کہ آپ نے نہ صرف فلسفیانہ اطلاعات سے لوگوں کے قلوب کو منور کیا، بلکہ کلاسیکی فلسفہ کی بھی مدینہ منورہ میں بنیاد رکھی۔

یہ وہ زمانہ تھا جب ابھی یونان کے فلسفہ کا عربی زبان میں ترجمہ بھی نہ ہوا تھا، کہ عرب دنیا کے افراد فلسفۂ یونان سے باخبر ہو سکتے۔

لیکن یہ امام علیہ السلام کا فیض تھا کہ آپ نے اپنے شاگردوں کو اعلیٰ ترین فلسفہ سے روشناس کرایا۔

کون نہیں جانتا کہ یونان میں فلسفہ کی بنیادوں کو سقراط، افلاطون — اور ارسطو جیسے نابغۂ روزگار افراد نے مستحکم کیا۔ لیکن عالمِ اسلام میں وہ پہلی درسگاہ جہاں سے تشنگانِ علم و معرفت کو فلسفہ کے گراں قدر مطالب نصیب ہوئے، وہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی قائم کردہ اور تاسیس کردہ درس گاہ ہے۔

آج عالمِ اسلام کے اندر فلسفہ کو جو عروج و بقا نصیب ہوئی ہے وہ امام علیہ السلام ہی کا فیض ہے، اور چونکہ آپ ہی نے سب سے پہلے، عالمِ اسلام میں، اس کی بنیاد

رکھی ۔ اسی لئے ہم اگر انصاف پسندی سے جائزہ لیں تو یہ نظر آئے گا کہ :
مسلمانوں کے متعدد مکاتب فکر ایسے ہیں کہ جہاں آج بھی فلسفہ، ضعف و ناتوانی، اور بے توجہی کا شکار ہے ، لیکن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے مکتب سے وابستہ افراد آج بھی اس علم کے قدر دان اور اس کی پیش رفت کیلئے کوشاں ہیں ۔

جو حضرات آپ کے حلقۂ درس میں شریک ہوتے تھے، انھیں اچھی طرح معلوم تھا کہ چونکہ وقت کے حکمرانوں کو اس گھرانے سے عداوت ہے اس لئے یہاں علمی ترقی حاصل کرنے والوں کو دنیاوی جاہ و حشم حاصل کرنے کا موقع نہیں ملے گا ۔ نہ انھیں کوئی مادی فائدہ حاصل ہوگا۔
لیکن شوقِ علم ، بندگانِ خدا کو ، دُور دراز علاقوں سے ، کشاں کشاں مدینہ پہونچاتا تھا ، اور وہ اس مقدس شہر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے حلقۂ درس سے فیضیاب ہو کر ایسی طمانیت حاصل کرتے تھے ، جس کے مقابلے میں دنیا کی ہر زیب و زینت اور ہر آسائش ہیچ ہے ۔
کیونکہ آپ کے حلقۂ درس میں شرکت کرنے والوں کو ، فکر و نظر کی آزادی اور دلیل و برہان سے استواری کی جو نعمت ملتی تھی ، وہ کہیں اور سے نصیب نہیں ہو سکتی تھی ۔

مغربی دنیا کا حال تو یہ ہے کہ ابھی ایک دو قرن قبل یورپ ، فرانس ، اٹلی ، اسپین یا پرتگال وغیرہ میں ، اگر کوئی شخص اگر کوئی ہلکی سی آزاد روی بھی ظاہر کرتا ، جو

کلیسا کی پیشانی پر بار گذرتی تو اس شخص کو سخت ترین تعذیب سے گذرنا پڑتا تھا۔

لیکن امام علیہ السلام کے قائم کردہ دبستان علم و معرفت میں ہر صاحب فکر و نظر کو اپنی قوتِ استدلال، آزادانہ طریقے سے استعمال کرنے کی اجازت تھی، افکار پر کوئی قدغن نہ تھی، نہ ذہنوں کو پیوست کی دنیا میں پراگندہ رکھنے کی کوشش کی جاتی تھی۔

("مغز متفکر")

اجسام کی کدورت اور شفافیت

کون سا جسم "شفاف" ہے۔ اور کون سا "غیر شفاف"۔ جسے اصطلاحی طور سے "کدر" کہا جاتا ہے، یہ ایک گہری اور بہت تحقیقی بحث ہے، جس کا طبی دنیا اور سائنس کے مطالعہ کے دوران مشاہدہ کیا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں سینکڑوں قسم کی مخلوقات اور اُن کے اجسام کے ارتقاء و نمو پر گفتگو کی گئی ہے، جسے اُس دور کے انسانوں کی ذہنی صلاحیتوں کے پیشِ نظر بہت سے حجابات، اور اشارات و کنایات میں ملفوف کر کے پیش کیا گیا ہے۔

خود انسان کی تخلیق کے بارے میں بعض رموز کو اس انداز سے پیش کیا گیا ہے کہ وقت کی طنابوں پر سفر کرنے والے رفتہ رفتہ اس کی حقیقت سے باخبر ہوتے جائیں۔ یہاں تک کہ تحقیق کا سفر جب ارتقاء کی منزل تک پہونچے، تو یہ حقائق عیاں ہو کر نگاہوں کے سامنے آجائیں۔

مثال کے طور پر، انسان کی خلقت کے بارے میں خالقِ دو جہاں کا ارشاد ہے:

...فانا خلقنا کم من تراب، ثم من نطفۃ، ثم من علقۃ، ثم من مضغۃ۔

(بیشک ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر جمے ہوتے خون سے، پھر گوشت کے لوتھڑے سے)۔

(سورہ مبارکہ الحج، آیت ۵)

غور کیجئے:-

مٹی کہاں، انسان کہاں؟ — اس زندہ و متحرک ترکیب میں جو کہ مؤثر بھی ہے اور متاثر بھی، جو اپنے قدم تو زمین پر دھرتا ہے مگر دل اُس کا آسمانوں میں اڑتا ہے، اپنی فکر کے ساتھ وہ بعد الطبیعیات کی تخلیق کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور مادّہ سے اوپر ہی اوپر اڑتا ہے، اس مرکب شے میں وہ اوّلین سادہ ذرات کہاں ہیں جن سے یہ پیدا کیا کیا گیا تھا؟

(اس میں کون شک کرسکتا ہے کہ انسان "مٹی سے" ہونے کے باوجود، مٹی سے افضل ہے، اور اس پر حکومت کرتا ہے۔

یہ تبدیلی جو انسان میں پیدا ہوئی، یہ مسافت اور گہرائی، اور رفعت و طول وارض میں بہت بڑی تبدیلی ہے، اس سے اس قدرت کی گواہی ملتی ہے جس کو فطرتِ انسانی جھٹلا نہیں سکتی اور نہ انسان اپنی ترقیوں کے باوجود اس کی تردید پر قادر ہوسکتا ہے)

(فی ظلال القرآن ۶: ۲۵۸)

آیت کے الفاظ ہیں: "تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے"۔

لیکن آج کی علمی دنیا میں کون نہیں جانتا کہ مٹی کتنی انقلابی تبدیلیوں کے بعد نطفہ بنتی ہے!

اور پھر نطفہ کے ایک قطرہ میں کروڑوں کی تعداد میں، ایسے جرثومے ہوتے ہیں، جن میں سے کوئی ایک، انسان کی ابتدا قرار پاتا ہے۔

ماضی کا انسان، اپنے دائرہ علم کے محدود ہونے اور وسائل سے محروم ہونے کی بنا پر اُن جرثوموں کا نہ مشاہدہ کرسکتا تھا، نہ اندازہ لگاسکتا تھا، لیکن آج وسائل کی ترقی نے ان باتوں کو بالکل آسان بنا دیا ہے۔

یہی صورتِ حال دوسرے اجسام کی ہے، بعض ایسی اشیاء جن کو ماضی کا انسان جسم کہنے میں تامل کرتا، ان کے شفاف اور غیر شفاف ہونے کی بحث کیسے چھیڑ سکتا تھا، اسی لئے فرانس کے 25 گراں قدر محققین نے اعتراف کیا ہے کہ :

فزکس دنیا میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ہی جسم کے "کدر" ہونے اور "شفاف" ہونے کے بارے میں ایک واضح قانون سے بنی نوع انسان کو روشناس کرایا، اور وہ یہ کہ :

وہ اجسام جو جامد ہونے کے ساتھ ساتھ جاذبیت رکھتے ہیں وہ "کدر" ہوتے ہیں۔ اور وہ اجسام جو جامد تو ہوں، لیکن قوتِ جاذبہ کے بجائے قوتِ دافعہ کے حامل ہوں وہ "شفاف" ہوتے ہیں۔

کسی نے دریافت کیا کہ کن اجسام میں قوتِ جاذبہ ہوتی ہے؟

فرمایا :۔ (وہ جو) حرارت سے مالا مال ہوں)!

آج کی روشنی کے دور میں، ہم بخوبی جانتے ہیں کہ فزکس کا یہ نظریہ، ایک الحاق کے ساتھ، ایسا علمی قانون ہے اور اس قدر عمدہ سمجھا جاتا ہے کہ انسان حیرت زدہ رہ جاتا ہے کہ آج سے تقریباً چودہ سو برس قبل دوسری صدی ہجری میں ایک نہایت عظیم المرتبت شخصیت نے، دنیا کے سامنے ایسا حیرت انگیز نظریہ پیش کیا، جو مغربی دنیا کے دوسرے سائنسدانوں کو بیسویں صدی میں معلوم ہو سکا۔ اور آج لاکھوں افراد، اس کو تسلیم کر رہے ہیں۔

یہ بات واضح ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس وقت جو گفتگو فرمائی اس میں "الیکٹرسٹی"۔ اور "میگنیٹک"۔ وغیرہ کے الفاظ استعمال نہیں فرمائے۔ لیکن اجسام کی "شفافیت" اور عدم شفافیت کے بارے میں جو نظریہ پیش کیا،

وہ آج کی فزکس کے تسلیم شدہ قوانین کی حیثیت رکھتا ہے۔

(مغز متفکر جہان تشیع: ۱۰۵، ۱۰۶)

علمی قوانین کو جو عالمی شہرت اس صورت میں نصیب ہوتی ہے، جب انھیں سادہ اور دلنشین انداز میں پیش کیا جائے، یہ شہرت اس قدر ہمہ گیر ہوتی ہے کہ لوگوں، اور اقوام کے دنیا سے گذر جانے کے باوجود ان علمی قوانین کی شہرت، برقرار رہتی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے "فزکس"۔ اور دوسرے علوم کے سلسلہ میں جو نظریات اور علمی نکات پیش کئے وہ انتہائی سادہ اور دلنشین ہوتے تھے۔

اور یہ بات واضح ہے کہ جو علمی قانون بھی، سادہ زبان میں پیش کیا جائے گا، وہ جلد شہرت حاصل کرے گا، اور بہت دیر تک لوگوں کے ذہن سے محو نہیں ہوگا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے شاگردوں کو جو نصیحتیں فرمائیں، اپنے حلقۂ درس میں شریک ہونے والوں کو جن علمی اور سائنسی نظریات سے روشناس کرایا، اپنے اصحاب کو علم و دانش کی جن وادیوں کی سیر کرائی اور اپنے ماننے والوں کی معرفت اور شعور و ادراک میں جو حیرت انگیز انقلاب برپا کیا۔ اس کی ہمہ گیریت کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی تھی، کہ آپ نہایت سادہ اور دلنشین انداز میں ان علوم کو لوگوں تک پہونچا رہے تھے۔

قیاس کے سلسلے میں تنبیہ

قیاس:۔ جس کے بارے میں اہلِ لغت نے لکھا ہے کہ:

قایس قیاسا ومقایسۃ بین الامرین ۔ دو چیزوں کے درمیان موازنہ کرنا۔

قایس الشی بکذا او کذا ۔ ایک دوسرے کے مقابلے میں اندازہ کرنا۔ (المنجد صفحہ ۸۵۳)

اور لکھنؤ سے شائع ہونے والی، لغت کی ایک مفصل کتاب میں اس لفظ کے مختلف محل استعمال کا تذکرہ کرتے ہوئے، مؤلف محترم نے لکھا ہے کہ:

قیاس:۔ اندازہ کرنا، دو چیزوں میں ایک چیز کو دوسری چیز کے برابر خیال کرنا۔
اور علم منطق کی اصطلاح میں:۔ دو جملوں سے ترکیب دیا ہوا قول، جس سے نتیجہ نکلے (یہ علم منطق کی ایک الگ اصطلاح ہے)

قیاس:۔ بہت زیادہ قیاس سے کام لینے والا، اپنے اندازے پر بہت زیادہ اعتبار کرنے والا۔

یہ اسم تفضیل ہے، تعلیم یافتہ طبقے کی زبان ہے اور قلیل الاستعمال ہے۔

قیاسات:۔ اندازے، قیاس کی جمع ۔ (عربی، مذکر ہے) تعلیم یافتہ طبقے کی زبان (میں رائج ہے)

اسی مناسبت سے، قیاس آرائی کا لفظ بولا جاتا ہے جس کے معنی ہیں):
عقلی گدے لگانا، بے سوچے سمجھے قیاس کرلینا (جیسا کہ محاورہ میں کہا جاتا ہے کہ "آپ جو دلیل پیش کر رہے ہیں اس سے اور اصل معاملے سے کوئی نسبت

نہیں، یہ سب آپ کی قیاس آرائی ہے۔

قیاس دوڑانا:۔ یعنی عقل دوڑانا، فکر سے کام لینا۔۔ جس کے بارے اُردو کے مستند شاعر مرزا غالب نے کہا ہے:

؎ اور دوڑائیے قیاس کہاں
جانِ شیریں میں یہ مٹھاس کہاں

قیاس کرنا:۔ اندازہ کرنا، جانچنا، ذہن میں کسی چیز کو کسی چیز کے برابر ٹھہرانا۔ گمان کرنا، خیال کرنا، ماننا (وغیرہ)

(ملاحظہ فرمایئے: مہذب اللغات جلد ۹ صفحہ ۱۶۳)

جبکہ شریعت کے احکام کی اساس و بنیاد خدا و رسولؐ کے قول و فعل پر ہے۔

مقنن صرف خداوندِ عالم ہے، البتہ چونکہ وہ جسم و جسمانیات سے بے نیاز ہے، اس لئے اس نے قانون کے نفاذ کے لئے انبیاء و مرسلین کا انتخاب کیا۔ اور اپنے آخری نبی (حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بارے میں اعلان فرما دیا کہ:

وما اٰتاکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا۔ والقوا انّ اللہ شدید العقاب۔

(اور تمہیں جو کچھ رسول دے دیں وہ لے لو اور جس (بات) سے، روکیں، رک جاؤ، اور خدا سے ڈرتے رہو، بیشک خداوندِ عالم سخت عذاب (دینے) والا ہے)

(سورہ مبارکہ الحشر آیت ۷)

اسی لئے اہلِ شرع اس بات کے پابند ہیں کہ دینی احکام میں قولِ رسولؐ کی

پابندی کریں، اپنی قیاس آرائی سے گریز کریں، اس سلسلہ میں جناب نظم طباطبائی کا یہ شعر خاص توجہ کا حقدار ہے:

کام آتا نہیں ہے محض قیاس
ناتواں ایسے علم کی ہے اساس

ہمارے ائمہ طاہرین علیہم السلام نے دین و شریعت کے معاملات میں قیاس آرائی کو سختی سے منع کیا ہے، اس سلسلہ میں یہ روایت بھی قابلِ ذکر ہے:

علامہ دمیری کہتے ہیں کہ: ابن شبرمہ کا بیان ہے کہ:

میں اور امام ابوحنیفہ ایک دفعہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

میں نے امام کی خدمت میں عرض کیا:

یا حضرت!۔ یہ بزرگ (امام ابوحنیفہ) عراق کے مرد فقیہ اور مجتہد ہیں۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا۔

... یہی وہ شخص ہیں جو خدا کے دین میں اپنی رائے اور عقل سے قیاس کرتے ہیں؟... یہ نعمان بن ثابت ہیں؟

"ابن شبرمہ" کہتے ہیں کہ مجھے حضرت ابوحنیفہ کی صرف کنیت ہی معلوم تھی، اُن کے اصلی نام، ولدیت اور نسب وغیرہ سے میں واقف نہ تھا۔ اس لئے امام علیہ السلام نے جب اُن کا نام اور اُن کے باپ کا نام لے کر مجھ سے دریافت کیا تو میں کچھ جواب نہ دے سکا (کیونکہ میں نہ تو ان کا نام جانتا تھا، نہ ان کے والد کا)

میں خاموش رہا۔ تو حضرت ابوحنیفہ نے خود ہی امام علیہ السلام سے عرض کیا:

جی ہاں اے (فرزند رسولؐ) — میں ہی نعمان بن ثابت ہوں خدا حضور کا بھلا کرے میں ہی عراق کا وہ فقیہ ہوں جو دین کے معاملات میں قیاس سے کام لیتا ہے!

امامؑ نے فرمایا:— "اے نعمان! — خدا سے ڈرو اور دین خدا میں اپنے قیاس سے کام نہ لیا کرو — کیا تم نہیں جانتے کہ سب سے پہلے جس شخص نے قیاس سے کام لیا وہ ابلیسؑ تھا' خدا کے حکم سجدہ آدمؑ پر اس نے جواب دیا کہ:

انا خیر منہ (میں آدمؑ سے بہتر ہوں — اور بہتر اپنے سے کمتر کے سامنے سجدہ کیسے کر سکتا ہے)

اُس نے قیاس کر کے غلطی کی اور اسی وجہ سے وہ گمراہ (اور مردود بارگاہ قرار پایا۔

پھر آپؑ نے فرمایا):

"اے نعمان — کیا تم آدمی کے سر کو اُس کے باقی بدن پر قیاس کر سکتے ہو کہ دونوں میں کیا نسبت ہے؟ — اور تمام بدن میں سر کو اتنی خصوصیات کیوں عطا کی گئیں کہ: آنکھ، کان، ناک، دماغ... سب اسی حصہ کو مل گیا اور باقی کل اعضاء ان چیزوں سے محروم رہے۔

ابوحنیفہ نے کہا:۔ نہیں (اے فرزند رسولؐ) — میں تو اس راز سے واقف نہیں ہوں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:— اچھا یہ بتاؤ:

"خداوند عالم نے آنکھوں میں نمکینی' کانوں میں تلخی' ناک کے نتھنوں میں رطوبت' اور لبوں میں شیرینی کیوں رکھی ہے؟ — کس مصلحت سے خداوند عالم نے ایک ایک عضو میں' ایک ایک (جدا جدا) کیفیت پیدا کر دی۔؟

جناب ابوحنیفہ نے کہا:۔ اے فرزند رسولؐ — مجھے تو نہیں معلوم ہے! (آپ ہی ارشاد فرمایئے)

امام نے فرمایا:۔ سنو!

خداوندِ عالم نے دونوں آنکھوں کو چربی کے ڈھیلے جیسا بنایا ہے، اور دونوں آنکھوں میں اس نے جو نمکینی پیدا کردی یہ ہر جاندار پر بہت بڑا احسان ہے۔ کیونکہ اگر آنکھوں میں یہ کیفیت پیدا نہ کرتا تو (اندیشہ تھا کہ) دونوں آنکھیں پگھل کر بہہ جاتیں، اور سب اندھے ہوجاتے۔

اور کانوں میں تلخی اس لئے پیدا کردی کہ جب وہ سو رہا ہو تو حشرات الارض اُن میں داخل نہ ہونے پائیں (کیونکہ اگر انسان زمین پر سو رہا ہو تو اُس کے کان، زمین سے بالکل متصل ہونگے اور حشرات الارض کے داخل ہونے کا اندیشہ رہے گا) یہ بھی تمام جاندا مخلوقات پر خداوندِ عالم کا بڑا احسان ہے، کیونکہ اگر یہ تلخی نہ ہوتی تو چھوٹے کیڑے، آسانی سے اندر گھس کر مغز تک پہونچ سکتے تھے)...

اور پروردگارِ عالم نے، ناک میں رطوبت اس لئے پیدا کی ہے کہ سانس کی آمدو رفت میں سہولت پیدا ہو، اور خوشبو اور بدبو محسوس ہو۔

اور لب و دہان میں شیرینی اس لئے رکھی ہے کہ... کھانے پینے میں لذت محسوس ہو۔ (اگر کان کی طرح سے، لبوں میں بھی تلخی رکھ دیتا یا نمکینی قرار دے دیتا تو کھانے پینے کی ہر چیز بدمزہ معلوم ہوتی اور (تمام جانداروں کیلئے) زندگی دشوار ہوجاتی۔

ابن شبرمہ کہتے ہیں کہ:

جب، امام جعفر صادق علیہ السلام یہ باتیں بیان کرچکے تو حضرت ابو حنیفہ صاحب کا پہلے سے بھی زیادہ سہل اور آسان امتحان لینا چاہا۔ اور اس طرح گفتگو ہونے لگی۔

امام علیہ السلام:۔ "اے نعمان — بتاؤ وہ کون سا کلمہ ہے جس کا پہلا حصہ

کفر اور دوسرا ایمان ہے؟

حضرت ابوحنیفہ نے گھبرا کر کہا۔ "اے فرزندِ رسولؐ وہ کون سا کلمہ ہے؟ مجھے تو بالکل معلوم نہیں!

امام علیہ السلام نے فرمایا۔ "وہ کلمۂ شہادت: "لاالٰہ الا اللہ" ہے۔ کہ اس کا پہلا جز "لاالٰہ" کہہ کر اگر کوئی شخص خاموش ہو جائے تو کفر ہو جائے گا (کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ کسی معبود اور کسی خدا کو مانتا ہی نہیں) لیکن جب وہ اس جملے کا دوسرا حصہ: "الا اللہ" کہہ دے تو پتہ چلے گا کہ یہ شخص ایک خدا کو مانتا ہے (اور یہی ایمان ہے)۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: "یہ بتاؤ قتل کا گناہ بڑا ہے یا زنا کا؟

حضرت ابوحنیفہ نے کہا کہ۔ "قتل کا گناہ بڑا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا۔ "یہ بتاؤ پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ قتل کے مسئلے میں صرف دو گواہوں کی گواہی کافی ہوتی ہے لیکن زنا کے معاملے میں چار گواہ ضروری ہیں۔؟

بتاؤ۔ اس سلسلہ تمہارا قیاس کیا کہتا ہے؟

مگر وہ کوئی جواب نہ دے سکے۔ تو امام علیہ السلام نے فرمایا،

اچھا۔ یہ بتاؤ روزہ کا درجہ بڑا ہے یا نماز کا۔؟"

حضرت ابوحنیفہ نے کہا: نماز کا۔ (جسے روزے، اور تمام عبادات سے افضل قرار دیا گیا ہے)

امام علیہ السلام نے فرمایا۔ "بتاؤ، پھر کیا وجہ ہے کہ عورتوں سے حالت حیض میں جو نماز چھوٹ جاتی ہے، پاک ہونے کے بعد اُن نمازوں کی قضا واجب نہیں ہے لیکن حیض کی وجہ سے (ماہ رمضان کے جو روزے چھوٹ جاتے ہیں اُن کی قضا

واجب ہے۔؟

ابن شبرمہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوحنیفہ اس کا کوئی جواب نہ دے سکے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"بندۂ خدا۔ مذہب کی باتوں میں اپنی عقل سے قیاس نہیں کیا جا سکتا)....

کیونکہ روزِ قیامت ہم، تم، اور سب لوگ خداوند عالم کی بارگاہ میں پیش ہوں گے تو ہم لوگ تو (دین کے معاملات کے بارے میں) یہ کہیں گے کہ: خدا و رسولؐ نے یہ فرمایا تھا۔ جب کہ تم اور تمہارے طریقے پر چلنے والے (بہت سے معاملات کے بارے میں) یہ کہیں گے کہ: "ہم نے یہ قیاس کیا" یا ہم نے یہ رائے قائم کی۔

اُس وقت خداوند عالم، ہمارے اور تمہارے بارے میں جو چاہے فیصلہ کرے گا۔

اس کے بعد امام علیہ السلام نے اُن سوالوں کے جوابات بھی بتا دیئے)

"فرمایا کہ:۔ قتل کے معاملے میں دو اور زنا کے مسئلے میں چار گواہ اس لئے ضروری قرار دیئے گئے ہیں، کہ قتل ایک کھلا ہوا کام ہے جس کی گواہی مقتول کا خون اور اس کا بے جان لاشہ بھی دیتا ہے اس لئے فیصلے کے لئے صرف دو گواہ کافی ہیں۔

لیکن زنا میں یہ صورت نہیں ہے بلکہ یہ کام چھپ کر کیا جاتا ہے، اور دو آدمی (کسی شخص سے عداوت کی وجہ سے) اُس کے خلاف زنا کی گواہی دے سکتے ہیں تو خداوندِ عالم نے لوگوں کی عزت کی حفاظت، اور اُن کے عیوب کا پردہ رکھنے کیلئے چار عادل گواہوں کی شرط رکھ دی کہ جب تک "۴" ایسے اشخاص جن کے قول و عمل پر پورا پورا اعتماد ہو، عینی گواہی نہ دیں، اس وقت تک یہ جرم ثابت نہیں ہو سکتا۔

جہاں تک نماز اور روزہ کی قضا کا مسئلہ ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ نماز ہی افضل ہے۔ لیکن نماز تو روزانہ پانچ دفعہ پڑھی جاتی ہے، اب اگر زمانۂ حیض

میں چھوٹنے والی نمازوں کی قضا واجب ہوتی تو عورتوں کیلئے بہت دشواری ہوجاتی کہ پاک ہونے کے بعد ہر مہینے ۷،۸ دن تک پانچ واجب نمازیں بھی پڑھیں، اور زمانۂ حیض کی چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضا بھی پڑھیں برخلاف روزہ کے، جو سال میں صرف ایک ماہ (رمضان المبارک میں) واجب کیا گیا، تو اگر ماہ رمضان المبارک میں، حیض کی وجہ سے عورتوں کے چند روزے چھوٹ گئے، تو باقی گیارہ مہینوں کے دوران جب چاہیں ان روزوں کی قضا پوری کردیں۔

اور سب سے بہتر علم تو خداوند عالم ہی کے پاس ہے۔

(ملاحظہ فرمایئے: حیوۃ الحیوان (دُمیری) مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۸۶)

براداران اہلسنّت کے ایک اور معتبر مؤرخ "ابن خلکان" کے مطابق حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے حضرت ابوحنیفہ سے یہ بھی سوال کیا تھا کہ:

"تم، اُس احرام باندھنے والے شخص کے بارے میں کیا فتویٰ دوگے، جس نے احرام کی حالت میں ہرن کے وہ دانت توڑ ڈالے ہوں جن کو رباعی کہا جاتا ہے۔؟

انہوں نے کہا، فرزندِ رسولؐ — مجھے نہیں معلوم کہ اس مسئلے میں شریعت کا حکم کیا ہے؟

امامؑ نے فرمایا کہ — تم قیاس تو خوب کرتے — یہ بات نہیں جانتے کہ ہرن کے وہ دانت ہوتے ہی نہیں جنھیں رباعی کہا جاتا ہے۔

(ملاحظہ فرمائیں، تاریخ ابن خلکان جلد ۱ ص ۵۱)

باطنی دُنیا کی طرف بیشتر توجہ

قرآن مجید میں خالق دو جہاں کا ارشاد ہے کہ:

سنریھم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق۔

(عنقریب ہم اپنی نشانیاں اُن لوگوں کو آفاق (عالم) میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کی اپنی ذات کے اندر بھی، یہاں تک کہ اُن پر واضح ہو جائے کہ یہی حق ہے)

(سورہ فصلت آیت ۵۳)

جس کے ذیل میں اربابِ تفسیر نے بجا طور پر تحریر فرمایا ہے کہ:

"ہم ہر چیز کا انکار کر سکتے ہیں لیکن اس کائنات میں خود اپنے اندر، اور اپنے باہر ایک منظم اور حیرت انگیز نظام کا انکار نہیں کر سکتے۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ماہرِ فن اور اسپیشلسٹ شخص، آنکھ، دماغ یا دل کی اسرار آمیز بناوٹ کے بارے تحقیقات کرتا ہے، اور اس کے بارے میں لکھی گئی کتابوں کا مطالعہ کرتا ہے، پھر بھی اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اس موضوع کے سلسلہ میں ابھی بہت کچھ تحقیق کرنا باقی ہے۔

(خاص طور سے جسم انسانی کے افعال کو باریک بینی سے سمجھنا کس قدر دشوار ہے، اس کا اندازہ وہ لوگ اچھی طرح کر سکتے ہیں، جو اعضائے جسمانی اور ان کی کارکردگی کی تحقیقات میں وقت صرف کرتے ہیں تو انھیں نظر آتا ہے کہ قدرت نے اسے اپنی تخلیق کا حسین ترین شاہکار بنایا ہے ــــ ایک مختصر مثال پر غور کیجیے):

انسان کی آنکھوں اور منہ میں پانی کے چشمے پھوٹ رہے ہیں جو نہایت ہی لطیف اور باریک سوراخوں سے تمام زندگی مسلسل کام کرتے رہتے ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتے تو انسان میں دیکھنے کی قدرت ہوتی نہ بولنے اور غذا چبانے اور نگلنے کی طاقت۔ بالفاظ دیگر ان دو بظاہر لیکن نہایت اہم چیزوں کے بغیر انسانی زندگی ناممکن تھی۔

اگر آنکھ کی سطح ہمیشہ مرطوب نہ ہو تو اس کے ڈھیلوں کی گردش تکلیف دہ بن جائے بلکہ ناممکن ہو جائے۔ اور جب پلکیں آپس میں ملیں تو اُس کی سطح کو چھیل کر رکھ دیں، بلکہ آنکھ کی حرکت بالکل ہی بند ہو کر رہ جائے۔

اگر زبان، گلا اور منہ مرطوب نہ ہوں تو بات کرنا ناممکن ہو جائے، اور غذا کو نگلنا محال ہو جائے۔ اس کے علاوہ ان گنت فوائد اس رطوبت کے ہیں جن کے بیان کا یہ محل نہیں ہے۔

(مزید تفصیلات کیلئے: تفسیر نمونہ)

انسان کے باطنی اعضا میں ایک ایسا حیرت انگیز میکینکل نظام کام کر رہا ہے، جس کے بارے میں اہلِ سائنس جس قدر معلومات حاصل کرتے جا رہے ہیں، انکی حیرت بڑھتی جا رہی ہے، اور مولاؑ کے اس فرمان پر یقین بڑھتا جا رہا ہے کہ:

اتزعم انك جرم صغير۔ وفيك انطوى العالم الاكبر۔

کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہارا بس ایک چھوٹا سا جسم ہے؟ جبکہ اس کے اندر بہت بڑی دنیا پوشیدہ ہے۔

اور اس اندر کی دنیا میں ایک وصف یہ بھی رکھا گیا ہے کہ اگر کہیں بھی کوئی خرابی ہو تو عموماً کوئی درد یا تکلیف اس کی نشاندہی کر دیتی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ

اگر وہ درد نہ ہوتا تو اس مرض کو بڑھنے، پنپنے، اور خطرناک صورتِ حال اختیار کر لینے کا موقع مل جاتا، اور انسان بے خبر رہتا۔

"میڈیکل سائنس" کا ایک اور نظریہ جو افرد ایشیا اقوام سے گذرتا ہوا یورپ تک پہونچا اور پھر امریکہ کو اس نے اپنے دائرہ اثر میں لے لیا۔

اور جس شخص نے جہاں بھی اس نظریہ کے بارے میں سنا، اس نے فوراً محسوس کیا کہ یہ بات تو بڑی سچی اور بہت دُور رس ہے۔

یہاں تک کہ آج مغربی دنیا کے ایک عظیم، اور کناڈا یونیورسٹی کے معروف پروفیسر جناب "مارشل میک لوھن" نے اسے جسم کی اندرونی دنیا کے اہم ترین قوانین میں سے قرار دیا ہے، وہ نظریہ یہ ہے کہ:

"درد کی صورت میں اندرونی حالت کو سمجھنا زیادہ (آسان) ہوتا ہے"۔

وہ کہتے ہیں کہ صرف درد ہی کی وہ کیفیت ہے جس میں، ہم اپنے جسم کو ہرگز فراموش نہیں کر سکتے ورنہ اگر جسم میں کہیں کوئی تکلیف یا درد نہ ہو تو عین ممکن ہے کہ ہم اپنے کاموں میں اس قدر منہمک اور مصروفیات کے اندر اس قدر غرق ہوں کہ خود کو ہی فراموش کر دیں ــ لیکن یہ درد ہے جو انسان کو موقع نہیں دیتا کہ وہ اپنے آپ کو فراموش کرے۔

اور یہ بات تاریخی طور پر ثابت ہے کہ سب سے پہلے جس ذاتِ گرامی نے بنی نوع انسان کو، اس نظریہ سے روشناس کرایا، وہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ہیں، جنھوں نے فرمایا تھا کہ،

وقتی دچار درد می شوی بھتر بیاد خود می اُفتی

(جب درد (تکلیف) سے دوچار ہوتے ہو تو خود کو زیادہ اچھی طرح

یاد کرتے ہو)۔

امام علیہ السلام کے اس فرمانِ مقدس کو جو عالمگیر شہرت ملی، اور دنیا بھر کے لوگوں نے گویا اسے اپنے دل کی آواز سمجھا، اس کی ایک وجہ تو یہ نظریہ نہایت سادہ، اور دلنشیں انداز سے پیش کیا گیا تھا۔

پھر یہ کہ : یہ بات ایسی ہے جسے ہر شخص خود بھی محسوس کر سکتا ہے، اور جو چاہے اس کا تجربہ بھی اپنی ذات پر بہت آسانی سے کر سکتا ہے۔

وہ خود احساس کرے گا کہ اگر اس کے جسم میں کوئی تکلیف نہ ہو تو بسا اوقات وہ اپنی گوناگوں مصروفیات میں اس طرح اُلجھا ہوا ہوتا ہے کہ اسے اپنا احساس بھی نہیں رہتا۔

لیکن جیسے ہی جسم کے کسی حصّے میں کوئی درد یا کسی قسم کی تکلیف ہوئی، فوراً اپنے جسم کی طرف متوجّہ ہو جاتا ہے۔

(منذر مفکر صفحہ ۱۰۷)

چاہنے والوں کے لئے دستورِ حیات

قرآنِ مجید میں خالقِ دوجہان نے اپنے حبیب، خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا ہے :

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ۔

(آپ ڈرانے والے (پیغمبرؐ) ہیں، اور ہر قوم کیلئے ایک ھادی ہوگا)

(سورہ الرعد آیت ۷)

جس کے ذیل میں اربابِ تفسیر نے لکھا ہے کہ :

جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اکرمؐ نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ :

انا المنذر ولکل قوم ھادٍ واومأ بیدہ الی منکب علیؑ وقال :

انت الھادی یا علیؑ بلک یھتدی المھتدون۔

(منذر (تنبیہ کرنے والا) میں ہوں اور ہر قوم کا ایک ہادی ہوتا ہے، اور اپنے دستِ مبارک سے علیؑ کے کاندھے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ تم ہادی ہو۔ اے علی تمہارے ذریعہ سے ہدایت پانے والے ہدایت حاصل کریں گے)

اس حدیث کی ابنِ عباس، ابو برزہ اسلمی، جابر بن عبداللہ انصاری، ابوفروہ سلمی، یعلی بن مرہ، عبداللہ بن مسعود اور سعد بن معاذ نے روایت کی ہے۔

ملاحظہ ہو المستدرک ۳ ۱۲۹، تفسیر کبیر
تفسیرِ طبری، روح البیان وغیرہ۔

حضرت علیؑ کے بعد امام حسنؑ، ان کے بعد امام حسینؑ، اُن کے بعد امام زین العابدینؑ، انکے بعد امام محمد باقرؑ، اور اُن کی شہادت کے بعد حضرت امام جعفر صادقؑ اس منصب کے ذمہ دار قرار پائے۔

اور ان ہادیانِ برحق نے ہر دور میں، زمانہ کی چیرہ دستیوں کے باوجود ہر طرح کی قربانی دے کر حق کے پیغام کو اس طرح زندہ رکھا کہ باطل کی کوئی آندھی اس چراغ کی روشنی کو نہ ختم کر سکتی ہے نہ کم کر سکتی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے چاہنے والوں کو کس اعلیٰ نصب العین کی ہدایت فرمائی اس کا اندازہ درج ذیل واقعہ سے فرمایئے:

ابن طبال کی روایت ہے: محمد بن معروف ہلالی جو ایک انتہائی سن رسیدہ بزرگ تھے، بیان کرتے تھے کہ:

ابوالعباس سفاح (عباسی حکمران) کا زمانہ تھا، اور حضرت امام جعفر صادقؑ "حیرہ" میں تشریف فرما تھے۔

آپؑ سے ملاقات کیلئے، آنے والوں کا ہجوم اتنا زیادہ تھا کہ میں نے مسلسل تین دن کوشش کی مگر آپ تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

چوتھے دن میں گیا، تو مجمع قدرے کم تھا، اور میں امام علیہ السلام تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔

آپؑ نے مجھے دیکھا تو اپنے قریب بلا لیا۔ اُس وقت آپؑ اپنے جدِّ بزرگوار امیرالمومنین حضرت علیؑ کی زیارت کے لئے (نجف اشرف کی طرف) تشریف لے جا رہے تھے۔

میں بھی آپؑ کے ساتھ روانہ ہو گیا۔

اثنائے راہ آپؑ... آدابِ طہارت وغیرہ کے لئے سڑک کے کنارے

ٹھہرے، زمین سے ریت ہٹائی تو پانی نمودار ہو گیا۔ جس سے آپؑ نے وضو فرمایا۔ دو رکعت نماز پڑھی، دعا کی اور روانہ ہو گئے۔

میں بھی ساتھ ساتھ چل رہا تھا، آپ دورانِ سفر بھی لوگوں کی ہدایت کا فریضہ انجام دیتے جا رہے تھے۔

آپؑ نے فرمایا:

- دریا کا کوئی ہمسایہ نہیں ہوتا۔
- بادشاہ دوست نہیں رکھتا۔
- عافیت کی کوئی قیمت نہیں ہے۔
- کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جو آرام و آسودگی میں ہیں مگر نہیں سمجھتے۔

اس کے بعد فرمایا:

پانچ چیزوں سے اپنا تعلق برقرار رکھو:-

(۱)۔ استخارہ، اور طلبِ خیر کو مقدم قرار دو۔

(۲)۔ (فرصت و) سہولت کو غنیمت سمجھو۔

(۳)۔ اپنے آپ کو حلم و بردباری سے زینت دو۔

(۴)۔ غلط بیانی سے دور رہو۔

(۵)۔ ناپ تول کے پیمانے اور ترازو ٹھیک رکھو۔

پھر فرمایا:

حج کرو۔ قبل اس کے کہ تمہیں روک دیا جائے۔

یہ کہہ کر آپؑ نے خانہ کعبہ کی طرف انگشت مبارک سے اشارہ کیا، اور اور فرمایا کہ:۔

"اس کے اطراف میں ستر ہزار (۷۰،۰۰۰) یا اس سے بھی زیادہ افراد قتل کئے

جائیں گے۔

(بحار الانوار)

محدث جبیر شیخ عباس قمی علیہ الرحمہ نے اس واقعہ کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

امام جعفر صادق علیہ السلام نے جن پانچ باتوں کی اس فرمان گرامی میں ہدایت فرمائی ہے اس میں آپ نے دوسری باتوں کے ساتھ ارباب کسب و تجارت کو مخاطب کر کے آداب بازرگانی تعلیم دیتے ہیں۔

آپ کے جدِ امجد امیر المومنین حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام' اپنے عہدِ حکومت میں جب کوفہ میں زندگی گذار رہے تھے' تو روزانہ اہلِ کوفہ کو اسی قسم کی ہدایات دیا کرتے تھے' چنانچہ شیخ کلینی علیہ الرحمہ نے "کافی" میں جناب جابرؓ سے نقل کیا ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ:

جناب امیر المومنینؑ جس زمانہ میں کوفہ میں تھے' روزانہ (بیت الشرف سے نکل کر) دن کے ابتدائی حصہ میں' کوفہ کے ایک ایک بازار میں تشریف لے جاتے تھے...

اور... فرماتے تھے:

"اے گروہ تجار۔ عذابِ خدا سے ڈرو۔

لوگ جب یہ آواز سنتے تھے' تو جس کے ہاتھ میں جو چیز ہوتی اُسے الگ رکھ کر پوری یکسوئی کے ساتھ امام علیہ السلام کی گفتگو سننے کیلئے گوش برآواز ہو جاتا تھا۔

اُس موقع پر جناب امیرؑ لوگوں کو مخاطب کر کے فرماتے تھے:

- طلبِ خیر کو ہمیشہ مقدم قرار دو۔
- (لوگوں کے ساتھ) اچھا معاملہ کر کے برکت حاصل کرو۔
- خریداروں سے نزدیک رہو (یعنی چیزیں مہنگی نہ بیچو کہ جس قیمت پر خریدار

چاہتا ہے اُس سے دور ہو جائے۔

○- اپنے آپ کو بُردباری کی صفت سے آراستہ کرو۔

○- قسم کھانے سے خود کو بچاؤ۔ (مقصد یہ ہے کہ سچی بات میں بھی قسم نہ کھایا کرو)۔

○- مظلوموں کے ساتھ انصاف کرو۔ (کہ اگر کوئی شخص سودا منسوخ کرنا چاہے تو اس کی بات مان لو)

○- لوگوں پر ستم نہ ڈھاؤ۔

○- سود خوری کے نزدیک بھی نہ جانا۔ یعنی جن چیزوں میں سود کا شبہ بھی ہو ان سے اجتناب کرنا۔

○- ناپ تول کے پیمانے درست رکھنا، ترازو میں نقص نہ ہو، اور لوگوں کو اُن کے حق سے کم نہ دینا۔

○- زمین پر فساد نہ پھیلانا۔

اسی طرح ایک ایک بازار میں جاکر لوگوں کو نصیحت فرماتے تھے ۔۔۔ اور بازار کے معاملات سے فارغ ہونے کے بعد، لوگوں کے درمیان قضاوت کیلئے بیٹھتے تھے (اُن کے باہمی تنازعات کا فیصلہ فرماتے تھے)۔

حوالہ کیلئے ملاحظہ فرمائیے:

کافی جلد ۵، صفحہ ۱۵۱

منتہی الآمال جلد ۲ ص ۲۷۵، ۲۷۶

اسی مناسبت سے، صاحبانِ ایمان کے لئے، مندرجہ ذیل روایت بھی حکمت کا ایک خزینہ ہے۔

حضرت امام جعفرِ صادق علیہ السلام نے اپنے خاص صحابی حمران بن اعین سے (جو خود علم و دانش کے لحاظ سے ایک بلند مرتبہ انسان تھے) فرمایا:

اے حمران ۔۔ اُن لوگوں پر نگاہ نہ رکھا کرو جو مالی اور اقتصادی اعتبار سے تم سے کم ہیں؛ کیونکہ اگر ایسا کرو گے جو کچھ تمہیں میسّر ہے اس کے سلسلے میں زیادہ قناعت پیدا ہو گی۔

اور اپنی روزی میں اضافہ کیلئے پروردگارِ عالم کی بارگاہ میں ہی درخواست کرنا (کیونکہ وہی کارسازِ حقیقی ہے)۔

یاد رکھو کہ وہ عمل جو یقینِ محکم کے ساتھ، مستقل طور پر انجام دیا جائے، اگرچہ کم ہو لیکن خدا کے نزدیک اس کثیر عمل سے بہتر ہے جس کے ساتھ یقین نہ ہو۔

اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو، کہ:

خداوندِ عالم نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے ان سے اجتناب، اور صاحبانِ ایمان کی ایذا رسانی اور ان کی غیبت سے پرہیز سے بڑھ کر کوئی تقویٰ و پرہیزگاری نہیں ہے۔

حُسنِ اخلاق سے بڑھ کر کوئی چیز، زندگی میں، خوشگوار تر نہیں۔

مال کے لحاظ سے، سب سے زیادہ نفع بخش بات یہ ہے کہ جو کچھ بقدرِ حیات حاصل ہے انسان، اُس پر قناعت کرے ۔۔ اور (یہ بات ذہن نشین کر لو) کہ:

تکبّر و خود پسندی سے زیادہ نقصان دہ کوئی جہالت نہیں ہے۔

ملاحظہ فرمائیں:

بحار الانوار جلد ۷۵، صفحہ ۲۴۲
منتہی الآمال جلد ۲ صفحہ ۲۵۳

مذکورہ بالا ہر فقرے میں ہدایتِ بشر کا عظیم الشان سامان موجود ہے جو اگرچہ امامؑ نے اپنے مخصوص صحابی، جنابِ حمران بن اعین سے فرمائے تھے، لیکن رہتی دنیا تک، ان فقروں میں، تمام بنی نوعِ انسان کے قلوب و اذہان کو منوّر کرنے کا جو سامان ہے اُسے اربابِ بصیرت اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔

انسان اگر اپنے سے زیادہ صاحبانِ ثروت پر نگاہ رکھے گا تو احساسِ کمتری کا شکار ہوگا، جبکہ اپنے سے زیادہ مفلوک الحال لوگوں کو دیکھے گا تو جو نعمتیں اسے میسّر ہیں ان پر شکرِ پروردگار ادا کرے گا۔

اگر عمل کے ساتھ ایمان و یقین اور اپنے خالق و مالک پر کامل اعتماد نہ ہو تو اس کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے!

غیبت۔ کو اہلِ جہنم کی غذا بھی کہا گیا ہے اور قرآن نے اس کی مثال یہ بیان کی ہے کہ جیسے کوئی شخص اپنے مرے ہوئے سگے بھائی کے جسم کا گوشت نوچ نوچ کر کھانے کی کوشش کرے! جس قدر وہ عمل گھناؤنا ہے، اسی طرح غیبت کو بھی ایک عملِ شنیع سمجھ کر ترک کر دینا چاہیئے۔

انسان اچھے اخلاق کے ذریعہ سے اپنے بدترین دشمن کے دل میں بھی، اپنے لئے نرم گوشہ پیدا کر سکتا ہے جبکہ بد خلاقی انسان کو پورے معاشرہ سے الگ کر سکتی ہے۔

اگر تھوڑے سے رزق پر دل مطمئن ہو تو وہ اس بڑی دولت سے ہزار گنا بہتر ہے جس کے ساتھ سکونِ قلب میسر نہ ہو۔

سب سے پہلے جو غرور و تکبّر میں مبتلا ہوا وہ ابلیس ہے جو انسان کا سب سے پہلا دشمن ہے، لہٰذا اس کی صفات سے دور رہنا ہی انسانیت کا تقاضہ ہونا چاہیئے۔

دعوائے محبّت بھی اور معصیت بھی!

ہم اپنی روز مرّہ کی زندگی میں اس بات کا بکثرت مشاہدہ کرتے ہیں کہ جو شخص کسی سے محبت کرتا ہے وہ اُس کی خواہش و فرمائش کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور کوئی ایسی بات نہیں کرتا، جو اس کی پسندیدہ شخصیت کی مرضی کے خلاف ہو۔

بلکہ عام طور پر کسی کی محبت کی کسوٹی بھی بات ماننے ہی کو سمجھا جاتا ہے۔

مثال کے طور پر اگر کسی شخص کے کئی بیٹے ہوں، جن میں سے ایک اپنے باپ کا بہت زیادہ فرماں بردار ہو تو سب لوگ یہی محسوس کریں گے اور کہیں گے کہ:

"اس بیٹے کو اپنے باپ سے بہت زیادہ محبّت ہے، اسی لئے اُس کی ہر بات مانتا ہے۔ جبکہ باپ کی بات نہ ماننے والے بیٹے کے بارے میں لوگوں کا یہی فیصلہ ہوگا کہ:

"اسے اپنے باپ سے کوئی محبّت نہیں، جب ہی تو اُس کی بات کو نہیں مانتا۔

قرآن مجید میں خالقِ دوجہاں نے اپنی محبّت کا معیار حضرت رسول خدا کی اطاعت اور اتباع کو قرار دیا ہے، جو حبیب و محبوب کی قربت کو واضح کرنے کیلئے کافی ہے۔

ارشادِ قدرت ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ۔

"(اے پیغمبرؐ!) کہہ دیجئے کہ اگر تم لوگ خدا سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو (میرے نقشِ قدم پر چلو) (سورہ مبارکہ آلِ عمران آیت ۳۱)

جس کے ذیل میں ارباب تفسیر نے بجا طور پر لکھا ہے کہ:

"اس آیت نے تمام دعوے داران محبت کیلئے ایک کسوٹی اور معیار مہیا کر دیا ہے کہ محبت الہی کا طالب اگر حضور اکرمؐ کے اتباع کے ذریعے سے یہ مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے تو پھر تو وہ یقیناً کامیاب ہے اور اپنے دعوے میں سچا بھی ہے، ورنہ اس کے دعوائے محبت کا کوئی اعتبار نہیں ہے"۔ ہمارے آئمہ طاہرین علیہم السلام نے بھی اپنے چاہنے والوں کو تاکید کی ہے کہ: خداوند عالم کی اطاعت کرکے اسکی محبت کا ثبوت دیں۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔

تَعْصِي الْإِلٰهَ وَأَنْتَ تُظْهِرُ حُبَّهٗ

هٰذَا لَعَمْرُكَ فِي الْفِعَالِ بَدِيعٌ

لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَأَطَعْتَهٗ

إِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُحِبُّ مُطِيعٌ!

(تم خدا کی نافرمانی کرتے ہو جبکہ اس سے محبت کا دعویٰ بھی کرتے ہو تمہاری جان کی قسم — یہ عمل بہت ہی حیرت انگیز ہے اگر تمہاری محبت (جس کا تم دعویٰ کرتے ہو) سچی ہوتی تو تم اسکی اطاعت بھی کرتے کیونکہ محبت کرنے والا (شخص) تو جس سے محبت کرتا ہے اسکی بات بھی مانتا ہے۔

(ملاحظہ فرمایئے،
بحار الانوار)

سفیان ثوری کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

اَلْوُقُوْفُ عِنْدَ کُلِّ شُبْہَۃٍ خَیْرٌ مِنَ الْاِقْتِحَامِ فِی الْھَلَکَۃِ۔

(شبہہ کے موقع پر رک جانا، ہلاکت میں کود پڑنے سے بہتر ہے)

تَرْکُ حَدِیْثٍ لَمْ تَرْوِہٖ اَفْضَلُ مِنْ رِوَایَتِکَ حَدِیْثًا لَمْ تُحْصِہٖ

(کسی حدیث کی روایت نہ کرنا زیادہ بہتر ہے ایسی حدیث بیان کرنے سے جس کا حق نہ ادا کر سکو۔)

اِنَّ عَلٰی کُلِّ حَقٍّ حَقِیْقَۃً وَّعَلٰی کُلِّ صَوَابٍ نُوْرًا فَمَا وَافَقَ کِتَابَ اللّٰہِ فَخُذُوْہُ، وَمَا خَالَفَہٗ فَدَعُوْہُ۔

(بیشک ہر حق کے اوپر ایک حقیقت ہے اور ہر صحیح بات پر نور (کی تابانی) ہے تو جو باتیں خدا کی کتاب (قرآن مجید) کے موافق ہوں وہ لے لو، اور اس کے خلاف ہوں، انھیں چھوڑ دو)

ثَلَاثَۃٌ یَجِبُ لَھُمُ الرَّحْمَۃُ: غَنِیٌّ اِفْتَقَرَ وَعَزِیْزُ قَوْمٍ ذَلَّ وَ عَالِمٌ تَلَاعَبَ بِہِ الْجُھَّالُ۔

(تین (قسم کے) لوگ لازماً قابلِ رحم ہیں:
(۱):- وہ مالدار، جو محتاج ہو جائے، (۲):- قوم کا معزز شخص جسے ذلّت کا سامنا کرنا پڑے۔ (۳):- وہ عالم، جو جاہلوں کے ہاتھ میں کھلونا بنا ہوا ہو)۔

مَنْ اَخْرَجَهُ اللّٰهُ مِنْ ذُلِّ الْمَعَاصِيْ اِلٰى عِزِّ التَّقْوٰى اَغْنَاهُ اللّٰهُ بِغَيْرِ مَالٍ وَاَعَزَّهُ اللّٰهُ بِغَيْرِ عَشِيْرَةٍ۔
(جس شخص کو خداوند عالم نے گناہوں کی ذلّت سے نکال کر تقویٰ و پرہیزگاری کی عزّت عطا کر دی، اُسے (درحقیقت) مال کے بغیر ہی بے نیاز بنا دیا۔ اور قبیلہ و خاندان کے بغیر ہی باوقار بنا دیا۔)

مَنْ خَافَ اللّٰهَ اَخَافَ اللّٰهُ مِنْهُ كُلَّ شَيْءٍ، وَمَنْ لَمْ يَخِفِ اللّٰهَ، اَخَافَهُ اللّٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ۔
(جو خدا سے ڈرے، خداوند عالم ہر ایک چیز کو اس سے خوفزدہ رکھتا ہے اور جو شخص خداوندِ عالم سے نہیں ڈرتا، خداوندِ عالم اسے، ہر چیز سے ڈراتا ہے۔

مَنْ رَضِيَ مِنَ اللّٰهِ بِالْيَسِيْرِ مِنَ الرِّزْقِ، رَضِيَ مِنْهُ بِالْيَسِيْرِ مِنَ الْعَمَلِ۔
(جو شخص خداوندِ عالم کے (عطا کردہ) مختصر رزق پر راضی ہو، خداوندِ عالم اُس کے مختصر عمل سے راضی رہتا ہے۔

مَنْ لَمْ یَسْتَحِ مِنْ طَلَبِ الحَلَالِ خَفَّتْ مَؤُنَتُہٗ وَنَعِیمَ اَھْلُہٗ۔

(جو رزقِ حلال کی تلاش میں شرم محسوس نہ کرے اس کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے' اس کے گھر والے نعمتوں (سے مالا مال) ہوتے ہیں)۔

مَنْ زَھِدَ فِی الدُّنْیَا اَثْبَتَ اللّٰہُ الْحِکْمَۃَ فِی قَلْبِہٖ' فَاَطْلَقَ بِسَانَہٗ مِنْ اُمُوْرِ الدُّنْیَا دَاءَھَا وَدَوَاءَھَا' وَاَخْرَجَہٗ مِنْھَا سَالِمًا۔

(جو شخص دنیا میں زھد (و پارسائی) اختیار کرتا ہے' خداوندِ عالم اُس کے دل میں حکمت کو راسخ کر دیتا ہے' پھر اُس کی زبان دُنیا کے (تمام) معاملات میں کشادہ ہو جاتی ہے' وہ یہاں کے امراض اور اُنکی دواؤں (کو خوب اچھی طرح بیان کرنے لگتا ہے) اور یہاں سے سلامتی کے ساتھ اسے نکال لیتا ہے)

مَا اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلٰی عَبْدِہٖ نِعْمَۃً فَعَرَفَھَا بِقَلْبِہٖ وَشَکَرَھَا بِلِسَانِہٖ اِلَّا اَعْطٰی خَیْرًا مِمَّا اَخَذَ۔

(خداوندِ عالم اپنے بندے کو جو نعمت عطا کرے' اگر اُسے وہ دل سے پہچانے اور زبان سے اُس کا شکر ادا کرے' تو جو کچھ اُسے ملا ہے' اس سے بہتر (مزید) عطا کیا جائے گا)

خَلَّتَانِ مَنْ لَزِمَھُمَا دَخَلَ الْجَنَّۃَ' فَقِیْلَ: وَمَا ھُمَا؟ ـــ قَالَ: اِحْتِمَالُ مَا تَکْرَہُ اِذَا اَحَبَّہُ اللّٰہُ' وَتَرْکُ مَا تُحِبُّ' اِذَا کَرِھَہُ اللّٰہُ۔ فَقِیْلَ لَہٗ: مَنْ یُطِیْقُ ذٰلِکَ؟ فَقَالَ مَنْ ھَرَبَ مِنَ النَّارِ اِلَی الْجَنَّۃِ۔

(دو باتیں ایسی ہیں کہ جو ان کا پابند ہوگا، وہ جنت میں جائے گا۔
کسی نے پوچھا: وہ دو باتیں کون سی ہیں؟
فرمایا کہ: — کسی ایسی بات کو برداشت کرنا جو خدا کو پسند ہو لیکن تمہارے دل پر گراں گذرے، اور کسی ایسی چیز کو ترک کر دینا جو دل کو پسند ہو لیکن خدا کو ناپسند ہو۔
پوچھنے والے نے عرض کیا: — کون لوگ اس کی طاقت رکھتے ہیں —؟
فرمایا: — وہ جو جہنم سے بھاگ کر جنت کی طرف جانا چاہتے ہیں)

❀

فِعلُ المَعرُوفِ یَمنَعُ مِیتَةَ السُّوءِ وَالصَّدَقَةُ تُطفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَصِلَةُ الرَّحِمِ تَزِیدُ فِی العُمرِ، وَتَنفِی الفَقرَ، وَقَولُ لَاحَولَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ کَنزٌ مِن کُنُوزِ الجَنَّةِ۔

(عمل نیک، بری موت سے بچاتا ہے، صدقہ خدا کی ناراضگی (کی آگ) کو بجھاتا ہے، صلہ رحم سے زندگی میں اضافہ ہوتا ہے اور محتاجی دور ہوتی ہے اور یہ جملہ کہ: "ہر قوت و طاقت کا سرچشمہ خدا ہی ہے۔" جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے)

❀

لَا تُخَالِطَنَّ مِنَ النَّاسِ خَمسَةً: — الاَحمَقَ، فَاِنَّهُ یُرِیدُ اَن یَنفَعَكَ فَیَضُرُّكَ — الکَذَّابَ، فَاِنَّ کَلَامَهُ کَالسَّرَابِ، یُقَرِّبُ مِنكَ البَعِیدَ وَیُبَاعِدُ عَنكَ القَرِیبَ. وَالفَاسِقَ فَاِنَّهُ یَبِیعُكَ بِاُکلَةٍ اَو شَربَةٍ — وَالبَخِیلَ، فَاِنَّهُ یَخذُلُكَ اَحوَجُ

مَا تَكُوْنُ اِلَيْهِ ــ وَالْجَبَانَ، فَاِنَّهُ يُسْلِمُكَ وَيَسْلَمُ الدِّيَةَ ـ

(لوگوں میں سے پانچ (قسم کے افراد) سے تعلقات نہ رکھنا:

(۱) :۔ احمق، جو اگر تمہیں نفع پہونچانا چاہے تو بھی) اپنی کم عقلی کی وجہ سے

نقصان پہونچا دے گا۔

(۲) :۔ جھوٹا، کیونکہ اس کی باتیں سراب کی طرح ہیں، دور دراز کو تمہارے نزدیک

قرار دے گا اور نزدیک کو تم سے دور کر دے گا۔

(۳) :۔ فاسق، جو ایک (وقت کے) کھانے پانی کے عوض تمہارا سودا کر لے گا۔

(۴) :۔ بخیل، کیونکہ جب تمہیں اسکی بہت زیادہ ضرورت ہوگی تو تمہارا ساتھ چھوڑ دیگا۔

(۵) :۔ بزدل :۔ کیونکہ وہ (تمہیں پریشانیوں میں) ڈال کر چھوڑ دے گا۔۔۔ اور اگر

تم قتل ہو گئے تو) تمہارا خوں بہا وصول کرے گا۔

مَنْ غَضِبَ عَلَيْكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَلَمْ يَقُلْ فِيْكَ سُوْءًا فَاتَّخِذْهُ لَكَ خِلًّا، وَمَنْ اَرَادَ اَنْ تَصْفُوَ لَهُ مَوَدَّةُ اَخِيْهِ فَلَا يُمَازِحَنَّهُ وَلَا يُمَارِيَنَّهُ، وَلَا يَعِدُهُ مِيْعَادًا فَيُخْلِفُهُ۔

(جو شخص تین بار تم پر غضبناک ہونے کے باوجود تمہارے بارے میں

کوئی بری بات نہ کہے، اسے اپنا دوست بنا لو۔

اور جس کی محبت کو خالص رکھنا چاہتے ہو، اس کے ساتھ ہیر پھیر نہ کرنا

(بیجا) مذاق نہ کرنا، اور نہ اس سے کوئی وعدہ کر کے وعدہ خلافی کرنا)

(تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۲۵ تا ۱۲۷)

عزّتِ نفس کی حفاظت کرو

خالقِ دوجہاں نے اُن لوگوں کی توصیف کی ہے، جو اپنی حاجت کو مخفی رکھتے ہیں اور لوگوں کے سامنے اُس کے اظہار سے اجتناب کرتے ہیں۔

ارشادِ قدرت ہے:

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ، لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ، يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ، تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ، لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا...

(اُن تنگدست افراد کیلئے جو اللہ کی راہ میں، محصور ہو چکے ہوں کہ رُوئے زمین پر سفر نہ کر سکیں۔ اُن لوگوں کی خودداری کی وجہ سے، ناواقف لوگ انہیں دولت مند سمجھتے ہیں، تم اُن کو قیافہ سے پہچان لوگے ـــ وہ لوگوں سے لپٹ کر (اصرار کر کے) سوال نہیں کرتے)۔

(سورہ البقرہ آیت ۲۷۳)

جس کے بارے میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ: "یہ آیت اصحابِ صُفّہ کے بارے میں نازل ہوئی۔"

(یہ تقریباً چار سو افراد تھے، اُن کا تعلق مکّہ اور اطرافِ مدینہ سے تھا، مدینہ میں اُن کا کوئی گھر اور رشتہ دار نہ تھا، اس لئے وہ لوگ مسجدِ نبویؐ میں ہی رہائش پذیر تھے، اور انہوں نے ہر جہادِ اسلامی میں شرکت کیلئے اپنی آمادگی کا اعلان کر رکھا تھا۔)

ان لوگوں کی دیگر خصوصیات کے ساتھ، قرآن مجید نے ایک اہم خصوصیت

یہ بیان کی ہے کہ:

"ان لوگوں کی خودداری، عزت نفس کی حفاظت، اور آبرومندانہ زندگی گذارنے کی عادت کی وجہ سے لوگ ان کو خوشحال سمجھتے ہیں۔"

اس فقرے سے یہ بات بخوبی سمجھی جاسکتی ہے کہ خودداری اور عزتِ نفس کی حفاظت نگاہِ قدرت میں انتہائی پسندیدہ ہے، اور انسان اندرونی طور پر چاہے فقر و فاقہ کا شکار ہو، لیکن اُسے اپنی ظاہری حالت ایسی رکھنی چاہیئے کہ لوگ اُسے دولت مند اور خوشحال سمجھیں۔ (تفصیل کیلئے دیکھئے: تفسیر نمونہ وغیرہ)

چنانچہ ہمارے ائمہ طاہرین علیہم السلام نے اپنے چاہنے کو بھی ہدایت فرمائی کہ وہ اپنے طرزِ عمل کو ایسا بنائیں کہ لوگوں کو اُن کی حاجت مندی کی خبر نہ ہونے پائے ورنہ انکی عزت و منزلت میں کمی آجائے گی۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل واقعہ قابلِ توجہ ہے:

عباس بن عامر کی روایت ہے انہوں نے مفضل بن قیس بن رمانہ سے نقل کیا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ:

"میں ایک روز حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، اُن سے اپنی بعض مشکلات کا تذکرہ کیا، اور دعا کی التماس کی۔

میری گفتگو سن کر امام علیہ السلام نے کنیز کو آواز دی اور فرمایا کہ "وہ تھیلی لاؤ جو ابوجعفر نے ہمارے پاس پہونچائی تھی۔

کنیز تھیلی لائی تو امام علیہ السلام نے وہ مجھے دی اور فرمایا کہ:

"اس میں چار سو دینار ہیں۔ انھیں اپنی ضروریات میں خرچ کرو۔

میں نے کہا: فرزندِ رسولؐ میرا یہ مقصد نہیں تھا۔ میں تو صرف آپکی دُعا چاہتا ہوں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

(اسے لے لو) اور میں تمہارے لئے دعا بھی کروں گا۔ البتہ (یہ نصیحت بھی سن لو کہ) لوگوں کو اپنی پریشانیوں سے باخبر نہ ہونے دینا، ورنہ اُن کی نگاہوں میں تمہاری عزت کم ہوجائے گی۔

(ملاحظہ فرمائیں:
رجال کشی ص۱۲۱، بحارالانوار ۴۷: ۳۳، ۳۵)

دشمن کے ساتھ بھی دغابازی نہ کرو

"دھوکہ دہی" اور "دغابازی" وہ مذموم صفت ہے جو نہ صرف انسانی نقطۂ نظر سے انتہائی معیوب ہے، بلکہ خدا و رسولؐ نے اس کی انتہائی شدید الفاظ میں مذمت کی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مشہور فرمان ہے کہ:

مَنْ غَشَّنَا فَلَیْسَ مِنَّا۔ (جو دھوکہ دہی کرتا ہے۔ وہ ہم میں سے نہیں ہے۔)

اور وہ کفار و منافقین جو سرکارِ رسالتمآبؐ کے ساتھ دھوکہ دہی کرنا چاہتے تھے ان کے بارے میں پروردگارِ عالم نے اعلان فرما دیا کہ اے حبیب! جو لوگ بھی آپؐ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں، وہ سمجھ لیں کہ آپؐ کی نصرت کیلئے خدا کافی ہے۔

ارشادِ قدرت ہے:

وَاِنْ یُّرِیْدُوْا اَنْ یَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ، هُوَ الَّذِیْ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ۔

(اور اگر وہ لوگ ارادہ کر رہے ہیں کہ آپؐ کے ساتھ دغابازی کریں تو آپ (کی مدد) کیلئے اللہ کافی ہے، اسی نے اپنی نصرت اور صاحبانِ ایمان کے ذریعہ آپؐ کی تائید فرمائی ہے)

(سورۂ انفال آیت ۶۲)

بلکہ قرآن مجید کی متعدد آیات میں دغابازی اور دھوکہ دہی کو منافقین کی علامت قرار دیا گیا ہے۔

ارشادِ قدرت ہے:

يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا ۚ وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۔

(وہ لوگ خداوندِ عالم، اور صاحبانِ ایمان کو دھوکہ دینا چاہتے) ہیں۔ حالانکہ وہ لوگ صرف اپنے آپ ہی کو دھوکہ دیتے ہیں اور سمجھتے نہیں)

(سورہ البقرہ ۲ آیت ۹)

حضراتِ اہلبیت طاہرین علیہم السلام نے اسے انتہائی ناپسندیدہ قرار دیا ہے اور اپنے بدترین دشمنوں کو بھی دھوکہ دینے کی کبھی اجازت نہیں دی، بلکہ اپنے ساتھیوں پر واضح کر دیا کہ نہ ہم کسی کو دھوکہ دے سکتے ہیں، نہ دھوکہ دینا پسند کرتے ہیں، چنانچہ علی بن ابراہیم کی روایت ہے.... ابوالصباح کنعانی (جو کوفہ کے رہنے والے تھے) کہتے ہیں کہ:

میں جب مدینہ منورہ گیا تو میں) نے امام جعفرِ صادق سے عرض کیا کہ ہمارا ایک پڑوسی ہے۔ ہمدان کا رہنے والا ہے، اُس کا نام جعد بن عبداللہ ہے، ہم لوگوں کے پاس آکر بیٹھتا ہے۔ اور جب ہم امیرالمومنینؑ کا ذکر کرتے ہیں تو تو وہ اُن کے خلاف بدگوئی کرتا ہے۔ کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں اُس کے خلاف کوئی اقدام کروں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: "کیا تم اُس کے خلاف (کوئی قدم اُٹھا) سکتے ہو۔؟

میں نے عرض کیا:۔ جی ہاں۔ اگر آپ نے اجازت دے دی تو میں

اُس کی گھات میں رہوں گا۔ اور جب وہ میرے اختیار میں آجائے گا تو اُس پر تلوار سونت کر اُس کا کام تمام کر دوں گا۔!

امامؑ نے فرمایا :- اے ابوالصباح ۔ یہ دھوکہ بازی ہے اور حضرت رسولخداؐ نے ایسے مذموم افعال سے منع کیا ہے۔

یاد رکھو۔ اسلام نے دغابازی کی کوئی گنجائش نہیں رکھی ہے۔ تم اُسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ قدرت کی طرف سے اس کا علاج ہو جائے گا۔

ابوالصباح کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد میں کوفہ واپس آگیا۔

مجھے یہاں آئے ہوئے اٹھارہ دن گذرے تھے، اور میں صبح کی نماز مسجد میں ادا کرنے کے بعد واپس آرہا تھا کہ کسی شخص نے .. مجھ سے کہا۔

"اے ابوالصباح :۔ تمہارے لئے خوشخبری ہے!

میں نے کہا :۔ تمھیں بھی اللہ اچھی خبر سُنائے، کیا خوشخبری (لائے ہو)۔

بتایا کہ : جعد بن عبداللہ، گذشتہ شب اپنے گھر میں تھا جو جبانہ میں ہے۔ جب صبح کو نماز کے وقت لوگوں نے اسے جگانا چاہا تو دیکھا کہ وہ مرا ہوا پڑا ہے اور اسکا پورا جسم پوری طرح پھولا ہوا ہے۔

پھر جب اُن لوگوں نے (اس کی لاش) اٹھانی چاہی تو اُس کی ہڈیوں سے گوشت کے ٹکڑے جدا ہو کر زمین پر گرنے لگے جسے اُن لوگوں نے ایک کھال کے اندر اکٹھا کیا ہے.... اور اب اُسے دفن کرنے لے جایا جا رہا ہے!

(ملاحظہ فرمایئے :

"اثبات الھداۃ" جلد ۵ صفحہ ۳۵۰، ۳۵۱)

عصرِ حاضر میں، چھپ کر دشمن پر حملہ کرنا ایک ہنر قرار دے دیا گیا ہے۔

یہاں تک کہ بہت سے کلمہ گو مسلمان بھی، جن کے پیغمبرؐ نے اس قسم کے عمل کو انتہائی ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔ اس عملِ شنیع کے مرتکب نظر آتے ہیں اور اسے شجاعت و بہادری قرار دیتے ہیں۔

اور انتہا تو یہ ہے کہ حضرات اہلبیت طاہرین علیہم السلام سے عقیدت کا اظہار کرنے والوں میں بھی اب ایسے لوگ سر اُبھار رہے ہیں جو دھوکہ دہی سے کسی دشمن کو ختم کرنا اپنے ایمان کا تقاضہ قرار دیتے ہیں اور جو لوگ انھیں اس طرزِ عمل سے روکنے کی کوشش کریں، انھیں بزدل سمجھتے ہیں۔!

ایسے تمام لوگوں کو چاہیئے کہ ائمہ طاہرین علیہم السلام کی حیاتِ طیبہ کا پورے فکر و شعور سے مطالعہ کریں اور اس بات پر غور کریں کہ اُن ہادیانِ برحق نے اپنے چاہنے والوں کو ہدایات دی ہیں۔

زیرِ نظر واقعہ میں یہ وضاحت موجود ہے کہ:

ابو الصباح، اس شخص کو پہچانتے تھے جو اُن کے سامنے اُن کے آقا و مولا جنابِ امیر المومنینؑ کو نامناسب کلمات سے یاد کرتا تھا۔

ابو الصباح اگر چاہتے تو چھپ کر اس شخص کو گزند پہنچا سکتے تھے لیکن انہوں نے اپنی شرعی ذمہ داری سمجھی کہ کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے دین و مذہب کے ذمہ دار حضرات سے دریافت کر لینا چاہیئے۔

چنانچہ انہوں نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے دریافت کیا اور امام علیہ السلام نے صاف لفظوں میں منع کر دیا کہ "یہ دھوکہ بازی ہے اور پیغمبر اکرمؐ نے اسے سختی سے منع کیا ہے۔

جس کے بعد ابو الصباح نے کوئی اقدام نہیں کیا۔ یہاں تک کہ وہ دشمنِ خدا و رسولؐ جو جنابِ امیرؑ کو نازیبا باتیں کہتا تھا خود ہی داخلِ جہنم ہو گیا۔

صدقہ دیکر اپنے رزق میں اضافہ کرو

راہِ خدا میں خرچ کرنا نگاہِ قدرت میں اس قدر پسندیدہ عمل ہے کہ اُسے متقین کی بنیادی صفت قرار دیا گیا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں بالکل ابتداء ہی سے ارشادِ قدرت ہے:

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۔

(یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں، اُن پرہیزگاروں کیلئے سرچشمہ ہدایت ہے جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں، نماز کو قائم کرتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے دیا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں)

(سورہ البقرہ آیت ۲-۳)

اور جو لوگ اس عملِ خیر کو انجام دیتے ہیں ان کے درجات کی بلندی کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔

(جو لوگ اپنے مال، رات دن، مخفی طور پر (بھی) اور علانیہ (بھی) خرچ کرتے ہیں اُن کیلئے اُن کے پروردگار کے پاس اجر و ثواب ہے، ان لوگوں پر (روزِ قیامت) نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمزدہ ہونگے)

(سورہ البقرہ آیت ۲۷۴)

69

اور اس سے حاصل ہونے والی برکتوں کو مالکِ دوجہاں نے بارانِ رحمت سے تشبیہ دی ہے جو زمین کی حیاتِ نو کا باعث بھی ہوتی ہے سبزوں کو روئیدگی پر عطا کرتی ہے۔ چمن میں بہار بھی لاتی ہے کھیتوں کو شاداب بھی کرتی ہے اور باغات کو میووں سے مالا مال بھی!

ارشادِ قدرت ہے:

وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَثْبِيتًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَآتَتْ أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَإِن لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ

اور ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال کو خداوندِ عالم کی خوشنودی کی طلب میں، دل کی خوشی اور یقین کے ساتھ خرچ کرتے ہیں، اُس باغ جیسی ہے جو کسی اونچی جگہ پر ہو اور اس پر زوردار بارش برسے جس کے نتیجے میں وہ دوگنا پھل لائے، اور اگر اس پر زوردار بارش نہ بھی پہنچے تو ہلکی بارش (ہی کافی ہے) اور تم لوگ جو کچھ کرتے ہو، خدا اسے دیکھنے والا ہے)۔ (" " آیت ۲۶۵)

❁

حضرت ائمہ طاہرین علیہم السلام نے اپنے ماننے والوں کو صدقہ و خیرات کی خصوصی تاکید بھی فرمائی، اور اس کا بے مثال عملی نمونہ بھی پیش کیا۔ چنانچہ ـــ علی بن دہبان نے اپنے عم محترم ہارون بن عیسیٰ سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے فرزند محمدؐ سے فرمایا:
اخراجات کیلئے جو رقم رکھی تھی، اس میں سے اب کتنی تمہارے پاس باقی

رہ گئی ہے۔؟

محمدؔ نے کہا، چالیس دینار۔

امامؑ نے فرمایا: اسے لاؤ اور خدا کی راہ میں صدقہ کر دو۔

محمدؔ نے عرض کیا کہ:۔ اس کے بعد ہمارے پاس کچھ بھی نہیں بچے گا۔؟

امامؑ نے فرمایا:۔ اُسے خدا کی راہ میں صدقہ کر دو، پروردگار عالم تمہیں اسکے عوض (مزید) عطا فرمائے گا۔ کیا تمہیں یہ بات معلوم نہیں ہے کہ (جس طرح) ہر چیز کی مفتاح ہوتی ہے، (اسی طرح) رزق کی مفتاح (چابی)۔ صدقہ ہے، لہٰذا صدقہ (کرتے رہا) کرو۔

محمدؔ نے امام علیہ السلام کی ہدایت پر عمل کیا۔

اس واقعے کے صرف دس دن بعد امام علیہ السلام کے پاس کسی جگہ سے چار ہزار دینار آئے تو امامؑ نے محمدؔ سے فرمایا:

"اے نورِ نظر۔ (دیکھو) ہم نے خدا کی راہ میں چالیس دینار دیئے تھے، اور خداوند عالم نے ہم لوگوں کو چار ہزار دینار عطا فرما دیئے۔

ملاحظہ فرمائیں: کافی۔ شیخ کلینیؒ

امام جعفر صادق علیہ السلام کا مذکورہ بالا فرمان، مکمل طور پر قرآن مجید کی اس آیت کی عملی تفسیر نظر آتا ہے، جس میں خداوند عالم نے یہ اعلان فرما دیا ہے کہ بندے اس کی راہ میں جو بھی خرچ کریں گے، اس کا انھیں پورا پورا عوض دیا جائے گا۔

ارشادِ قدرت ہے:

وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ۔

(اور تم لوگ جو کچھ بھی (اُس کی راہ میں) خرچ کرو گے' وہ اس کا پورا پورا عوض تمہیں عطا کرے گا — اور وہ سب سے اچھا رزق عطا کرنے والا ہے)

(سورہ مبارکہ "سبا" آیت ۳۹)

آیت کے الفاظ ہیں' "فَهُوَ يُخْلِفُهٗ" — یہ باب اِخلاف سے ہے. (اخلف یخلف اِخلافا) عربی زبان میں "اِخلاف" کا مطلب ہے: عوض اور بدلہ دینا۔

یہ عوض اور بدلہ دنیا میں بھی ممکن ہے — جبکہ آخرت میں تو یقینی ہے۔

حدیثِ قدسی میں ارشادِ قدرت ہے:

اَنْفِقْ' اُنْفِقْ عَلَيْكَ — (تم خرچ کرو' میں تم پر خرچ کروں گا' عوض دوں گا) —

روایات میں یہ بھی منقول ہے کہ: دو فرشتے ہر روز اعلان کرتے ہیں — ایک کہتا ہے:

اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا — (خداوندا' خرچ نہ کرنے والے کے مال کو تلف کر دے)

اور دوسرا فرشتہ کہتا ہے: اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا — (خداوندا — خرچ کرنے والے کو (اس کا) عوض عطا فرما۔

مذکورہ بالا روایات' اور اسی مضمون کی دوسری احادیث برادرانِ اہلسنت کی معتبر اور مستند کتابوں میں بھی موجود ہیں۔

ملاحظہ فرمایئے: صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ (وغیرہ)

مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی مزدوری ادا کردو

دُنیا کے حالات پر نظر رکھنے والے حضرات' اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ انیسویں صدی عیسوی تک، نہ تو مزدور کی مزدوری کے بارے میں انسانی ذہن اتنا بیدار ہوا تھا' اور نہ خود انسان کی قدر و قیمت کا' صحیح معنوں میں احساس کیا جاتا تھا۔

بلکہ مغربی دنیا کے حالات سے واقفیت رکھنے والوں سے یہ بات بھی مخفی نہیں کہ ان لوگوں نے مشرقی اقوام کے ساتھ جانوروں جیسا سلوک روا رکھا۔

آج مغربی دُنیا کے بیشتر ممالک میں جو' سیاہ فام نظر آتے ہیں' ان کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو یہ بات بالکل واضح ہے کہ مغربی اقوام نے اپنی قوت کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے بیشتر افریقی ممالک پر حملہ کیا' اور وہاں کے سیاہ فام افراد کو غلام بنا کر اپنے ممالک میں لے گئے۔ اُن سے جبراً مشقت لی جاتی تھی' اُن کے ساتھ غیر انسانی سلوک کیا جاتا تھا' اُن پر وحشی درندوں کو چھوڑ دیا جاتا تھا' اور اُن کی معمولی فروگذاشتوں پر اُن پر انتہائی سخت جسمانی تشدد کیا جاتا تھا۔

جبکہ اسلام کی تاریخ دیکھی جائے تو نظر آئے گا کہ حبش سے آنے والے سیاہ فام جناب بلالؓ نے اسلام قبول کیا تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اپنا خاص مؤذن مقرر کیا۔

حالانکہ اُن کا تلفظ نہ زیادہ خوبصورت تھا۔ نہ مخارج کی بہت زیادہ صحت کا

ثبوت ملتا ہے، بلکہ یہ بات معروف ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے شکوہ کیا کہ بلال جب "ش" ادا کرنا چاہتے ہیں تو اُن کے منہ سے "س" کی آواز نکلتی ہے؛ تو حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ :

بلال کی "س" ۔ خدا کے نزدیک "ش" جیسی ہے

(نقل بالمعنی)

اسی طرح مزدوروں کے ساتھ پیغمبر اکرمؐ اور اُن کے اہلبیت طاہرینؑ نے جو مثالی سلوک فرمایا ہے، اُس کا اس سے قبل تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا اور آج جو عالمِ اسلام میں یہ بات معروف ہے کہ : "مزدور کو اُس کا پسینہ خشک ہونے سے قبل مزدوری دے دو۔" اس کی بنیاد بھی، خاندانِ رسالت کی ایک عظیم المرتبت شخصیت، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ایک فرمانِ گرامی ہے۔ جس کے بارے میں :

شعیب کی روایت ہے کہ :

"میں نے کچھ لوگوں کو اُجرت پر بلایا کہ وہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے باغ میں بعض خدمات انجام دیں۔

اُن لوگوں سے، عصر کے وقت تک کام کرنے کا معاہدہ ہوا تھا۔

جیسے ہی وہ لوگ کام سے فارغ ہوئے، امام علیہ السلام نے اپنے خدمتگار معتب سے فرمایا کہ : "ان لوگوں کی مزدوری ان کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دو۔"

حوالہ کیلئے ملاحظہ فرمائیے: کافی (شیخ کلینی علیہ الرحمہ) ۵: ۲۸۹
منتہی الآمال ج ۲: ۲۳۹

اس جگہ یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہیئے کہ بیسویں صدی کے اوائل میں روس میں جو انقلاب آیا اس کا نعرہ "مزدوروں کے حقوق" ہی سے متعلق تھا، اور "سوویت یونین" کے حکمران دنیا بھر کے لوگوں کو یہ باور کراتے تھے کہ وہ مزدوروں کو ان کے حقوق دلوانا چاہتے ہیں، لیکن یہ بھی تاریخ کی ایک اندوہناک حقیقت ہے کہ جب تک "سوویت یونین" قائم رہی، وہاں کے مزدوروں نے انتہائی ناگفتہ بہ زندگی گذاری، یہاں تک کہ گوربا چوف کے زمانہ میں "سوویت یونین" کا خاتمہ ہوگیا اور رہبر کبیر انقلاب اسلامی آقائے خمینی علیہ الرحمہ کی وہ پیشین گوئی پوری ہوئی جس میں آپ نے گوربا چوف کو لکھا تھا کہ :

"دنیا عنقریب تمہارے کمیونسٹ نظام کی پامالی کا نقشہ دیکھے گی۔"

امام علیہ السلام کی شہادت

مشہور و معروف قول کے مطابق آپؑ کی شہادت ماہ شوال المکرم ۱۴۸ھ میں ہوئی

جیسا کہ شیخ مفید الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے کہ:

وَمَضٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ شَوَّالٍ مِنْ سَنَةِ ثَمَانٍ وَاَرْبَعِيْنَ وَمِائَةٍ وَلَهٗ خَمْسٌ وَسِتُّوْنَ سَنَةً وَدُفِنَ بِالْبَقِيْعِ معه اَبِيْهِ وَجَدِّهٖ وَعَمِّهِ الْحَسَنِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ۔

آپؑ نے ماہ شوال ۱۴۸ ہجری میں سفر آخرت اختیار کیا، اس وقت آپ کی عمر مبارک ۶۵ سال تھی، اور آپ کو جنت البقیع میں آپؑ کے والد، دادا، اور ان کے چچا امام حسن علیہ السلام کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

(ارشاد شیخ مفید صفحہ ۳۰۳)

ہمارے سب سے بلند مرتبہ محدث ثقۃ الاسلام ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی علیہ الرحمہ کی عبارت بھی اسی سے ملتی جلتی ہے آپ نے لکھا ہے کہ:

وُلِدَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ سَنَةَ ثَلَاثٍ وَثَمَانِيْنَ وَمَضٰى فِيْ شَوَّالٍ مِنْ سَنَةِ ثَمَانٍ وَاَرْبَعِيْنَ وَمِائَةٍ وَلَهٗ خَمْسٌ وَسِتُّوْنَ سَنَةً وَدُفِنَ بِالْبَقِيْعِ، وَاُمُّهٗ اُمُّ فَرْوَةَ بِنْتُ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ۔

(حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی ۸۳ھ ہجری میں

ولادت باسعادت ہوئی اور ۶۵ سال کی عمر میں ۱۴۸ھ میں شوال کے مہینے میں آپ دنیا سے تشریف لے گئے، اور جنت البقیع میں آپ کو دفن کیا گیا۔

آپ کی والدۂ ماجدہ کا نام امّ فروہ بنت قاسم بن محمد ہے۔

(ملاحظہ فرمایئے "کافی" جلد ۱ صفحہ ۴۷۲)

ہمارے نہایت بلند مرتبہ عالم دین، جناب شہید اوّل کی عبارت ہے۔

وُلِدَ بِالْمَدِيْنَةِ ... سَابِعَ عَشَرَ شَهْرِ رَبِيْعِ الْأَوَّلِ سَنَةَ ثَلَاثٍ وَثَمَانِيْنَ وَقُبِضَ بِهَا فِي شَوَّال۔

(مدینہ منوّرہ میں ۱۷ ربیع الاول ۸۳ ہجری کو آپ کی ولادت باسعادت ہوئی، اور مدینہ میں ہی ماہ شوال میں آپ نے عالم آخرت کی طرف سفر کیا)

(ملاحظہ فرمایئے کتاب: الدروس صفحہ ۱۵۲)

صاحب روضۃ الواعظین نے لکھا ہے کہ

قُبِضَ فِي شَوَّال سَنَةَ ثَمَانٍ وَأَرْبَعِيْنَ وَمِائَةٍ۔

(آپ نے ماہ شوال ۱۴۸ ہجری میں سفر آخرت اختیار فرمایا)

(کتاب: روضۃ الواعظین ص۲۵۳ اور مناقب جلد ۴ صفحہ ۲۴۹)

البتہ شوال کی کس تاریخ کو آپ کی شہادت ہوئی، اس سلسلہ میں دو قول ہیں:

(۱):۔ ۱۵ر شوال المکرم ۱۴۸ھ ہجری، جیسا کہ ابن حجر مکیؒ نے صواعق محرقہ میں، اور صاحب نور الابصار نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۴۷ پر لکھا ہے۔

(۲):۔ ۲۵ر شوال ۱۴۸ھ جیسا کہ بعض اربابِ تحقیق نے اختیار کیا ہے۔

دریائے علوم آلِ محمدؐ کے شناور جناب علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے حضرت امام جعفر صادقؑ کی شہادت کے تذکرہ میں مندرجہ ذیل واقعہ بھی بیان کیا ہے:۔

شیخ صدوق علیہ الرحمہ کی روایت ہے... جناب ابو بصیر کہتے ہیں کہ:

"میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی شہادت کے بعد ان کے اہلِ خانہ کی خدمت میں تعزیت کے لئے آیا، تو جناب ام حمیدہ نے (بہت شدّت سے) گریہ کیا، اور ان کے رونے سے مجھ پر بھی رقت طاری ہو گئی۔

انہوں نے مجھ سے کہا:

"اے ابو بصیر کاش تم امام علیہ السلام کی شہادت کے وقت (اس شہر میں) موجود ہوتے تو تم ایک عجیب منظر دیکھتے!

(جب وقت شہادت نزدیک آیا تو) امام علیہ السلام نے آنکھیں کھولیں، اور فرمایا کہ:

"میرے جتنے بھی قرابت دار ہیں، سب کو جمع کرو۔"

چنانچہ ہم لوگوں نے امامؑ کے تمام قرابت داروں کو بلا لیا، اور کسی ایک شخص کو ترک نہیں کیا، بلکہ آپؑ کی ہدایت کے مطابق ایک ایک فرد کو جمع کر دیا۔

امام علیہ السلام نے تمام قرابت داروں پر نگاہ ڈالی اور فرمایا:

اِنَّ شَفَاعَتَنَا لَا تَنَالُ مُسْتَخِفًّا بِالصَّلٰوۃِ۔

بیشک ہماری شفاعت کسی ایسے شخص کو نصیب نہیں ہوگی جو نماز کو معمولی

چیز سمجھا ہو)

(ملاحظہ فرمایئے:
ثواب الاعمال صفحہ ۲۰۵: ب ۱: ۲:۴۷)

نامناسب نہ ہوگا، اگر یہاں قرآن مجید کے ایک ارشادِ مقدس کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جائے۔

ارشادِ قدرت ہے:

"كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ ۔ فِي جَنَّاتٍ يَتَسَاءَلُونَ عَنِ الْمُجْرِمِينَ ۔ مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ؟ ۔ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ۔ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ ۔ حَتَّىٰ أَتَانَا الْيَقِينُ ۔ فَمَا تَنفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ ۔

(روزِ قیامت) ہر شخص اپنے اعمال کے گروی ہوگا، سوائے اُن لوگوں کے جن کو ان کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔

وہ جنّت کے باغات میں، مجرموں کے بارے میں سوال کر رہے ہونگے کہ: تمہیں کس بات نے جہنّم تک پہونچایا۔؟

وہ لوگ کہیں گے: ہم نماز نہیں پڑھتے تھے۔

محتاجوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔ اہلِ باطل کے ساتھ لغو باتوں میں) ہم بھی شامل ہوجاتے تھے، اور روزِ جزاء کو جھٹلاتے تھے، یہاں تک کہ یہ یقینی منزل ہمارے سامنے آگئی

اب ان لوگوں کو، شفاعت کرنے والوں کی سفارش سے فائدہ

نہیں پہونچے گا)

(سورہ مبارکہ المدثر آیت ۳۸ تا ۴۷)

قرآن کا یہ اعلان کہ:

"ہر شخص اپنے اعمال کے ہاتھ گروی ہے" یعنی اُس کے حسنِ انجام، اور بدانجامی کا تعلق اس کے کردار سے ہے۔"

قرآن مجید نے قیامت کے دن کی منظر کشی کرتے ہوئے بتایا ہے کہ:

"ہر شخص اپنے اعمال کے ساتھ گروی ہوگا، نفسا نفسی کی کیفیت ہوگی، کسی کو کسی کا ہوش نہ ہوگا۔ لیکن جن لوگوں کو اُن کے ایمان اور عملِ صالح کی بناء پر جنت کا پروانہ عطا کیا جا چکا ہے، وہ داہنے ہاتھ میں اپنا نامہ اعمال لئے ہوئے جنت میں داخل ہوں گے، اور وہاں آراستہ مسندوں پر آرام سے بیٹھے ہوں گے۔

پھر اُن کو اہلِ جہنم کا منظر دکھایا جائے گا کہ کس طرح انھیں جہنم میں ڈھکیلا جا رہا ہے اور اُن کے ایمان اور عمل کی خرابی نے انھیں کتنے بُرے انجام سے دوچار کیا ہے۔

اہلِ جنت، اپنے آرام دہ مقامات پر بیٹھے ہوئے، بعض اہلِ جہنم سے پوچھیں گے کہ:

"ارے۔ آپ کیسے جہنم میں بھیج دیئے گئے۔؟ تو اُن لوگوں کا پہلا جواب یہ بیان کیا گیا ہے کہ:

"ہم لوگ نماز نہیں پڑھتے تھے!

کیونکہ اگر نماز پڑھتے، تو نماز ہمیں خدا کی یاد دلاتی، فحشاء و منکر سے روکتی، اور ہمیں خداوندِ عالم کے مقرر کردہ صراطِ مستقیم کی دعوت دیتی۔" (تفسیر نمونہ)

عصرِ حاضر میں، مصر کے ایک مفسر نے اس آیت کے ذیل میں بجا طور پر لکھا ہے کہ:
(نامہ اعمال) داہنے ہاتھ (میں پانے) والوں کی آزادی، اور قید سے خلاصی۔ اللہ کے فضل و رحمت سے ہوگی جو ان کی نیکیوں میں برکت دے گا۔
یہاں اس ضمن میں اس اعلان کی بڑی قدر و قیمت ہے۔ اور مجرموں کے دلوں پر کاری ضرب لگاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو رسوا کن حالت میں دیکھیں گے، اپنے گناہوں کا اس وقت ایک کھلا اور لمبا اعتراف کریں گے، جب یہ اعتراف کچھ فائدہ نہ دے گا۔
مومنوں کو، وہ (لوگ)، دنیا میں ناقابلِ توجہ اور ناقابلِ خطاب جانتے تھے، مگر وہاں انھیں بلند و بالا اور باعزت پائیں گے۔
وہاں اہلِ ایمان (ان جہنمی لوگوں) سے، جہنم میں داخلے کا سبب دریافت کریں گے۔
یہ اعلان، اہلِ ایمان کے قلوب پر بھی بڑا اثر انداز اور اثر انگیز ہے کہ وہ دنیا میں ان مجرموں سے ہزار قسم کی نفرت و حقارت اور اذیت و تمسخر برداشت کرتے ہیں۔
لیکن روز قیامت... وہ اپنے آپ کو باعزت جگہ اور اپنے دشمنوں کو اس ذلیل جگہ دیکھ کر پوچھیں گے:
مَا سَلَکَکُمْ فِیْ سَقَرَ (تمہیں جہنم تک کس چیز نے پہنچایا۔؟)
یہ سوال و جواب، ماضی کا سارا نقشہ اور ساری تاریخ اُن کے پیشِ نظر لائے گا۔

اور وہ مجرمین اس سوال کے جواب میں) کہیں گے کہ:
"ہم اُس جماعت میں نہ تھے، جن کی امتیازی علامت نماز تھی۔
اس سے پتہ چلتا ہے کہ دین میں نماز کی کیا اہمیت اور کتنا بلند مقام ہے۔
(حقیقت یہ ہے کہ): نماز اسلام کا بنیادی رُکن ہے، جس سے انکار کفر ہے۔

اسی لئے تو احادیث میں آیا ہے کہ:

مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ (جو عمداً نماز ترک کرے اس نے کفر کیا)

(فی ظلال القرآن پارہ ۲۹)

"اس مقام پر یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیئے کہ:

"نماز" کوئی شخص اس وقت تک پڑھ ہی نہیں سکتا جب تک وہ ایمان نہ لایا ہو اس لئے "نمازیوں میں سے ہونا" آپ سے آپ ایمان لانے والوں میں سے ہونے کو مستلزم ہے۔

لیکن "نمازیوں میں سے نہ ہونے کو" دوزخ میں جانے کا سبب قرار دیکر یہ بات واضح کر دی گئی کہ۔

"ایمان لاکر بھی آدمی دوزخ سے نہیں بچ سکتا اگر وہ تارک نماز ہو۔"

(تفہیم القرآن جلد ۶ صفحہ ۱۵۴)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی شہادت زہر سے ہوئی جیسا کہ متعدد علمائے کرام اور محققین ذوی الاحترام نے لکھا ہے۔

مصباح کفعمی کی عبارت ہے:

وَتُوُفِّيَ عَلَيْهِ السَّلَامُ... مَسْمُومًا فِي عِنَبٍ

(آپ کو انگور کے ذریعہ سے زہر دیا گیا، جس سے آپ کی شہادت ہوئی)

(ملاحظہ فرمائیے مصباح کفعمی ص ۵۲۳)

اور جیسا کہ ارباب تاریخ نے تصریح کی ہے:

عباسی حکمران، منصور دوانیقی نے ہی زہر کے ذریعہ سے آپ کو شہید کیا۔

جیسا کہ فخر المحققین نے لکھا ہے کہ:

"... جب سلطنت بنی امیہ ختم ہو گئی تو بنی عباس کا دور (شروع) ہوا۔ ابوالعباس (سفاح) اور منصور دوانیقی، بادشاہ (بن بیٹھے)۔۔ اور اسی منصور دوانیقی نے حضرت (امام جعفر صادق) کو زہر دلوایا، جس سے حضرت شہید ہوئے۔"

(تاریخ ائمہ صفحہ ۴۴۲)

عالم اسلام کے بلند مرتبہ عالم دین' ابن شہر آشوب نے بھی اسی کی تصریح کی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

وَقَالَ اَبُوْ جَعْفَرٍ الْقُمِّیّ: سَمَّہُ الْمَنْصُوْرُ، وَدُفِنَ فِی الْبَقِیْعِ، وَقَدْ کَمُلَ عُمْرُہٗ خَمْسًا وَ سِتِّیْنَ سَنَۃً۔

(جناب ابو جعفر قمیؒ کا بیان ہے کہ:

جناب امام جعفر صادقؑ علیہ السلام کو منصور نے زہر دیا — آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ (رحلت کے وقت) آپ زندگی کے ۶۵ سال مکمل کر چکے تھے)

(ملاحظہ فرمایئے: مناقب ابن شہر آشوب
جلد ۴ - صفحہ ۳۹۹

صاحب فصول المہمہ نے یہی لکھا ہے کہ

وَ یُقَالُ اَنَّہٗ مَاتَ بِالسَّمِّ فِیْ اَیَّامِ مَنْصُوْرٍ

(منصور دوانیقی کے زمانہ میں، زہر کے ذریعہ سے آپ کی شہادت واقع

ہوئی ہے (الفصول المہمہ صفحہ ۲۰۰، ۲۱۶)

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اپنے پدر بزرگوار کو غسل و کفن دیا۔ نماز جنازہ پڑھی اور ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں جنت البقیع میں دفن کیا۔

ثقۃ الاسلام شیخ ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ:

عَنْ یونُسَ بنِ یَعْقُوبَ، عَنْ اَبِی الحَسَنِ الاَوَّلِ، قال: سَمِعْتُہ یَقُول: اَنَا کَفَّنْتُ اَبِی فِی ثَوْبَیْنِ شَطَوِیَّیْنِ کَانَ یُحْرِمُ فِیْہِمَا، وَفِی قَمِیْصٍ مِنْ قُمُصِہِ وَفِی عِمَامَۃٍ کَانَتْ لِعَلِیِّ بْنِ الْحُسَیْنِ وَفِی بُرْدٍ اِشْتَرَیْتُہ بِاَرْبَعِیْنَ دِیْنَارًا۔

(یونس بن یعقوب کی روایت ہے، انہوں نے حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے نقل کیا ہے، آپ فرماتے ہیں کہ:

(میں نے اُن دو مصری کپڑوں میں (اپنے والد ماجد) کو کفن دیا، جو آپ بطورِ احرام استعمال کرتے تھے اور آپ کو قمیص پہنائی اور امام زین العابدینؑ کا عمامہ آپؑ (کے سرِ اقدس پر رکھا) اور ایک چادر جسے چالیس دینار میں خرید اتھا۔

(ملاحظہ فرمائیں:

کافی جلد ۱ صفحہ ۳۰۴)

تجہیز و تکفین کے بعد، نمازِ جنازہ ادا کی۔

اور جنت البقیع میں اپنے آبا و اجداد کے پہلو میں دفن کئے گئے۔

ؔ ۔ مؤلف مذکور نے اپنی لاعلمی کی وجہ سے "کہا گیا ہے" کا فقرہ استعمال کیا گیا ہے۔

جیساکہ تمام مورخین نے تواتر کے ساتھ لکھا ہے کہ:

وَدُفِنَ بِالْبَقِيعِ مَعَ اَبِيهِ وَجَدِّهِ وَعَمِّهِ الْحَسَنِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ

(آپ کو جنت البقیع میں آپ کے والد، دادا، اور ان کے چچا، امام حسن مجتبیٰؑ کے ساتھ دفن کیا گیا۔

ملاحظہ فرمایئے:
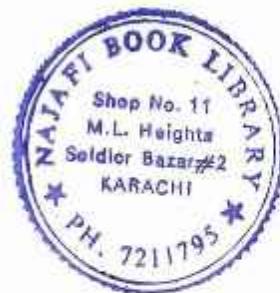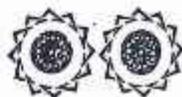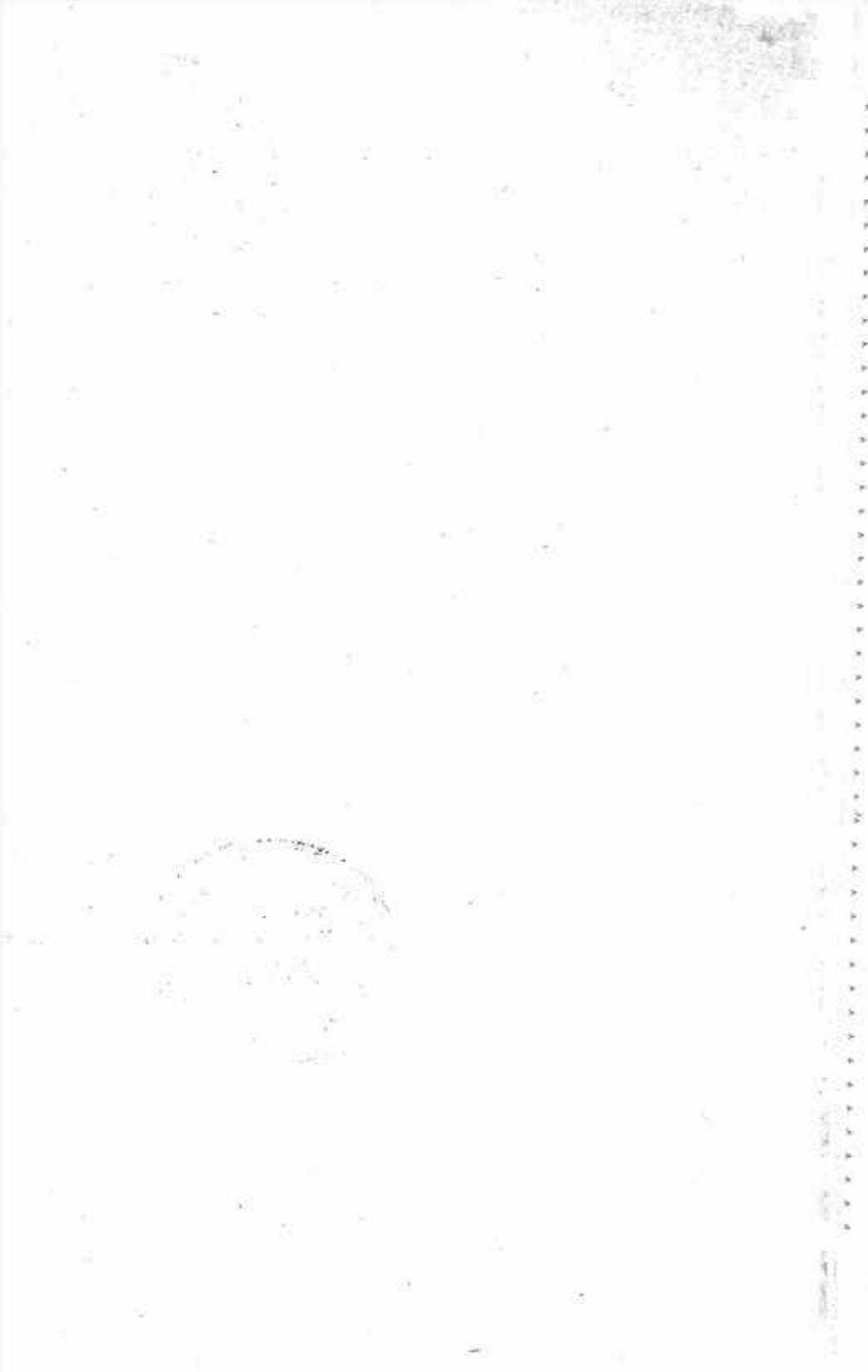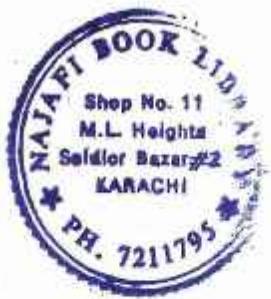
(اعلام الوریٰ ص۲۶۶)

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

پی او باکس نمبر 18168 کراچی 74700 پاکستان
Phone: 4134753

Rate	Name of Books	Rate	Name of Books	Rate	Name of Books
	ڈاکٹر علامہ السید ضمیر اختر نقوی		علامہ السید رضی جعفر نقوی		علامہ السید ذیشان حیدر جوادی
150/-	ام البنین	60/-	سوانح علیؑ	250/-	قرآن مجید ترجمہ و تفسیر
100/-	شہر بانو	60/-	سوانح حسنؑ	200/-	مطالعہ قرآن
100/-	معجزہ اور قرآن (عشرہ مجالس)	60/-	سوانح حسینؑ	200/-	نہج البلاغہ
		60/-	سید الساجدینؑ	325/-	مفاتیح الجنان
		60/-	امام محمد باقرؑ	150/-	نقوش عصمت (چودہ معصومینؑ)
		50/-	خطبات جناب فاطمہ	150/-	[illegible]
	پروفیسر ڈاکٹر سید مظفر حسین کاظمی	60/-	دستور حیات	150/-	ابو طالب مومن قریش
100/-	مقامات مقدسہ		العارف سید محمد ایوب نقوی مصطفیٰ آبادی	140/-	امام جعفر صادقؑ
300/-	سرچشمہ ہدایت	250/-	علی مولا	60/-	فدک تاریخ کی روشنی میں
100/-	واجد علی شاہ کی شاعری اور مرثیے	100/-	زینب بنت علیؑ	60/-	تجلی
100/-	مولا علی کے پچیس سال مدینے میں	100/-	علمدار کربلا	40/-	کربلا
	سید آصف حسن رضوی	100/-	جنگ جمل	100/-	خلافت و امامت
50/-	وظائف الصالحین اول و دوم	100/-	تاریخ کربلا	50/-	علم و جہاد
50/-	وظائف الصالحین سوم	100/-	اسلام کی نامور خواتین	200/-	صحیفۂ کاملہ
50/-	جنات و شیاطین	100/-	ہمارا آخری امام	100/-	صحیفۂ زہرا
50/-	فرشتے	130/-	[illegible]	40/-	گوہر یگانہ
	متفرق فہرست کتب	60/-	بنی ہاشم کے بچے کربلا میں	50/-	تحفۂ رضویہ
300/-	نہج الاسرار	60/-	سکینہ سکینہ ہے		
100/-	تفسیر کربلا (فروغ کاظمی)	60/-	کربلا کا ننھا شہید		دیگر مجالس
60/-	نجات (عشرہ مجالس)	100/-	مولا علی کے فیصلے	150/-	مکمل مجالس
60/-	نظریئے کربلا تک (عشرہ مجالس)	100/-	مولا علی کی جنگیں	100/-	کربلا شناسی
60/-	سائنس اور علمائے اسلام (عشرہ مجالس)		تحریر سید علی ایوب	100/-	خلق عظیم
130/-	منتخب نمازیں	100/-	علی مولا کے معجزات	100/-	رسالت انبیاء
160/-	حقائق الابرار	100/-	مولا عباس کے معجزات	100/-	توحید
		50/-	احادیث رسول اللہ	120/-	حسین حسنؑ
	احمد پبلیکیشنز کی فہرست کتب	50/-	مولا علی کے اقوال	100/-	امام حسینؑ
5/-	جناب سیدہ کی کربلا			50/-	عروج رسالت
20/-	سو معجزے		پروفیسر سید جعفر رضا زیدی	50/-	اسلام دین عقیدہ و عمل
60/-	مجموعہ وظائف	150/-	انتخاب بیاض جلد اول	50/-	عقیدہ و جہاد
150/-	گوہر یکتا	200/-	انتخاب بیاض جلد دوم		

افتخار بک ڈپو اسلام پورہ لاہور۔ فون: 7224812 — مکتبہ الرضا اردو بازار لاہور۔ فون: 7223689

محمد علی بک ڈپو G9/2 اسلام آباد موبائل: 0333-5224572 — حسن علی بک ڈپو کھارادر کراچی۔ فون: 2433055

مکتبہ علویہ رضویہ امام بارگاہ، کراچی۔ فون: 6686907